خان خدائیداد خان
کے
دورِ حکومت کا
تاریخی و
تحقیقی جائزہ

سعیدہ مینگل

خان خدائیداد خان کے دورِ حکومت کا تاریخی و تحقیقی جائزہ

Balochi Academy Quetta
ACC.NO 391/2
LIBRARY

سعیدہ مینگل

بلوچی اکیڈمی کوئٹہ

خان خدائیداد خان کے دور حکومت کا تاریخی و تحقیقی جائزہ
سعیدہ مینگل

© بلوچی اکیڈمی کوئٹہ

کتاب کا نام	:	خان خدائیداد خان کے دورِ حکومت کا تاریخی و تحقیقی جائزہ
محققہ	:	سعیدہ مینگل
پروف ریڈر	:	سعیدہ مینگل
ڈیزائننگ	:	میرگ بلوچ
ترتیب	:	نذر بلوچ
پرنٹرز	:	یونائیٹڈ پرنٹرز کوئٹہ
بار اوّل	:	2013ء
تعداد	:	500
قیمت	:	400 روپے

ISBN : 978-969-9768-18-7

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتساب

پیارے بھائی شیر جان مینگل مرحوم

کے نام

جس کی برادرانہ شفقت نے مجھے یہ مقام عطا کیا

کہ میں تعلیم کے اعلیٰ زینے پر قدم رکھ سکوں

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
☆	اظہار تشکر	15
☆	پیش لفظ	17
باب اوّل:-	بلوچستان کا مختصر جغرافیائی اور سیاسی ادوار کا جائزہ	22
(1)	بلوچستان کی جغرافیائی خصوصیات	
(2)	بلوچستان کے مشہور درے	24
(3)	بلوچستان کی علاقائی اہمیت	26
(4)	بلوچستان کی سیاسی ادوار کا مختصر جائزہ	28
(i)	آرین	29
(ii)	یونانی عہد	30
(iii)	ہندی (موریا عہد)	31
(iv)	ساسانی عہد	32
(v)	سندھو شاہی	34
(vi)	عرب عہد	35

(vii) غزنی کے حکمران 37
(viii) منگول 39
(ix) میروانی بلوچ خاندان 40
(5) خاندان احمد زئی 42
(i) میر احمد خان اوّل کا دور حکومت 1666ء تا 1695 42
(ii) میر محراب خان اوّل کا دور حکومت 1695ء تا 1697 43
(iii) میر سمندر خان کا دور حکومت 1697ء تا 1714 43
(iv) میر احمد خان دوئم کا دور حکومت 1714ء تا 1716 44
(v) میر عبداللہ خان کا دور حکومت 1716ء تا 1731 45
(vi) میر محبت خان و میر التاز خان کے ادوار حکومت 1731ء تا 1749 46
(vii) میر نصیر خان نوری کا دور حکومت 1749ء تا 1794 48
(viii) میر محمود خان اوّل کا دور حکومت 1794ء تا 1817 50
(ix) میر محراب خان دوئم شہید کا دور حکومت 1817ء تا 1839ء 51
(x) میر شاہنواز خان کا دور حکومت 1839ء تا 1840ء 53
(xi) میر نصیر خان ثانی کا دور حکومت 1841ء تا 1857ء 54
☆ حواشی 56
باب دوئم:- برطانوی پالیسی برائے بلوچستان 66
(1) ایسٹ انڈیا کمپنی اور ہندوستان پر انگریزوں کا قبضہ 66
(2) فرانسیسیوں کی فرنچ ایسٹ انڈیا کمپنی 69
(3) بنگال پر انگریزوں کا قبضہ 70
(4) افغانستان پر انگریزوں کا قبضہ 74
(5) ایران کے ساتھ معاہدات 76

(6)	فرانسیسی معاہدے	77
(7)	پنجاب پر انگریزوں کا قبضہ	79
(8)	سندھ پر انگریزوں کا قبضہ	82
(9)	بلوچستان پر انگریزوں کا قبضہ اور خوانین قلات کے ساتھ ان کے معاہدات	85
(10)	پہلی افغان اینگلو جنگ 1838	86
	1841 کا معاہدہ مابین نصیر خان اور انگریزی حکومت	91
	معاہدہ 1854 کی شرائط	93
	☆ حواشی	95
باب سوئم:-	خان میر خدائیداد خان کے حالات زندگی وتخت نشینی (دور اول)	102
(1)	میر خدائیداد خان کے ابتدائی حالات زندگی	102
	تخت نشینی (دور اول)	104
(2)	سرداروں کے ساتھ اختلافات کا آغاز اور اختلافات کی وجوہات	105
(3)	سرداروں کے مطالبات اور ان مطالبات کا تنقیدی جائزہ	108
(4)	انگریزوں کی ابتدائی مداخلت اور اندرونی شورشیں	110
	خان خدائیداد خان کا دورہ مکران اور گوادر پر قبضہ	115
(5)	ایرانی بلوچستان کی ریاست قلات میں شمولیت کی خواہش	116
(6)	امیر افغانستان کی مداخلت	117
(7)	خان اور سرداروں میں بداعتمادی اور انتشار	117
(8)	انگریزوں کی دوہری پالیسی اور خان کی امداد میں اضافہ	119
(9)	اقتدار پر شیر دل خان کا قبضہ (1863-1864)	120
(10)	شیر دل خان اور اس کے حمایتی سرداروں کے درمیان اختلافات کی وجوہات	125
(11)	شیر دل خان کی ذاتی صفات	127

(12)	شیر دل خان کے ایک سالہ دور حکومت پر تبصرہ	128
☆	حواشی	129
باب چہارم:-	میر خدائیداد خان کا دور ثانی	134
(1)	پس منظر	134
(2)	لاسی اور مینگلوں کی بغاوت	136
(3)	خان اور سرداروں میں ایک بار پھر بداعتمادی کی فضاء	137
(4)	خاران پر خان خدائیداد خان کا حملہ	142
(5)	قبیلہ رستم زئی کی بغاوت	143
(6)	سرداروں کے درمیان عارضی صلح کی کوشش اور انگریزوں کی ثالثی	144
	سرداروں کے مطالبات	146
(7)	بلوچ ایرانی سرحدی تنازعہ	149
(8)	افغان سرداروں کی آمد	152
(9)	مٹھن کوٹ کانفرنس 3 فروری 1871ء	152
(10)	مٹھن کوٹ کانفرنس کا تنقیدی جائزہ	154
(11)	ملک گیر بغاوت	155
(12)	خان خدائیداد خان کے خلاف عام بغاوت کی وجوہات	157
(13)	کھڈ مستونگ کی لڑائی	160
(14)	صلح نامہ جلال خان	163
(15)	کیچ میں بغاوت کی وجوہات	166
	صلح نامہ جلال خان کے بعد خدائیداد خان کا ردعمل	168
(16)	سمجھوتہ جیکب آباد مارچ 1872ء	170

(17)	رابرٹ سنڈیمن کی بلوچستان آمد	175
(18)	سر رابرٹ سنڈیمن کے حالات زندگی	176
(19)	سنڈیمن کی فارورڈ پالیسی	178
(20)	رابرٹ سنڈیمن کا دورہ بلوچستان 1875ء	179
(21)	سنڈیمن کا دوسرا مشن 1876ء اور معاہدات	181
	خان کی شرائط صلح	183
(22)	معاہدہ مستونگ 13 جولائی 1876ء	186
(23)	معاہدہ مستونگ کے اسباب	186
(24)	معاہدہ مستونگ کے اثرات اور تنقیدی جائزہ	188
(25)	جیکب آباد میں وائسرائے سے ملاقات اور معاہدہ 1876ء	191
(26)	افغانستان کی دوسری لڑائی 1878ء	194
(27)	معاہدہ گنڈامک	195
(28)	سردار گوہر خان زرکزئی کی بغاوت	199
(29)	برٹش بلوچستان کا قیام	201
(30)	وائسرائے ہند کی بلوچستان آمد	203
(31)	ریاست قلات کے سیاسی حالات اور خان کے برائے نام اختیارات	204
(32)	سنڈیمن کی موت اور اُس کے اوصاف واصول	207
(33)	جنرل سر جیمز براؤن AGG کی بلوچستان آمد	208
(34)	خان خدائیداد خان کی نظر بندی اور وفات	212
(35)	خان خدائیداد خان کا کردار بحیثیت حکمران	213
	☆ حواشی	219

باب پنجم: میر خدائیداد خان کے دورِ حکومت اور پالیسیوں کا تنقیدی جائزہ 234

(1) پس منظر 234

(2) خان خدائیداد خان کا دورِ اوّل حکمرانی کا تنقیدی جائزہ 238

(3) خان خدائیداد خان کا دورِ دوئم حکمرانی کا تنقیدی جائزہ 152

☆ حواشی 161

☆ خلاصہ (حرفِ آخر) 264

☆ کتابیات (Bibliography) 275

اظہار تشکر

پروردگار عالم کی صد بار شکر گزار ہوں جس نے مجھے یہ صلاحیت بخشی کہ میں تحقیق کے پیچیدہ اور مشکل کام کو بخیر و خوبی سرانجام دے سکی اس کاوش کو کامیابی سے تکمیل تک پہنچانے میں یقیناً میری والدہ اور بہنوں کی دعاؤں کا ثمر ہیں میں مشکور ہوں اپنی والدہ اور پیاری بیٹی نورین بلوچ کا کہ جن کا تعاون ہمیشہ مجھے حاصل رہا ہے۔

میں خاص طور پر انتہائی احسان مند مشکور اور ممنون ہوں اپنے قابل احترام شفیق اور مہربان استاد اور نگران اعلیٰ ڈائریکٹر سٹڈی سینٹر پروفیسر ڈاکٹر منیر احمد بلوچ صاحب کا کہ جنہوں نے زمانہ طالب علمی سے لے کر تا حال تعلیم و تحقیق کے ہر مرحلے پر میری حوصلہ افزائی ہمت افزائی اور رہنمائی کی اور مجھے ہر بار اس قابل بنایا کہ میں ہر امتحان کا مقابلہ پامردی کے ساتھ کرسکوں۔

میں بلوچستان اسٹڈی سینٹر کے ڈائریکٹر پروفیسر ڈاکٹر عبدالرزاق صابر کی از حد شکر گزار ہوں جنہوں نے بحیثیت ڈائریکٹر بلوچستان اسٹڈی سینٹر میں میری رجسٹریشن کروا کر مجھے کام کرنے کا موقع عنایت کیا۔

اپنے ہم کار اور معاون نگران چیئرمین شعبہ تاریخ پروفیسر محمد ضیاء الدین

صاحب کا جنہوں نے ہر لمحے میری رہنمائی فرمائی اور املا کی درستگی کی۔

اپنے استادِ محترم پروفیسر وہاب شاہ صاحب، شعبہ اسلامیات کے پروفیسر ڈاکٹر غلام محمد جعفر صاحب اور پروفیسر ڈاکٹر عبدالصبور بلوچ اور بلوچستان کے نامور محقق و مورخ محترم آغا نصیر خان احمد زئی صاحب کی بھی ممنون ہوں کہ جنہوں نے مجھے موضوع کے متعلق نایاب مواد فراہم کیا۔

خصوصی اظہار تشکر

میں اپنی اس تحقیق کی تکمیل پر بلوچستان سٹڈی سینٹر کے پروفیسر فاروق بلوچ کا خصوصی طور پر تہہ دل سے شکریہ ادا کرتی ہوں اگر ان کا تعاون میرے شامل حال نہ ہوتا تو میں اپنا یہ کام بروقت پایہ تکمیل تک نہیں پہنچا سکتی۔

سعیدہ مینگل

اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ تاریخ جامعہ بلوچستان کوئٹہ

پیش لفظ

بلوچستان چونکہ جغرافیائی اور علاقائی محل و وقوع کے اعتبار سے ایشیاء میں ایک اہمیت کا حامل خطہ ہے۔ اٹھاوریں صدی کی ابتداء میں جب برطانوی حکومت نے برصغیر کے ساتھ سیاسی تعلقات استوار کئے۔ تب ان کے علماء ودانشور اور محققین نے بلوچستان کے خطے پر اپنی سیاسی اور فوجی مراعات کے حصول اور مقاصد کی تکمیل کی خاطر کافی تاریخی کتابیں لکھیں مگر علم کے فقدان کی وجہ سے مقامی لوگ. بلوچستان کی تاریخ مرتب نہ کر سکے بلوچستان کی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے طلباء ودیگر قارئین کو ہمیشہ سے یہ شکایت رہی ہے کہ اولاً بلوچستان کی تاریخ پر مواد بہت کم ہے اور ثانیاً جو مواد موجود ہے۔ وہ بھی بکھرا اور منتشر ہے لیکن آج بہت حد تک مختلف اداروں بلوچستان سٹڈی سینٹر، بلوچی اکیڈمی، براہوئی اکیڈمی اور دیگر بہت سارے اداروں نے بلوچستان کے تاریخ پر بہت سارا مواد فراہم کیا ہے۔ اور مقامی لوگوں نے بھی تاریخ بلوچستان پر کچھ کتابیں لکھی ہیں۔ لیکن اب بھی بہت سارے موضوعات بکھرے اور منتشر ہیں۔ انہیں تحقیقی انداز سے یکجا کرنے کی ضرورت ہے۔ انہی بکھرے ہوئے موضوعات میں سے ایک اہم ترین باب جو کہ نہ صرف اس خطہ بلوچستان یا ایشیاء بلکہ عالمی سطح پر بھی انتہائی اہمیت کا حامل ہے وہ میر خدائیداد خان کا دور حکومت 1857ء تا 1893ء پر مشتمل ہے اس موضوع پر کچھ نہ کچھ مواد اردو، بلوچی اور فارسی میں دستیاب ہے اس موضوع پر مواد کی کمی اور خاص کر انگریزی زبان میں تو شدید مواد کی کمی کی وجہ سے یقیناً تحقیق کے کام کو آگے لے جانے میں یہ

ایک بڑی رکاوٹ ہے۔ خدائیداد خان پر زیادہ تر کام ضمناً کیا گیا ہے۔ اس کی ذات، شخصیت اور حکومت پر الگ سے کوئی کتاب نہیں لکھی گئی ہے۔ لہذا ضمناً کام کو یکجا کرنا، ترتیب دینا، ضبط تحریر میں لانا، صحیح اور غلط کو الگ کرنا یقیناً وقت طلب کام ہے۔

تحقیق تو نئی دریافت یقیناً نہیں ہے مگر اس میں پیچیدگی ضرور ہے لہذا تاریخ کے گم شدہ کڑیوں اور بکھرے ہوئے مواد کو یکجا کرنے کے لئے ایک لمبے عرصے کی ضرورت ہے بہرحال اس محنت طلب اور مشکل ترین کام کو شب و روز کی محنت سے خیر و خوبی اور احسن طریقے سے پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ اس کتاب کو لکھنے کے مندرجہ ذیل اغراض و مقاصد ہیں۔

1	ان حالات و واقعات کا تجزیہ کرنا جن کے تحت بلوچستان میں انگریزوں کو وسیع تر اختیارات حاصل ہوئے۔
2	ان وجوہات کو منظر عام پر لانا کہ جن کی وجہ سے خدائیداد خان کے دور حکومت میں پورا بلوچستان خانہ جنگی کی لپیٹ میں آیا۔
3	بلوچستان میں انگریزوں کی عائد ہونے والی پالیسیوں کو منظر عام پر لانا۔
4	خان خدائیداد خان کے دور پر بکھرے ہوئے مواد کو ترتیب میں لانا تاکہ محققین اور طلباء استفادہ کرسکیں۔

زیر نظر کتاب جس کے عنوان کا تعلق میر خدائیداد خان کا دور حکومت جو لگ بھگ 35 سالوں اور دو ادوار پر مشتمل ہے۔ اس موضوع کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اس کتاب کو مندرجہ ذیل ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔

اس کتاب کا پہلا باب دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں بلوچستان کا جغرافیہ، رقبہ محل وقوع اور بلوچستان کی سیاسی و علاقائی اہمیت کے تناظر میں تحریر کیا گیا ہے۔ نیز ساتھ ساتھ بلوچستان کے مختلف حالات و ادوار کو تاریخ کے تناظر میں دیکھا گیا

ہے۔ محل و وقوع اور جغرافیہ کے اعتبار سے گوکہ بلوچستان کوئی معاشی منڈی نہ تھا لیکن اپنے محل وقوع اور جغرافیہ کی وجہ سے زبردست اہمیت کا حامل خطہ ہے۔ 600 میل طویل ساحل سمندر اور اونچے اونچے پہاڑی درے اور بین الاقوامی سرحدوں میں گھرا ہوا یہ علاقہ ہر دور میں نمایاں اہمیت کا حامل خطہ رہا ہے سکندر کے حملوں سے لے کر موجودہ دور تک کبھی بھی تاریخی صفحات سے دور نہیں رہا۔ لہذا فوجی نقطہ نگاہ سے یہ علاقہ نہایت ہی اہمیت کا حامل ہے۔ پہلے باب کے دوسرے حصے بلوچستان کی سیاسی اہمیت کو ادوار کے تناظر میں تقسیم کر کے واقعات کے ان تسلسل کو جوڑنے کی کوشش کی گئی ہے یہ عہد آریز، یونانی عہد، ہندی یا موریا عہد، ساسانیوں کا عہد، سندھو شاہی، عربوں کا دور حکومت، غزنی کے حکمران، منگول اور اس کے بعد میروانی بلوچ خاندان، خاندان احمد زئی اور اسی خاندان کے خوانین قلات میر احمد خان اول، میر محراب خان (اول) میر سمندر خان، میر احمد خان (دوئم) میر عبداللہ خان، میر محبت خان، میر ایلتیاز خان، میر نصیر خان نوری، میر محمود خان اوّل، میر محراب خان شہید، میر شاہ نواز خان میر نصیر خان ثانی اور پھر خدائیداد خان تک کے حالات و واقعات کا مختصر سیاسی جائزہ پیش کیا ہے۔

اس کتاب کا دوسرا باب خان میر خدائیداد خان کے حالات زندگی پر مبنی ہے جس میں ان کے ابتدائی ایام کے حالات کے ساتھ ساتھ ان کی پہلی تخت نشینی اور پھر ان کی معزولی اور ایک سال تک میر شیر دل خان کی حکومت تک کے واقعات اور حالات بیان کئے گئے ہیں۔

بلوچستان کے بارے میں برطانیہ کی پالیسی تاریخ کے طلباء کے لئے ہمیشہ سے ایک دلچسپ اور اہم موضوع رہا ہے۔ اس کتاب کا تیسرا باب انہی حالات اور واقعات کا احاطہ کرتی ہے۔

برطانوی پالیسی برائے بلوچستان کے باب میں ایسٹ انڈیا کمپنی کا قیام،

ہندوستان پر قبضہ، پنجاب پر قبضہ ایران کے ساتھ معاہدات، سندھ پر قبضہ اور 1839ء میں بلوچستان پر حملہ اور محراب خان کی شہادت کے بعد بلوچستان پر قبضہ اور اس کے بعد افغانستان پر قبضہ یہ باب انہی حالات اور واقعات کا احاطہ کرتی ہے۔ اس کتاب کا چوتھا باب خدائیداد خان کا دوبارہ اقتدار میں آنا ایک ایسے پرآشوب اور غلامانہ دور کا آغاز ہونا جس نے قلات کے سطوت و جبروت کے شہتیر گرا دیئے اور اس کی عظمت کو ختم کردیا خدائیداد خان انگریزوں کے بچھائے ہوئے حال میں پھنستا چلا گیا۔ انگریزوں نے خدائیداد خان اور سرداروں کے قبائلی اختلافات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہیں مزید ہوا دی اور ایسی خانہ جنگی شروع ہوئی جو 21 سالوں تک جاری رہی الغرض بلوچستان پر انگریزوں کا قبضہ مزید مستحکم ہوتا چلا گیا خان خدائیداد خان پے در پے کئی معاہدات کر کے انگریزوں کا دست نگر بن گیا۔ ان تمام معاہدات، سقوط قلات، دوسری اینگلو افغان وار معاہدہ گنڈامک، بلوچ سلطنت کے قیام کی تجویز مٹھن کوٹ کانفرنس، انگریزوں کی فارورڈ پالیسی، جرگہ سسٹم، سنڈیمن سسٹم، سنڈیمن کی موت اور جیمز براؤن کی آمد، خان خدائیداد خان کی دوبارہ معزولی قید اور موت اس باب کے اہم موضوعات ہیں۔ اس کتاب کے پانچویں باب خان میر خدائیداد خان کی حکومتی پالیسیوں پر مبنی ہے جس میں داخلہ اور خارجہ پالیسیوں کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔ داخلہ پالیسی میں سرداروں کے ساتھ تعلقات کی نوعیت اور خانہ خانہ جنگی نیز انگریزوں کے ساتھ تعلقات کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ اور خارجہ پالیسی میں انگریزوں کے ساتھ معاہدات اور مختلف نوعیت کے اصلاحات کو زیر بحث لایا گیا ہے۔

کتاب کے حرف آخر میں تحریر کردہ تمام تر مواد کا اختصار پیش کیا گیا ہے۔ جس میں خدائیداد خان کی حکومت، سیاست، اقدامات، خانہ جنگیوں اور اندرون ملک سرداروں اور قبائل کے ساتھ تعلقات اندرونی پالیسی اور بیرون ملک سطح پر انگریزوں کے ساتھ

تعلقات ان کو دیئے گئے مراعات اور ان کے ساتھ کئے گئے معاہدات کا اختصار یہ پیش کیا گیا ہے۔ان تمام ابواب کو ایک تسلسل کے ساتھ اور مربوط انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ جو تاریخ کے موضوعات پر تحقیق کے لئے ضروری گردانے جاتے ہیں۔ میر خدائیداد خان کی شخصیت اور ان کے عہد حکومت پر یہ ایک پہلی اور مفصل کوشش ہے۔اس موضوع پر لکھنے کی ضرورت اس لئے محسوس کی گئی کہ اس عنوان کے تحت اس سے قبل مواد کی شدید کمی محسوس کی جاتی تھی جس کی وجہ سے بلوچستان اور ایشیاء کی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے افراد تشنہ لب رہ جاتے ہیں دوئم یہ کہ طلباء کو انگریزوں کی عیاری اور شاطرانہ چالبازیوں سے بھی آگاہی حاصل ہو جس کی وجہ سے بلوچستان کو بار بار پولینڈ کی طرح تقسیم کے عمل سے گزرنا پڑا اور انگریز استعماریوں نے بلوچ جغرافیہ کا حلیہ بگاڑ کر ملک کو تین مختلف حصوں میں تقسیم کردیا یہ تمام حالات اور واقعات جو میر خدائیداد خان کے دور میں پیش آئے ہر ایک کو اس کی نوعیت کے لحاظ سے مختلف ابواب میں تقسیم کر کے کتاب کی زینت بنا دیا گیا ہے۔جن کے لئے مختلف مستند اور اہم تاریخی کتب سے استفادہ کیا گیا ہے میری اس کوشش اور محنت میں مجھے کہاں تک کامیابی حاصل ہوئی ہے یہ فیصلہ پڑھنے والوں پر منحصر ہیں۔

بلوچستان کا مختصر جغرافیائی اور سیاسی ادوار کا جائزہ

محل و وقوع کے اعتبار سے بلوچستان پاکستان کے جنوب مغرب میں ایک وسیع علاقے کو گھیرے ہوئے ہیں اس کے شمال میں افغانستان اور مرکز کے زیر انتظام قبائلی علاقے شمال مشرق میں پنجاب، مشرق میں سندھ، جنوب میں بحیرہ عرب اور مغرب میں ایران واقع ہے(1) بلوچستان دو الفاظ ''بلوچ'' اور ''ستان'' کا مرکب ہے جس کے معنی ہے بلوچوں کے رہنے کی جگہ، اس پورے خطے کا کل رقبہ "3,40,000" مربع میل ہے(2) دور حاضر میں یہ علاقہ سیاسی حیثیت سے تین ممالک ایران ،افغانستان اور پاکستان میں منقسم ہے۔ ایرانی بلوچستان کا کل رقبہ تقریباً 69,487 مربع میل، افغانی بلوچستان کا تقریباً 40,000 مربع میل جبکہ پاکستانی بلوچستان کا تقریباً 1,34,000 مربع میل ہے(3) 1981ء کی مردم شماری رپورٹ کے مطابق بلوچستان کی آبادی 43,32,376 نفوس پر مشتمل تھی جو پاکستان کی کل آبادی کا 14ء5 فیصد بنتا تھا اور فی کلومیٹر اوسط آبادی 12,5 افراد پر مشتمل تھی۔(4)

بلوچستان، بلوچستان کا نام پانے سے قبل کئی ولایتوں میں منقسم تھا اور ہر حصہ پر وہاں آباد قبائل کی نیم جمہوری یا قبائلی سیاسی نظام پر مشتمل حکومت قائم تھی لہذا ایک عرصے تک بلوچستان کی عدم مرکزیت کی وجہ سے صحیح حدود کا تعین نہ ہو سکا بلوچستان کو بلوچستان کا نام سب سے پہلے کس نے دیا؟ تاریخی حقائق سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ''بلوچستان کو یہ نام سب سے پہلے میر نصیر خان نوری نے عطا کیا(5)

جسٹس میر خدا بخش مری اپنی کتاب ''بلوچستان تاریخ کے آئینے میں'' ابی القاسم

ابن حوقل کا حوالہ دیتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ ”یہ علاقہ 905 کے لگ بھگ بلوچستان کے نام سے جانا جاتا تھا“ (6)

بہر حال جہاں تک بلوچستان کے نام یا حدود کا تعلق ہے تو یہ بات وثوق سے کہی جاتی ہے کہ نصیر خان نوری ہی وہ عظیم حکمران تھا جس نے بلوچستان کے حدود کا تعین کیا۔ بقول میر گل خان نصیر ”ایک دفعہ افغانستان کے بادشاہ احمد شاہ ابدالی نے بلوچستان کے حکمران میر نصیر خان نوری سے کہا ہماری اور مملکتوں کے درمیان حدود کا تعین ہونا چاہیئے آپ کے خیال میں آپکی مملکت کے درمیان حدود کہاں سے کہاں تک ہیں میر نصیر خان نوری نے بڑا بااصول جواب دیا جہاں جہاں تک بلوچی بولی جاتی ہے وہاں تک میری حدود ہے“ (7)

بلوچستان تین مختلف مما لک میں منقسم ہے یعنی پاکستان، ایران اور افغانستان انگریزی قبضے کے بعد بلوچستان کی تقسیم وقتاً فوقتاً ہوتی رہی درحقیقت پولینڈ کی طرح ہمیشہ بلوچستان کو بھی مختلف ادوار کے حکمران تقسیم کرتے رہے برطانیہ نے ایران کے ساتھ بلوچستان کے کچھ علاقے ملا دیئے اور افغانستان کی حکومت کی خوشنودی حاصل کرنے کی خاطر بلوچستان کے کچھ علاقے افغانستان میں شامل کر دیئے گئے بعد ازاں انتظامی ضروریات کا بہانہ بنا کر مشرقی بلوچستان کے بہت سارے علاقے سندھ اور پنجاب کو دیئے گئے لہذا بلوچستان کے حدود کا تعین متغیر رہا۔ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کے مطابق یہ حدود بم (بام) کے مشرق میں صحرائے کرمان اور کوہِ بشگرد میں ایرانی سطع مرتفع کے جنوب مشرق سے لیکر سندھ اور پنجاب کے مغربی سرحد تک پھیلا ہوا ہے (8)۔ جبکہ انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا میں اس کی حدود کچھ یوں تحریر ہے کہ بلوچستان کے شمال مشرق میں دریائے گومل، جنوب میں بحیرہ عرب مغرب اور شمال مغرب میں ایران، شمال میں افغانستان اور مشرق میں کوہ سلیمان اور کوہ کیرتھر واقع ہیں اسکا ساحل، ساحل مکران کے

نام سے مشہور ہے اور یہ ایران تک پھیلا ہوا ہے (9)۔ بلوچستان جغرافیائی لحاظ سے قدرتی طور پر تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے پہاڑی علاقے، میدانی علاقے اور صحرائی علاقے، مشرق سے مغرب اور جنوب مغرب کا تمام علاقہ وسیع و عریض سلسلہ ہائے کوہ پر مشتمل ہے جس میں i- سلسلہ کوہ سلیمان ii- سلسلہ کوہ وسطی ہربوئی (بروھی) iii- سلسلہ کوہ کیرتھر iv- سلسلہ کوہ پپ v- سلسلہ کوہ سیاھان vi- سلسلہ کوہ چاغی vii- سلسلہ کوہ راس viii- سلسلہ کوہ وسطی مکران ix- سلسلہ کوہ ساحلی مکران x- سلسلہ کوہ توبہ xi- سلسلہ شین غر (سبز پہاڑ) xii- سلسلہ کوہ کند xiii- سلسلہ تورغر (کالا پہاڑ) وغیرہ شامل ہیں۔

جبکہ جنوب مشرقی علاقہ کچھی، بی اور نصیر آباد پر مشتمل ہیں جو ایک وسیع و عریض میدانی علاقہ ہے۔(10) بلوچستان کا شمال مغربی علاقہ جو نوشکی سے دریائے ہلمند گرم سل اور سیستان تک پھیلا ہوا ہے۔ایک لق و دق ریگستان اور بے آب و گیاہ صحرا ہے جو صحرائے ایران کا حصہ ہے اور جس میں عظیم صحرائے لوط واقع ہے یہ تمام علاقے خشک اور بنجر ہے(11)

بلوچستان کے مشہور درے

بولان اور مولہ بلوچستان کے دو مشہور درے ہیں جہاں سے قندہار، گرم سل ، ہرات اور سیستان سے تجارتی قافلے سندھ و ہند آیا جایا کرتے تھے۔ (12) جہاں تک لفظ دریا کا تعلق ہے اگر اس کے معنی وہ لئے جائیں جو دریائے سندھ اور دریائے راوی وغیرہ کے بہتے ہوئے پانیوں کے لئے مستعمل ہے تب بلوچستان میں کوئی ایسا آب رواں بہتا ہوا دریا نہیں جسے لفظی معنوں میں دریا کہا جا سکے البتہ بلوچستان میں اتنی بڑی بڑی پہاڑی ندیاں ضرور ہیں جن میں پانی ملتا ہے ایسی بڑی بڑی پہاڑی ندیوں کو بلوچی میں کھور اور براہوئی میں جل کہتے ہیں۔ گو کہ دریا کے لئے دریاب کا لفظ بلوچی اور براہوئی

میں مستعمل ہے لیکن وہ ان پہاڑی ندیوں کے لئے نہیں بولا جاتا ان پہاڑی ندیوں سے آبپاشی کے لئے جو نالے نکالے جاتے ہیں ان کو ''کھورجو'' کہتے ہیں بلوچستان کے مشہور اور قابل ذکر پہاڑی ندیاں یا کھور یہ ہیں۔

i-ہنگول کھور ii-ناڑی کھور iii-رخشان کھور iv-دشت کھور iv-لوہڑہ یا بُر کھور iv-ژوب کھور v-بولان کھور vi-مولہ کھور vii-گاج یا کولاچی کھور viii-حب کھور ix-پورالی کھور x-شادی کھور xi-لہڑی کھور xii-بڈو کھور (13)

بلوچستان کی ہامون (دلدل) یا جھیلیں مندرجہ ذیل ہیں۔جغرافیہ نویسوں نے ہامون کے لئے اگرچہ جھیل کا نام استعمال کیا ہے لیکن ہامون لفظ کا صحیح معنوں میں جھیل نہیں ہوتا اسے دلدل کا علاقہ زیادہ موزوں ہے۔ کیونکہ یہ ہموار زمین کے ایسے قطعات ہوتے ہیں جن میں پہاڑی ندیوں کے سیلاب کا پانی پہنچ کر جذب ہوتا ہے اور یہ دلدل کی صورت اختیار کرلیتی ہے بلوچستان میں اس قسم کی چھوٹی بڑی ہامون یا جھیلیں بکثرت ملتی ہیں جن میں ذیل مشہور ہے۔i-ہامون لوہڑہ ii-ہامون ماشکیل iii-زنگی ناوڑ iv-ہنہ جھیل v-اسپین کاریز وغیرہ۔(14) بلوچستان کے یہ خشک و بنجر پہاڑ معدنی ذخائر سے بھرے پڑے ہیں معدنیات کے ضمن میں بلوچستان پاکستان کا امیر ترین صوبہ ہے یہاں بیرائیٹ، کرومائیٹ، فلورائیٹ، میگنائیٹ، کوئلہ، جپسم، گندھک، قدرتی گیس، تانبا، کھریا مٹی، لوہا، تیل، سرمہ، سونا، ان دھاتوں کے علاوہ نیلم، الماس اور زمرد جیسے قیمتی پتھر بھی ضلع چاغی میں دریافت ہوئے ہیں(15)

بلوچستان کے پیداواری ذرائع میں مختلف اقسام کے پھلوں، سبزیوں، اجناس وغیرہ کے علاوہ گوشت اور مچھلی بھی شامل ہیں۔یوں تو بلوچستان کا ساحل سمندر کراچی سے بندرعباس تک ہے اس طویل ساحل پر ماہی گیری کی بیسیوں چھوٹی چھوٹی بندرگاہیں ہیں مشہور بندرگاہوں میں گوادر، پسنی، اورماڑہ، جیونی، سون میانی اور کلمت بندر قابل ذکر ہیں۔(16)

RARY

بلوچستان کی علاقائی اہمیت

بلوچستان اپنی علاقائی محل و وقوع جغرافیائی تناظر وسیع رقبے، کم آبادی اور دشوار گزار پہاڑوں کے باعث تاریخی اہمیت کا حامل خطہ رہا ہے برصغیر میں داخلے کے لئے اس کے دروں بولان اور مولہ کو خصوصی اہمیت حاصل رہی ہے بلوچستان بیک وقت دو خطوں کے ساتھ منسلک ہے اپنی زمینی محل و وقوع کے لحاظ سے یہ وسط ایشیاء کا حصہ ہے اور اپنی سیاسی پس منظر کے حوالے سے یہ جنوبی ایشیاء سے وابستگی رکھتا ہے اسی طرح اس کی یہ دوہری وابستگی اسے زبردست جیو پولیٹیکل اہمیت عطا کرتے ہیں اسی وجہ سے مورخین اس خطہ کو ''مشرق، مغرب کا سنگم قرار دیا ہے'' (17)۔ کیونکہ ہندوستان اور ایران کے درمیان سفر کرنے کے لئے بولان اور مولہ کے دروں سے گزرنا پڑتا ہے۔ یا پھر ساحل سمندر کے راستے دونوں اطراف میں آمدورفت ہوسکتی ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی متبادل راستہ نہیں جدھر سے گزر کر دوسرے اطراف میں جایا جاسکے۔ بلوچستان تاریخ میں ہمیشہ سے بیرونی حملہ آوروں، افواج کی گزرگاہ رہا ہے سب سے پہلے سیمی رامس اور اس کے بعد یونانی مورخین نے اس کا تذکرہ کیا ہے 26-325 قبل مسیح ہندوستان سے واپسی پر سکندر اعظم نے اپنی ایک فوجی دستے کے ساتھ لسبیلہ اور مکران کے بحیرہ عرب کے ساحل کے ساتھ ساتھ سفر کیا اس کے دوسرا فوجی دستہ درہ مولہ کے راستے بعد ازاں مشہور مسلمان فاتح محمد بن قاسم نے سندھ پر حملے کے لئے یہی راستہ اختیار کیا جو سکندر اعظم نے ہندوستان سے واپسی پر اختیار کیا تھا خود بلوچوں نے پندرویں صدی عیسوی میں امیر شہیک رند کی قیادت میں مکران سے نکل کر قلات سے ہوتے ہوئے اور مولہ کے راستے کچھی اور سبی کے زرخیز زمین کا رخ کیا ارغون بھی بولان کے راستے سندھ کے سمہ حکمرانوں پر حملہ آور ہوئے جب کہ ایران کے نادرشاہ افشار نے سندھ پر حملہ آور ہوتے

ACC NO. 273
LIBRARY

وقت بلوچستان کا راستہ اختیار کیا(18)

''تاریخ کے ہر دور میں چاہے کوئی حملہ آور مشرق سے افغانستان اور وسط ایشیاء کی طرف بڑھایا شمال، جنوب اور مغرب سے ہندوستان کو فتح کرنے کی غرض سے آیا بلوچستان کی جغرافیائی اہمیت ساحلِ سمندر اور مشہور بندرگاہیں سونمیانی اور ماڑہ، پسنی گوادر اور جیونی وغیرہ ہر حملہ آور کی گزرگاہ بنی رہی ہیں'' (19)۔ جغرافیائی اعتبار سے موجودہ بلوچستان کا شمار دنیا کے چند احساس ترین خطوں میں کیا جاسکتا ہے کیونکہ ایک طرف ایشیاء کی قربت ہے دوسری طرف بحیرہ عرب کے راستے گرم پانیوں تک رسائی بھی مشکل نہیں روس، افغانستان اور ایران قریب ترین ہمسایہ ہے جن کے لئے بلوچستان کا طویل ساحل اپنے اندر ایک خاص جاذبیت رکھتا ہے پھر اس خطے کے بے پناہ قدرتی وسائل ہیں جو اس کے بے آب و گیاہ اور سنگلاخ سرزمین کو بھی ہر نظر کے لئے پرکشش بناتے ہیں۔ بلوچستان، ایران اور افغانستان کی علاقائی اور فوجی اہمیت کی بنیاد درحقیقت جنوب مغربی ایشیاء اور جنوبی ایشیاء کے مابین تجارتی راستوں پر مبنی ہے جو کہ برطانیہ اور روس کے لئے انیسویں صدی اور بیسویں صدی کے اوائل میں شدید کشمکش کا سبب بنی (20).

بلوچستان کے نقشے پر نظر ڈالتے ہی یہ واضح ہوجاتا ہے کہ فوجی اہمیت کے حامل یہ خطہ پاکستان کے مغرب میں ایک طویل رقبے اور ایران کے مشرقی حصے جو فرانس کے رقبے سے کچھ بڑا ہوگا پر محیط ہے اور بحیرہ عرب کے 900 میل لمبے ساحل کے ساتھ ہے جس میں آبنائے حرمز کا جنوبی ساحل بھی شامل ہے آبنائے حرمز سے مغرب اور جاپان کے لئے جانے والے تیل کے ٹینکروں کا خلیج فارس سے نکلتے ہوئے یہاں سے گزرنا ضروری ہے روس کا بلوچ ساحل پر قبضے نہ صرف مشرق وسطیٰ اور جنوب مغربی ایشیاء میں اس کے سیاسی دباؤ میں غیر معمولی اضافے کا باعث بنے گا بلکہ علاقے میں فوجی توازن کو یکساں تبدیل کردیگا۔ اس کا پسنی گوادر اور دوسرے بلوچ علاقوں کے بندرگاہوں بحری اور ہوائی اڈوں کا استعمال

جنوبی یمن سے حاصل کی ہوئی فوجی سہولتوں سے مل کر امریکہ کے روایتی ہتھیاروں کے جنگ میں آبنائے حرمز کی حفاظت ناممکن نہیں تو مشکل ضرور بنا دے گا (21)

موجودہ دور میں گوادر میگا پروجیکٹ اور دیگر سیاسی وفوجی حالات و واقعات نے بلوچستان کی اہمیت میں مزید اضافہ کر دیا ہے بلوچستان ماضی کے مختلف اوقات میں حملہ آور اقوام کی گزرگاہ رہی ہے ہر دور میں بڑے فاتحین سکندر اعظم سے لے کر عرب مسلمانوں تک اور بڑی اقوام نے بلوچستان کی اہمیت کو محسوس کیا ہے اور اس خطے پر اپنے پنجے گاڑھنے کی کوشش کی ہے سیاسی کشمکش کی یہ تاریخ بہت طویل ہے ذیل میں اس سیاسی تاریخ کو زمانہ قدیم سے خان خدائیداد کے برسرِ اقتدار آنے تک مختصر پیش کیا جا رہا ہے۔

بلوچستان کے سیاسی ادوار کا مختصر جائزہ

بلوچستان میں ازمنہ ماہ قبل تاریخ کے متعدد تہذیبوں کے نشانات ملتے ہیں آبادیوں کی نقل مکانی تہذیبوں کی عروج و زوال کی خاموش داستانیں یہاں کی وادی وادی میں بکھری پڑی ہے مکران میں سکتہ گین، ڈورشاہی تمپ، نندوانی دمب، مندوانی دمب، رابرکوٹ اور شمالی بلوچستان میں پیرانو غنڈی، مغل غنڈی اور سور جنگل کی بستیاں قلات اسکے علاوہ مہر گڑھ کی قدیم ترین تہذیب نے بلوچستان کو قدیم تہذیب کا گہوارہ بنا دیا ہے۔

"بی سے تقریباً 26 کلومیٹر اور ڈھاڈر سے 10 کلومیٹر واقع مہر گڑھ میں دریافت ہونے والی قدیم تہذیب نے یہ ثابت کیا ہے کہ بلوچستان کرہ ارض کی قدیم ترین تہذیب کا گہوارہ تھا جو بلوچستان میں مہر گڑھ اور پیرک کے آثار قدیمہ پر تحقیقات نے ظاہر کیا ہے کہ 7000 ق،م یہ علاقے انسانی آبادی کے اولین مقامات تھے لہذا نہ صرف پاکستان میں بلکہ پورے جنوبی ایشیاء میں قدیم ترین کلچر اور تمدن کے علمبردار تھے ان کے زمانے کو Neolithic کہا جاتا ہے" (22)۔

بلوچستان میں بہت ہی قدیم آبادی کے آثار ایرانی سرحدات سے لے کر کوہ سلیمان اور دریائے ہلمند سے لے کر ساحل مکران تک دمب (مٹی کے ٹھیلوں) کی شکل میں پھیلے اور بکھرے ہوئے ہیں خاران کے گمبد اور دیگر آثار قدیمہ (23)۔ چاغی کے آثار قدما (24)۔ مکران کی کولی ثقافت (25)۔ ضلع خضدار کے آثار قدما (26)۔ کوئٹہ میں کلی گل محمد، کیچی بیگ اور دمب سادات وغیرہ جہاں انتہائی قدیم انسانی آبادیوں کا ایک جال موجود ہے (27)۔ پورے علاقے میں پھیلا ہوا ہے۔

1۔ آرین (Aryans)

آرین حملوں سے قبل بلوچستان ایک اہم تجارتی گزرگاہ کی حیثیت رکھتا تھا اور وقت کے ساتھ ساتھ اسکی اہمیت میں اضافہ ہوتا چلا گیا محمد سردار خان رقمطراز ہیں کہ:

بلوچستان اور اس کے پڑوسی بلوچ علاقوں نے وسط ایشیاء اور سندھ کے مابین درہ بولان کے ذریعے تجارت میں ایک اہم خطے کے طور پر اپنا تاریخی کردار ادا کیا ہے۔ اور اس تجارت کو منسلک رکھنے میں ہمیشہ معاون رہے۔ آرین کی وادی سندھ اور مکران کی جانب سے سب سے پہلی نقل مکانی کا سبب بھی درہ بولان کا ہی اہم راستہ بنا۔ (28)

بلوچستان میں آرین حملوں کا آغاز 1600 ق۔م میں ہوا یہ تقریباً چودھویں صدی قبل مسیح کے لگ بھگ آریاؤں کا ایک گروہ جو بھرت کہلاتا تھا اپنے مال مویشی لیکر باختر سے نکل کھڑے ہوئے اور کابل کے علاقے سے گزرنے کے بعد انہوں نے دریائے ارغنداب کو عبور کیا اور اس کے بعد درہ بولان اور درہ خیبر کی وادیوں میں بکھر گئے (29)۔ تقریباً تمام مورخ اس بات پر متفق ہیں کہ "متاخر دور کے آریاؤں نے ایشیاء میں آریانا کے نام سے جو وسیع مملکت قائم کی تھی اس میں بلخ، بخارا، مرو کابل، ہرات، خراسان، پارس، کرمان، گندھارا، اراکوسیا، گیڈروشیا شامل تھے" (30)۔ آریاؤں کے جن خاندانوں نے یونانی حملوں سے قبل بلوچستان پر حکومت کی ان میں میدی، تورانی

اور ہخامنشی شامل تھے 330 ق۔م میں دارا سوم کو سکندر نے شکست دے کر ہخامنشی اقتدار کا خاتمہ کر دیا اور اس طرح خطے پر یونانی بالادستی قائم ہوگئی (31)۔

2۔ یونانی عہد (Greek Period)

یورپ کی ایک چھوٹی سی ریاست مقدونیہ کے شاہ فیلقوس (Philip) کے بیٹے سکندر اعظم (Alexander the Great) نے 22 سال کی عمر میں دنیا کو فتح کرنے کے لئے نکل کھڑا ہوا اس نے 331 قبل از مسیح مادستان اور فارس کی سرزمین پر حملہ کیا ہخامنشی سلطنت کے آخری تاجدار دارا سوئم کو شکست دے کر قتل کیا اور اس طرح مادستان و فارس یونانیوں کا قبضہ ہوا لیکن اس وسیع سلطنت کے قبضے سے اس مہم جویانہ جبلت کی تسکین نہ ہوئی بعد ازاں سکندر نے تمام شمالی علاقہ تا حدِ ہمالیہ اور شمالی ہندوستان کو دریائے جہلم تک فتح کر لیا۔ ہندوستان سے واپسی پر اس نے ایران جاتے ہوئے مکران کا پُر خطر اور دشوار گزار راستہ اختیار کیا اس راستے میں پانی کی زبردست کمی تھی اس سے پہلے اس راستے پر اتنی بڑی فوج کے ساتھ کسی کو سفر کرنے کی جرات نہیں ہوئی تھی بہرحال اس سمت میں سفر کرنے سے سکندر کے دو مقاصد تھے ایک تو باغی بلوچ قبائل کو اطاعت پر مجبور کرنا اور دوسرے یہ کہ سمندر اور مکران کی جغرافیائی کیفیت کا معلوم کرنا اس سفر میں سکندر کو بے پناہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑا 326 ق۔م میں اس نے یہ راستہ اختیار کیا اور 60 دنوں (32)۔ کے مصائب اور تکلیف دہ سفر کے بعد بالاخر کامیابی کے ساتھ ایران پہنچ گیا سکندر پہلا فاتح تھا جس نے مکران کا سفر کامیابی کے ساتھ طے کیا اس سے قبل تقریباً 2000 ق۔م میں آشوری ملکہ سیمی رامس جب ہندوستان کی مہم کی ناکامی کے بعد وہاں بھاگ نکلی تو اس نے بھی واپسی پر یہی راستہ اختیار کیا اور اس کے سفر کے اختتام پر اس کے صرف 20 سپاہی بچ کر منزل مقصود تک پہنچ گئے تھے (33) اور 550 ق۔م میں

ہخا منشی فرمانروا سائرس اعظم نے بھی یہ سفر طے کرنے کی کوشش کی تھی (34)۔ لیکن ان کو شدید ناکامی کا سامنا کرنا پڑا تھا الغرض بلوچستان پر یونانیوں کا یہ قبضہ 20 سال بھی قائم نہ رہ سکا 323 ق۔م میں سکندر نے صرف 33 سال کی عمر میں انتقال کے بعد اسکی وسیع وعریض سلطنت مختلف حصوں میں بٹ گئی (35) سکندر کی موت کے بعد چندر گپت نے سلطنت کے جنوبی حصہ پر قبضہ کرلیا سکندر کے مایہ ناز جرنیل سیلیوکس نکوٹار بھی انہیں جرنیلوں میں شامل تھا جنہوں نے سکندر کی موت کے بعد اس کے سلطنت پر قبضے کے لئے آپس میں جنگیں لڑیں بالاخر سارے جرنیل اس نتیجے پر پہنچے کہ اس کی وسیع سلطنت کو آپس میں بانٹ لیا جائے چنانچہ سلطنت کا مشرقی حصہ مادستان پارس طوران مکران زابلستان، قابلستان 310 قبل مسیح سیلوکس کو ملا (36)

سیلیوکس نکوٹار نے طاقت کے نشے میں مگدھ کے نوجوان حکمران چندر گپت موریا کی ریاست پر حملہ کر دیا جنگ میں سیلیوکس کوشکست ہوئی جس کے نتیجے میں اسے بلوچستان اور افغانستان سے محروم ہونا پڑا۔ اس طرح بلوچستان 305 ق۔م میں ہندوستان کے قبضے میں چلا گیا۔ (37)

3۔ ہندی (موریا) عہد (Indian Mauriyan Period)

سکندر کی موت کے بعد چندر گپت موریا نے سلطنت ہندوستان کے جنوبی حصے پر قبضہ کر لیا سکندر کا ایک جرنیل سیلیوکس نکوٹار ایک بڑی طاقت کے ساتھ ہندوستان پر حملہ کردیا مگدہ کے حکمران چندر گپت موریا نے اسے بری طرح سے شکست دے دی صلح کی شرائط کے پیش نظر یونانی جرنیل نے اپنی بیٹی کی شادی چندر گپت موریا سے کر دی۔ اورافغانستان اور بلوچستان کو بطور تاوان بھی چندر گپت موریا کے حوالے کردیئے چندر گپت نے 500 ہاتھی اپنے شکست خوردہ سسر کو دیئے چندر گپت موریا نے 20 برس سے زیادہ

عرصے تک حکومت کی 296ء قبل از مسیح اس کا انتقال ہوگیا(38) اسکے بعد اسکے بیٹے بندوسار نے 296 ق۔م سے 273 ق۔م تک ہندوستان میں کامیابی کے ساتھ حکومت کی''(39)۔ چانکیہ جوکہ چندرگپت موریا کا مشیر تھا بعد ازاں بندوسار کا بھی وزیر رہا (40)۔ بندوسار کے بعد اسکا بیٹا اشوک اعظم 273ق۔م میں حکمران بنا اشوک نے اپنی پوری سلطنت میں تبدیلیاں کی جب وہ شہزادہ تھا تو اس نے ٹیکسلا میں وائسرائے بن کر بلوچ علاقوں پر حکمرانی کی ابھی تک بلوچستان میں سنائی جانے والی لوک داستانوں میں بدھ مت کے اثرات بڑے پیمانے پر ملتے ہیں (41)''اشوک کی بادشاہی 232-273 قبل مسیح میں پورا شمالی اور وسطی ہندوستان شامل تھا اور اسکی یہ سلطنت وسط ایشاء تک پھیلی ہوئی تھی اس نے 38 برس تک حکومت کی بلوچستان میں بہت سے علاقوں میں ''گجاری جاتی'' اور ہندوؤں کی مستقل کالونیاں موجود ہیں جن میں کچھ کشاں عہد میں اور کچھ گپت کے عہد میں آباد ہوئے''(42)۔اشوک اعظم کا 232ق۔م میں انتقال ہوا (43)۔ 130 ق۔م میں ایران اور شمالی بلوچستان پر ساکا قبائل کے حملے شروع ہوئے (44)۔ اور بعد ازاں دوسری صدی قبل مسیح میں اس علاقے پر کشان اقتدار قائم ہوا کشانوں کے عظیم حکمران کنشک نے ایران، وسط ایشیاء، افغانستان، بلوچستان اور شمالی ہندوستان پر قبضہ کرکے ایک عظیم سلطنت کی بنیاد رکھی (45)۔

ساسانی عہد Sasanid Period

ساسانیوں سے قبل بلوچستان اور اس سے ملحقہ دیگر علاقوں میں افراتفری، لاقانونیت اور انتشار پھیل چکا تھا اور شمالی ایران کے پارتھیوں نے ارشک کی رہنمائی میں ایران کے اندر جو حکومت قائم کی تھی وہ 5ء کے لگ بھگ اپنے عروج پر تھی (46) ۔ایک پارتھی بادشاہ گنڈ وفارفرنیس نے 19ء میں وادی کابل پنجاب اور گندھارا پر اپنی حکومت

قائم کی تھی (47)۔ آشکانی پارتھی قبائل نے 226ء تک بڑی شان سے حکومت کی اور آخر کار ساسانیوں نے ان سے اقتدار چھین لیا۔

اردشیر پاپکان وہ پہلا ساسانی غیور بادشاہ تھا جس نے 226ء میں سب سے پہلے مقامی بادشاہوں کے ساتھ جنگ کی ان میں سے ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ شکست دی اور ان کے علاقے اپنے قبضہ میں شامل کر لیے ایک عالمگیر سلطنت قائم کیں (48)۔ پروفیسر آرتھر کرسٹن سین کے مطابق ''اردشیر نے جو ممالک فتح کئے تھے وہ یہ ہیں۔ پروبانیا، کاوا (کابل) اراکوسیا، ورنگیانا، گندھارا، بلخ نہعد، مرو، آرمیبیا، خوارزم، ہرات، ترکستان، پنجاب اور مکران'' (49)۔ اکثر مورخین ساسانیوں کے مندرجہ بالا مقبوضات کی تصدیق کرتے ہیں جن میں پرسی مونسورتھ سائیکس Persi Monserth sykes ہرٹفلسٹ Hertiflist ڈاکٹر شہر یار شاطر وغیرہ شامل ہیں (50)۔ ساسانیوں کی حکومت وسطی عہد میں ہن حملوں کا شکار ہوئی جن کا اصل وطن منگولیا تھا کو خیر آباد کیا وہاں سے نکل کر بلخ کے علاقے میں وارد ہوئے جو اس زمانے میں باختر کہلاتا تھا ان کی تعداد دس خاندانوں پر مشتمل تھی (51)۔ انہوں نے باختر میں قائم کداریوں کی حکومت کا 360ء میں خاتمہ کر دیا اور وہاں جب ان کو فتح ہوئی اور انہوں نے مزید حکومت قائم کرنے کے لئے ہر طرف حملے شروع کر دیے (52)۔ وہاں جب ان کو کامیابی ہوئی اور انہوں نے اپنے قدم جمالئے تو اسکے بعد ان کے حملے ہر طرف شروع ہوئے مشرق میں انہوں نے شمالی ہندوستان پر ہلہ بول دیا اور پھر مغرب پر حملہ آور ہوئے پھر 427ء میں ان کی مڈبھیڑ ایران کے نامور بادشاہ بہرام پنجم (بہرام گور) کے ساتھ ہوئی بہرام کے ہاتھوں انہوں نے سخت نقصان اٹھایا اور ان کا زور ٹوٹ گیا بہرام کے ساتھ انہوں نے مجبور ہو کر دوستی کا ہاتھ بڑھایا (53)۔ بہرام کے پوتے فیروز کے عہد میں فیروز اور اسکے بھائی ہرمز کے باہمی اختلافات کی موجودگی کا ہنوں نے پورا فائدہ اٹھایا'' ہنوں نے فیروز

کو پے در پے کئی لڑائیوں میں شکست دے کر گرفتار کر لیا فیروز نے 484ء میں وفات پائی چھٹی صدی عیسوی تک ایران ہنوں کا باجگزار تھا اسی زمانے میں یہ لوگ بلوچستان میں بھی بڑی تعداد میں داخل ہوئے" (54)۔ بعدازاں 531ء میں جب نوشیروان برسر اقتدار آیا تو انہوں نے ترکستان کے خاقان کے ساتھ اپنے تعلقات استوار کر کے 566ء میں ہنوں کو ثمر قند میں شکست دے کر باختر میں ان کی حکومت کا خاتمہ کر کے ایران کے کھوئے ہوئے علاقے واپس حاصل کر لیے (55)۔ لیکن پھر بھی ان کا زور بلوچستان میں ایرانی حکومت کے ہاتھ شکست کے باوجود نہ ٹوٹ سکا (56)۔

سندھو شاہی (Sindh Dynisty)

ایرانی معاشرے میں انحطاط اور ایرانی نظام حکومت میں زوال ہی وہ سب سے بڑے اسباب تھے جنکی وجہ سے ایرانی حکومت کا عرب بادیہ نشینوں کے ہاتھوں خاتمہ ہوا اس انحطاط کے اثرات عربوں کے حملوں سے بیشتر ایران میں نمودار ہو چکے تھے (57)۔ چنانچہ "بہرام گور کی وفات کے بعد سندھ کے راجپوت حکمران راجہ سیہرس اکبر نے پہلے ارمن بیلا (موجودہ لسبیلہ) اور اسکے بعد مکران پر حملہ کر کے بلوچستان کے وسطی اور جنوبی علاقوں کو اپنی قلمرو میں شامل کر لیا تھا اس میں کچھی کا علاقہ بی سمیت شامل تھا جو بودھیہ یا بدھا کہلاتا تھا اس موخرالذکر علاقہ کے جٹ باشندے بدھ مت کے پیرو کار تھے اور یہی مذہب اس وقت سندھ کے شاہی خاندان اور باشندوں کا تھا" (58)۔ ظہور اسلام کے وقت سندھ میں ایک وسیع سلطنت قائم تھی جو شمال میں کشمیر تک پھیلی ہوئی تھی اس میں پنجاب کا ایک بڑا حصہ شامل تھا شمال مشرق میں اسکی سرحدیں ریاست قنوج سے ملتی تھیں مغرب میں مکران یا کیچ مکران، کروان (کنزدار) کیکانان (قلات) کا وسیع خطہ اس میں شامل تھا شمال مغرب میں اسکی سرحدیں بجستان کی حد تک اس وسیع علاقے

کی حدود کو چھوتی ہوئی کوہ سیاہ یا مہتر سلمان کے دامن تک پھیلی ہوئی تھیں جو بیلاوس (ولایت قندھار) کے نام سے موسوم تھا جنوب مشرق میں وہ اضلاع بھی اسکا حصہ تھے جو بندرات دیول (دیبل) دیو اور سورت کے ارد گرد ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ واقع ہیں (59)۔عربوں نے 634ء میں ایران پر حملوں کا آغاز کیا اور 644ء بمطابق 23 ھجری حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں مکران فتح کیا(60)۔ جو اس وقت سندھ کے قبضے میں تھا اور اسطرح بلوچستان پر عرب حملوں کا آغاز ہوا۔

عرب عہد Arab Regions

ظہور اسلام کے بعد خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ نے ایک عرب جماعت مکران کے حالات کے جائزہ لینے کے لئے بھیجا یہ وہ دور تھا کہ ایران کے ساسانی حکومت طوائف الملوکی کے شکار ہو چکے تھے اور بلوچستان عملاً کسی مرکزی قیادت سے قطعی طور پر آزاد تھا عربوں نے مکران کے بعض علاقوں کو دیکھا اور جا کر خلیفہ دوئم کو رپورٹ پیش کی کہ ''اس علاقے (مکران) کے خیر سے اس کا شر زیادہ ہے پہاڑ تو پہاڑ اس کے میدان بھی پہاڑوں سے زیادہ دشوار گزار ہیں'' جماعت کے قائد نے وضاحت کرتے ہوئے عرض کیا کہ اس علاقے میں تھوڑی سی فوج رکھنے سے اس کے مغلوب ہو جانے کا خطرہ ہے اور زیادہ فوج کے لئے غلہ اور پانی نہیں ہے وہ بھوک اور پیاس میں ختم ہو جائے گی اس پر حضرت عمرؓ نے مکران پر لشکر کشی کا ارادہ ملتوی کر دیا بعد ازاں 644ء میں ہی بلوچستان کے کچھ حصے پر عربوں کی حکومت کا آغاز ہوا عربوں نے سیستان بھی اسی سال فتح کر لیا مورخین لکھتے ہیں کہ ''عربوں نے مکران پر (23 ہجری) 44-643ء میں حملہ کر کے اس علاقے کو اسکے شہروں اور قصبوں سمیت حدود سندھ تک فتح کر لیا اور اسکے ساتھ ہی ولایت قندھار کے ایرانی صوبے پر بھی ان کا تسلط قائم ہو گیا جو اس زمانے میں رخج یا

الرخاج کے نام سے موسوم تھا اور جس کو بیلوس کا نام بھی دیا جاتا تھا لیکن زرنج وسیتان کا دارالخلافہ تھا اپنی مستحکم دفاع کی وجہ سے ایک عرصے تک فتح نہیں ہوسکا تھا۔ آخر کار ایک شدید مزاحمت کے بعد حملہ آوروں کے حوالے کیا وہ پہلا عرب سپہ سالار عمرو بن العاص التمیمی تھا جس نے شاہ نیمروز کی فوج کو شکست دے کر اس شہر پر قبضہ کرلیا تھا (61)۔

طبری رقمطراز ہے ''حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں مکران پر پہلا حملہ حکم بن عمر التغلبی کی قیادت میں ہوا'' حکم ایک بڑی فوج لے کر مکران کی طرف روانہ ہوا شہاب بن محارب، سہیل بن حذلی اور عبداللہ بن عیبان بھی اسکی مدد کو پہنچ گئے یہ لوگ ایک نہر یا دریا کے کنارے فروکش ہوئے اور اہل مکران بھی دریا کے کنارے جمع ہونے لگے ان کا سرکردہ حاکم مکران راسل تھا۔ عربوں اور مکرانیوں کے درمیان شدید جنگ ہوئی جس میں سندھی فوج کو شکست ہوئی بہت سارے قتل ہوئے کچھ گرفتار ہوئے اور باقیماندہ فوج فرار ہوگئی مسلمانوں کو بڑی مقدار میں مال غنیمت ہاتھ آیا اس مال غنیمت میں ایک ہاتھی بھی تھا جس کے بارے میں حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ اسے کسی قریبی حاکم پر فروخت کیا جائے (62)۔

اموی دور میں پورا بلوچستان عربوں کے زیر اثر آ گیا بعد ازاں عباسی دور میں بھی بلوچستان عباسیوں کے زیر اثر تھا اور عباسی عرب حکمرنوں نے اسے مکران 'توران' ارمن بیلہ، بجستان اور بدھا (کچھی) کے انتظامی صوبوں میں تقسیم کیا تھا (63)۔ ''دوسری صدی ہجری میں خارجی سرگرمیوں کی وجہ سے انتظام حکومت اس حد تک کمزور ہوگیا تھا کہ خلفاء بغداد کے لئے مشرقی ایران کے علاقوں میں کوئی جاذبیت باقی نہ رہی تھی اور یہ علاقے دارالخلافہ کے لئے بیرونی چوکیوں یا چھاؤنیوں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے تھے زنبیل کا خاندان ''بست'' سے مشرق کی طرف کے تمام علاقوں پر بدستور قابض تھا وہ اور کابل شاہ بھی کبھار اخراج ضرور دیتے تھے لیکن عملی طور پر ان کی حیثیت آزاد اور خودمختار حکمرانوں کی تھی'' (64)۔ عباسی دور میں عربوں کی حکومت شدید بدنظمی کا شکار تھا 861ء

میں امیر یعقوب بن لیث الصفاری کے سیستان کی امارت پر فائز ہوا یہ ایک غریب ایرانی نژاد خاندان سے تعلق رکھتا تھا ایران میں ساسانی خاندان کے اقتدار کے خاتمے کے بعد یہ پہلا ایرانی تھا جو ایران میں برسر اقتدار آئے (65)۔ ماوراالنہر کے علاقے میں ایک اور خاندان بھی برسر اقتدار آیا جو ایرانی النسل تھا اور یہ سامانی شہزادے تھے (66)۔ دوسری صدی ہجری کے اختتام پر عرب فاتحین کا وہ طوفان تھم چکا تھا جسکا مظاہرہ اس سے پہلے کیا جا چکا تھا بحیثیت فاتح اب وہ آگے بڑھنے کی طاقت اور صلاحیت نہیں رکھتے تھے خلیفہ عباسیہ کے آخری دور میں فتوحات حاصل کرنا کجا مفتوحہ علاقوں کو قابو میں رکھنا بھی مشکل ہو گیا (67)۔ 932ء کے لگ بھگ آل بویہ خاندان نے عباسی خلفاء کو اپنے ماتحت رکھا خاندان آل بویہ کے حکمران نے فارس، طبرستان، ہمدان، سیرجان، کرمان اور مکران فتح کر کے ایک وسیع سلطنت قائم کر لی تھی (68)۔ اسی زمانے میں عراق پر بھی ان کا اقتدار قائم تھا اور خلیفہ بغداد ان کے ہاتھوں کٹھ پتلی بنا ہوا تھا اور عملی طور پر آل بویہ کی مرضی ہی سے خلافت کے امور سرانجام پاتے تھے (69)۔

غزنی کے حکمران (Ghaznavid Rulers)

عباسی دور میں آل بویہ اور صفراویوں کے زوال پر ایک ترک خاندان نے غزنی پر قبضہ کر کے اپنے سطوت و جبروت کے پرچم چاروں اطراف میں گاڑ دیئے غزنی کو دارالحکومت بنانے کی نسبت سے یہ لوگ غزنوی کہلائے غزنوی حکمرانوں میں سلطان محمود غزنوی کے ہندوستان پر سترہ حملے تاریخ عالم میں بڑی شہرت رکھتے ہیں۔ ''سلطان محمود کے دربار کی شان وشوکت کا ایک اہم پہلو یہ تھا کہ اس کے دربار میں علماء فضلاء اور شعراء کا ہروقت جمگھٹا رہتا تھا وہ خود علوم وفنون کا دلدادہ اور علما وفضلاء کا بڑا قدردان تھا اور ان کی سرپرستی کیا کرتا تھا اسی وجہ سے بہت سے ہنرمند باکمال لوگ اس کے دربار سے

وابستہ رہتے تھے ان میں ابوالقاسم فردوسی زیادہ شہرت کا مالک بنا اس نے شاہنامہ کی منظوم رزمیہ داستان سلطان محمود ہی کی خواہش پر لکھی فردوسی کو تاریخ سے گہری دلچسپی تھی" (70)۔ یہی شاہنامہ فردوسی دراصل بلوچ تاریخ کی نسلی اصلیت اور ایران کی قدیم سیاست میں بلوچوں کے زبردست کردار کو اہم بنیاد فراہم کرتا ہے غزنوی سلطنت کی وسعت کے بارے میں ایک مورخ لکھتا ہے۔

"محمود کی زندگی کے آخری ایام میں اسکی سلطنت بہت وسیع ہوگئی تھی مغرب میں ایران کا علاقہ عراق کی حدود تک اس کے قبضے اور اختیار میں تھا مشرق میں سیستان، پنجاب، ملتان، بلوچستان سندھ، ولایت رخج، کابل، غزنی اور وادی پشاور اسکے تسلط میں تھے شمال میں بلخ و بخارا کا علاقہ اس کے زیر فرمان تھا اور جنوب میں مکران کے ساحل تک اسکا ہی پرچم لہراتا تھا" (71)۔ "سلطان محمود غزنوی کا انتقال 1030ء بمطابق 421ء ہجری میں ہوا" (72)۔ سلطان محمود نے 34 سال حکومت کی لیکن اسکے جانشین اسکی سلطنت کو چند سال بھی قائم نہ رکھ سکے یکے بعد دیگرے 1030ء سے 1034ء تک سلطان مسعود حکمران رہے ان کے قتل کے بعد ان کے بیٹے سلطان مودود نے 1034ء سے 1049ء تک حکومت کی 1049ء میں سلطان مسعود کے چچا عبدالرشید حاکم کو بنایا گیا مگر اسکی حکومت دو سال میں سلجوقی ترکوں نے طغرل سلجوق کی قیادت میں ختم کردی (73)۔ غزنویوں کے بعد بلوچستان کے کچھ حصوں (مکران وغیرہ) پر سلجوق ترکوں اور غزترکمانوں کی بھی حکومت رہی (74)۔ بعد ازاں "غوری خاندان کے عروج کا عمل شروع ہوگیا جو 1159ء تک آخری غزنوی حکمران بہرام شاہ کو سلطنت کے علاوالدین جہاں سوز کے ہاتھوں قطعی خاتمہ پر مکمل ہوا جس کے بعد بلوچستان غوری خاندان کے زیر اقتدار آ گیا۔ جو بعد ازاں 1206ء میں دریائے سندھ کے کنارے پر سلطان محمد غوری کے قتل کے ساتھ ہی غوری خاندان کے اقتدار کا سورج غروب ہوا" ۔(75)

منگول (Mangols)

غوریوں کے خاتمے کے بعد تاریخ کے بہت بڑے خونی چنگیز خان کا عہد آتا ہے چنگیز کے بیٹوں میں چغتائی خان نے پورے بلوچستان پر قبضہ کرلیا چنگیزوں کی گزرگاہ کی نشانیوں میں اب بھی نیچارہ اور بدران کے درمیان ''چنگیز خان کے چٹان'' موجود ہے (76) بہرحال عباسی خلافت کا اختتام بھی انہی کے ہاتھوں ہوا اور ہلاکو خان نے 1258 میں آخری عباسی خلیفہ معتصم باللہ کو قتل کرکے پورے عالم اسلام کو ماسوائے مصر کے اپنا مطیع بنالیا تھا (77)۔ بعد ازاں مصر کے حکمران قتز اور رکن الدین بیبرس نے ہلاکو خان کو شکست دے کر ایران کی جانب دھکیل دیا ہلاکو خان کی قائم کی ہوئی ایرانی حکومت ایل خانی (78)۔ کے نام سے مشہور ہوئی بلوچی حکومت کی ابتدا کے بارے میں واضح طور پر کچھ نہیں کیا جاسکتا کہ اسکا آغاز کیسے ہوا اور اسکا بانی کون تھا بعض تاریخی شواہد کے مطابق 1410ء میں اہل خانی منگولوں کی حکومت کے خاتمے پر قلات (بلوچستان کے سابقہ دارالخلافہ) پر بلوچوں کے براہوئی قبائل نے قبضہ کرلیا آہستہ آہستہ ان کی حکومت قلات پر مستحکم ہوتی چلی گئی یہ خاندان آج بھی قمبرانی کہلاتا ہے ان میں ایک شخص میر میرو نے قلات کے اردگرد کے علاقوں پر اپنی سیاست قائم کی۔

''میرو جو میر قمبر کی نسل سے تھا اور جس کی اولاد بعدازاں میروانی مشہور ہوئی اس زمانے میں براہوئی طائفہ کے بلوچوں کا سردار تھا میر میرو موقع شناس اور بہادر تھا اس نے اس انقلاب سے فایدہ اٹھایا ہوا کا رخ دیکھ کر میرو نے اپنے بہادر قبائل کے ساتھ منگولوں کی مدد کی ان کے لئے لڑائیاں لڑیں حتی کہ منگولوں کی انتہائی خوشنودی اور اعانت حاصل کرکے میرو نے چھپر، زیارت اور دشت گوران دراوڑوں کو اور ماراپ، سیاکنب، گدر اور سوراب سے جدگالوں کو نکال باہر کیا اور ان کی اراضیات پر خود قابض ہوگئے اس انقلاب سے میرو کے قدم اس علاقے میں مضبوطی سے جم گئے'' (79)۔

میروانی بلوچ خاندان (Mirwani Baloch Family)

قلات پر مغل ارغون خاندان حکمران تھا اور قندہار ان کا پایہ تخت تھا۔ 1530ء میں ارغون حکمران ذوالنون بیگ کو مرزا کامران نے شکست فاش دے کر اس کی حکومت کا تختہ الٹ دیا جس کے نتیجے میں قلات پر ارغون خاندان کا تسلط کمزور پڑ گیا، میر عمر جو میر میرو کا بیٹا تھا ان حالات سے فائدہ اٹھا کر قلات پر حملہ کیا۔ زنون بیگ نے جان توڑ مقابلہ کیا لیکن جنگ آزمودہ اور جفاکش بلوچوں کے سامنے زیادہ دیر نہ ٹھہر سکا شکست کھا کر افغانستان کی طرف فرار ہوگیا میر عمر کو فتح ہوئی اور وہ قلات پر قابض ہوکر اس نے قلات میں بلوچی حکومت کی داغ بیل ڈالی (80) اسی دوران سردار شہک رند اور اس کا بیٹا میر چاکر اور میر گوہرام لاشاری اپنے اپنے قبائل کے ساتھ مکران سے نکل پڑے جب ان کو میر عمر کی قلات پر قابض ہونے کی اطلاع ملی تو آگ بگولا ہوئے اور انہوں نے قلات پر حملہ کر کے میر عمر کو قتل کر دیا اور اس کے قبیلے کو شکست دی میر شہک اور میر گوہرام نے آگے بڑھ کر قلات پر قبضہ کر لیا میر عمر کی شریک حیات بی بی ماہناز اپنے اکلوتے بیٹے بجار کو جو اس وقت خوردسالہ تھا ساتھ لے کر مستونگ کی طرف فرار ہوگئی اور مستونگ کے خواجہ خیلوں نے بی بی ماہناز اور بجار کو پناہ دے کر اپنے پاس رکھا۔ (81)

میر بجار اپنے ننھیال میں پل کر جوان ہوا وہ باپ کے خون کا بدلہ اور تخت قلات کے حصول کی جدوجہد میں میدان عمل میں اترا بلوچ جانثاروں کا لشکر تیار کیا اور قلات پر حملہ کر دیا ایک زبردست جنگ ہوئی میر مندو خان رند مارا گیا اور اس طرح قلات سے بھی رند اقتدار کا خاتمہ ہوا اور میر بجار تخت نشین ہوا اور اس نے جھالاوان کے بہت سے علاقے فتح کئے اور آخری عمر میں اپنی والدہ کے ہمراہ حج کی سعادت حاصل کی اور خود بالکل گوشہ نشین ہوئے حکومت کو انتظامیہ اور قبائلی رسم و رواج کے سپرد کر کے آبائی مسکن نغاڑ

سوراب میں جا کر بیٹھ گئے اور وہیں یادالہیٰ میں وقت گزار کر خالق حقیقی سے جا ملا (82)۔

میر بجار نے اپنی زندگی میں قلات کا تخت چھوڑا لیکن اس کی موت کے بعد کسی بلوچ قبیلہ نے قلات کی حکومت کی طرف کوئی توجہ نہ کی مرکز کمزور ہوگئی درباری آپس میں الجھ گئے اسی دوران مغلوں نے قندہار کی ارغون حکومت کو ختم کرنے کے بعد ایک چھوٹے سے لشکر کے ذریعے قلات پر بھی بلا مزاحمت قبضہ کرلیا قلات کے مقتدر لوگوں سے اس نے حلف لیا کہ ہم ایک دوسرے کو مالی جانی نقصان نہیں پہنچائیں گے مگر مغلوں نے حسب عادت لوگوں کو تنگ کرنا شروع کردیا قلات کے باشندوں میر ابراہیم خان میروانی کی قیادت میں مغل گورنر کو قتل کر کے میر ابراہیم کو تخت نشین کرنا چاہا مگر وہ ایک عابد و زاہد اور سند رسیدہ بزرگ تھے اور انہیں تخت و تاج سے رغبت نہ تھی (83) چنانچہ ان کے نواسے میر حسن خان جو کہ میر گوہرام کا بیٹا تھا خان آف قلات مقرر کرنے کی تجویز پیش کی جس پر تمام قبائل متفق ہوئے اور اس طرح میر حسن خان ''خان بلوچ'' کے منصب پر فائز ہوئے میر حسن نے کمال اور تدبر اور حکمت عملی سے بلوچوں کی خدمت کو اپنا شعار بنایا مگر قدرت نے اس لائق انسان کو زیادہ وقت نہیں دیا چنانچہ 1666ء میں لاولد بمقام قلات میں فوت ہوا۔ (84)

خاندان احمد زئی۔(Ahmed Zai Family)

1۔ میر احمد خان اوّل کا دور حکومت

1666ء تا 1695ء

میر حسن کی وفات کے بعد بلوچ قبائل کے معززین اور سرداران نے میر قمبر خان کے خانوادے سے قمبرانی کو منصب جلیلہ سے مشرف کرنے کا فیصلہ کیا چنانچہ میر حسن خان کے جانشین کے طور پر قبیلہ قمبرانی کے چشم و چراغ میر احمد خان کو جمہوری انداز میں اپنا دوسرا خان بلوچ منتخب کیا اس طرہ قلات کی بلوچی حکومت میروانی خوانده سے قمبرانی خانوادہ میں منتقل ہوگئی اور احمد زئی خاندان بلوچوں کی خدمت کے لئے برسر اقتدار آگیا اور اس طرح میر احمد خان اوّل 1666ء میں اس خاندان کے جد امجد قرار پائے"(85)

میر احمد خان اوّل جب برسر اقتدار آیا تو اس زمانہ میں کچھ سماجی تبدیلیاں واقع ہوئی تھیں اور مقامی قبائل باہمی ربط وضبط کا احساس پیدا ہوگیا تھا اس کے علاوہ بلوچستان کے دونوں طرف ایران اور ہندوستان میں سیاسی صورتحال کچھ مختلف تھی اگرچہ بلوچستان کے ایک طرف ہندوستان اور دوسری طرف ایران میں بظاہر دو مقتدر خاندان چغتائی مغل اور قزلباش صفوی برسر اقتدار تھے۔ شہنشاہ اورنگزیب کی وفات کے ہندوستان میں مغل حکومت کا شیرازہ منتشر ہوگیا میر احمد خان اول قلات کا پہلا خان تھا جس نے دونوں حکومتوں کی کمزوریوں سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور اپنی حکومت کو وسعت دینے کی سعی کی۔ میر احمد خان اول نے قندہار کی سرکار کے خلاف کامیاب بغاوت کر کے پہلے تو مستونگ، کوئٹہ اور پشین کو اپنی ریاست میں شامل کرلیا اور پھر اس نے کچھی میں مغلوں کے گورنر کو مغلوب کر کے اپنی ریاست کی حدود نوشکی اور جھالاوان تک پھیلا دی۔(86) احمد یار

بلوچ لکھتے ہیں کہ ''میر احمد خان اول وہ پہلا شخص تھا جس نے بلوچی مملکت کی بنیاد ڈالی اس نے قبائل میں باہمی تعلق پیدا کیا اور ان کا قول تھا ''بلوچ کے قول کے ساتھ اس کا سر بندھا ہوتا ہے سر جائے مگر قول نہ جائے'' میر احمد خان اول خان بلوچ نے 29 سال حکومت کی اور 1695ء میں وفات پا کر قلات میں ہی ابدی نیند سوئے۔(87)

2- میر محراب خان اوّل کا دور حکومت 1695ء تا 1697ء

میر احمد خان کی وفات کے بعد 1695ء میں میر محراب خان قلات کی مسند پر جلوہ افروز ہوا اسی اثناء میں سندھ کے کلہوڑہ خاندان کے دو بھائیوں نور محمد اور داؤد خان نے شہنشاہ ہند سے بغاوت کر کے بلوچستان میں آ کر پناہ لی تو ملتان کے مغل گورنر شہزادہ معزالدین نے ایک فرمان بھیج کر خان محراب خان سے استدعا کی کہ وہ دونوں بھائیوں کو گرفتار کر کے ملتان پہنچا دے میر محراب خان کا حامی تھا چنانچہ وہ کلہوڑوں سے بمقام کرخ پر دست و گریبان ہوا عین لڑائی کے دوران اپنے لشکر کی طرف سے اسے گولی لگ گئی اور 1697ء میں اس نے وفات پائی (88) میر محراب خان نے مرتے وقت یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ اس کے سب سے بڑے بھتیجے میر سمندر خان کو اس کا جانشین بنایا جائے کیونکہ میر محراب کان کے دو فرزند میر احمد اور میر عبداللہ خان صغیر سن تھے۔(89)

3۔ میر سمندر خان کا دور حکومت 1697ء تا 1714ء

بلوچ قبائل کی جمہوری مجلس عمل سے میر محراب خان کے بھتیجے میر سمندر خان کو 1697ء میں خان قلات مقرر کر دیا گیا۔ میر سمندر خان ایک سخی اور بہادر انسان تھا اس شخص نے اٹھارہ سال حکومت کی وہ اپنے وقت کے حاتم تھے یہ شخص سخاوت اور بہادری میں نادر خان ہو گزرا ہے(90) میر سمندر خان کے عہد میں شہنشاہ ایران نے بلوچی

ریاست کو ایران میں شامل کرنے کی کوشش کی تھی لہذا شاہ ایران نے اپنے مشہور سپہ سالار طہماسپ بیگ کو 2500 ہزار کا لشکر جرار دے کر چڑھائی کے لئے بھیجا میر سمندر خان نے سریاب و مستونگ کے درمیان ہزار گنجی کے مقام پر خوف ناک جنگ لڑنے کے بعد ایرانی لشکر کو شکست فاش دے دی اور ایرانی سپہ سالار طہماسپ بیگ کو اپنی تلوار سے قتل کر دیا(91) میر سمندر خان نا پنے عہد حکومت میں اضلاع ژوب، بوری (لورالائی) تہل چھوٹیالی پر حملہ کیا اور بہت کچھ لوٹ مار کی اور کلہوڑہ خاندان کے سندھی حکمرانوں سے چالیس ہزار روپیہ سالانہ وصول کرنا شروع کیا مغل شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر نے ان کو ''امیر الامراء'' کا خطاب دیا اور اس موقع پر شہزادہ موصوف نے کراچی کی بندرگاہ سندھ کے کلہوڑہ حکمرانوں سے لے کر میر محراب خان کے خون کے عوض میں میر سمندر خان کے حوالہ کر دیا اور رخصت کے وقت ازروئے لطافت و مہربانی کے لئے دو لاکھ روپے سالانہ وظیفہ مقرر کر دیا(92) شہنشاہ کی خان کے ساتھ ان مہربانیوں کی اصل وجہ یہ تھی کہ بلوچستان ایران اور ہندوستان کے درمیان واقعہ تھا دونوں مملکتوں کے راستے بلوچستان ہی سے ہوکر گزرتے تھے اس لحاظ سے بلوچستان دونوں مملکتوں کے درمیان ایک درمیانی ریاست کی حیثیت رکھتا تھا لہذا شہنشاہ بلوچستان کے حکمران کو خوش رکھ کر انہی پوری طرح اپنا طرفدار بنانا چاہتا تھا الغرض ''میر سمندر خان 18 سال حکومت کرنے کے بعد 1714ء میں قلات میں وفات پائی''(93)۔

4۔ میر احمد خان دوئم 1714ء تا 1716ء

میر سمندر خان کی وفات کے بعد میر محراب خان کے بیٹے میر احمد خان ثانی رواج کے مطابق اور سرداروں کے مشورے کے سے تخت قلات پر متعین ہوا میر احمد خان کی پرورش لاڈ و پیار میں ہوئی تھی لہذا وہ جسمانی طور پر کمزور تھا وہ اپنے چھوٹے بھائی

عبداللہ خان سے خوفزدہ رہتا تھا کیونکہ میر عبداللہ خان ایک قابل شخص تھا لہذا اس نے عبداللہ خان کو قلات سے دور رکھنے کے لئے اسے شالکوٹ (کوئٹہ) کے قلعے میں اپنا نائب مقرر کر رکھا تھا عبداللہ حوصلہ مند، بلند ہمت اور ہوشیار شخص تھا اسے قلات کے سلسلے میں جنوب کی طرف سے کلہوڑہ خاندانوں اور شمال کی طرف ایرانیوں اور افغانیوں سے خطرہ محسوس ہوتا تھا وہ نہیں چاہتا تھا کہ ان کے باپ دادا نے اپنے خون سے جس وطن کو حاصل کیا ہے وہ کہیں میر احمد خان کی لاپرواہیوں کی نذر نہ ہو جائے لہذا اس مقصد کے لئے اس نے اپنے مصاحب خاص میر فیروز خان رئیسانی سے مشورہ کیا اور دیگر رئیسانی طائفوں سے بات چیت کرنے کے بعد میر احمد خاں کے خلاف بغاوت کا پکا ارادہ کر لیا 1716ء میں دونوں بھائیوں میں مستونگ کے مقام پر مختصر سی لڑائی ہوئی اور عبداللہ خان کو فتح حاصل ہوئی اس نے مستونگ پر قبضہ کر لیا احمد خان ثانی قلات فرار ہوا۔ عبداللہ خان تو قلات کا خان بننے کا متمنی تھا اس لئے اس نے اپنے بھائی سے صلح کر لی بعد ازاں میر احمد کی بیماری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے موقع پا کر میر عبداللہ خان نے اسے نہایت بے رحمی کے ساتھ قتل کر دیا اور خود خان آف قلات ہونے کا اعلان کر دیا (94)۔

5۔ میر عبداللہ خان 1716ء تا 1731ء

میر عبداللہ خان نے 1716ء میں قلات کی حکومت سنبھالی اسے ابتدا ہی سے لشکر کشی اور فتوحات کا بڑا شوق تھا اس شوق کی بناء پر اس نے اپنے بھائی میر احمد خان کو قتل کر کے حکومت کی بھاگ دوڑ اپنے ہاتھوں میں لے لی احمد یار بلوچ میر عبداللہ خان کا تعارف ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں کہ ”میر عبداللہ خان ایک قد آور خوبصورت اور بہادر نوجوان تھا ان کے رعب ودبدبے سے دنیا کانپتی تھی انگریز اُسے عبداللہ (Abdullah the conquerer) میدانی علاقے کے لوگ اسے پہاڑی

عقاب اور شاعر اُسے ''قہار خان'' کے القاب سے یاد کرتے تھے، مفتوحہ علاقوں کی مائیں اپنے بچوں کو قہار خان کے نام سے ڈراتی تھیں'' (95)۔ میر عبداللہ خان جو قہار خان کے نام سے مشہور تھا شاہانہ تحکم کا مالک، جانباز اور اولعزم تھا اس کا اصل مقصد میدان جنگ تھا فنون جنگ کے بارے میں ان کی مہارت ضرب المثل تھی جنگ کا ایک مخصوص بلوچی طریقہ ''چھاپاؤ'' انہی کی اختراع ہے ان کے عہد میں چھاپاؤ کے لئے پانچ ہزار گھوڑوں کا ایک دستہ ہمیشہ تیار رہتا تھا ۱۵ یا ۱۶ برس کی عہد حکومت میں میر عبداللہ خان نے بمشکل پانچ برس قلات میں قیام کیا (96)

باقی تمام مدت وہ جنگ و جدل میں مصروف رہا اس طرح ان کی حکومت کی حدود کچھی سے ڈیرہ جات چمن سے قندہار، خاران، چاغی، شوراوک سے رود باد، ہلمند اور مکران سے بندر عباس تک تھی (97)

بلامبالغہ میر عبداللہ خان ایک جرات مند دلیر، بہادر اور باہمت انسان تھا مہم جوئی اس کی فطرت میں داخل تھی وہ فقط عمل میں ایمان رکھتا تھا اور جوش کردار اس کی شہادت کا باعث بنا'' اس کے بلند پایہ کارناموں کی وجہ سے اس کے ہم وطن اس کو ''شہباز کوہستان'' کے لقب سے یاد کرتے ہیں اس کی شہادت کا المیہ 1731 میں پیش آیا''

''خوانین قلات میں پہلا شاہی مور میر عبداللہ خان نارائج کی اس کی مہر پہ یہ شعر کندہ تھا۔

حاکم وقت ظلِ سبحانی

عبداللہ خان سکندر ثانی (98)۔

میر محبت خان و میر اہلتاز خان 1731ء یا 1749ء

میر عبداللہ خان کے بعد اس کے تین بیٹے رہ گئے میر محبت خان، میر اہلتاز خان، اور میر نصیر خان قبائلی فیصلے کے مطابق اس کے بڑے بیٹے میر محبت خان کو خان بلوچ

مقرر کیا گیا اور اخوند محمد صالح نے قلات لے جاکر تخت پر بٹھا دیا (99)۔ ''شومئی قسمت کہ یہ شخص بلوچوں کی امیدوں اور خواہشات پر پورا نہ اتر سکا عرصہ دو سال حکومت کرنے کے بعد اس کو معزول کر کے قبائل بلوچ نے اس کے دوسرے بھائی الطاز خان کو خان بلوچ کے منصب پر فائز کیا لیکن دونوں بھائیوں میں خانہ جنگی اور باہمی کشمکش کا سلسلہ چل نکلا اور بلوچی تعمیری کاموں میں خلل واقع ہونے لگا آخر کار سرداران قبائل کی ایما پر نادر شاہ، شاہ ایران نے میر الطاز خان کو معزول کر کے اپنی حراست میں رکھا اور میر محبت خان کو دوبارہ 1737ء میں خان بلوچ مقرر کر دیا اس طرح بدقسمتی سے بلوچوں کی اپنی باہمی مخالفت اور خانہ جنگی کی مکدر فضا سے ان کی حکومت اور آزادی میں بیرونی اور غیر ملکی طاقتوں کے ہاتھ کارفرما ہو کر شامل ہو گئے ایک طرف تو یہ سب کچھ خلاف شان اور بلوچی آن وقوع پزیر ہوا اور دوسری طرف خود میر محبت خان، خان بلوچ کے اشارے پر ان کی سوتیلی والدہ بی بی مریم الطاز زئی، سوتیلے بھائی میر نصیر خان اور بہت سارے دیگر افراد کو بطور یرغمال نادر شاہ افشار کے پاس 1737ء میں قندھار بھیج دیا گیا (100)۔ چنانچہ 1740ء میں جب نادر شاہ نے ہندوستان پر حملہ کر کے دہلی میں قتل عام کیا تو اس وقت میر نصیر خان اور انکی والدہ سپاہ نادری کے ہمراہ تھے (101)۔ میر محبت خان کی نادر شاہ سے اچھے مراسم تھے اس اچھے تعلقات کی وجہ سے میر محبت خان نے کچھ فائدے حاصل کئے سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ نادر شاہ جس نے پورے ہندوستان کو تہس نہس کر دیا تھا خان قلات کی اطاعت و وفاداری کی وجہ سے بلوچستان تباہی و بربادی سے بچ گیا دوسرا بڑا فائدہ یہ ہوا کہ نادر شاہ نے کچھی کا علاقہ سندھ کے کلہوڑہ حکمرانوں سے چھین کر میر محبت خان کے والد میر عبداللہ خان کے خون بہا کے طور پر میر محبت خان کے حوالے کر دیا (102)۔ میر محبت خان نے کچھی کو قبول کیا جو کہ آج تک بلوچستان کا جزو لاینفک چلا آرہا ہے خدا کی قدرت کاملہ اور دنیا کے نشیب و فراز کے عبرت انگیز انقلابات کو دیکھیں

کہ نادر شاہ کو اس کے فوجی سالاروں نے 1745ء میں قتل کر دیا اور ایران میں انقلاب برپا کر دیا نادر شاہ کے عظیم المرتبت جرنیل احمد شاہ ابدالی خاندانِ سدوزئی کے چشم وچراغ نے افغانستان، قندھار میں اپنی بادشاہت کا اعلان کیا اور (مملکت) افغانستان کی داغ بیل ڈال دی اس انقلاب نے بلوچوں کے لئے بھی راہ ہموار کر دی میر نصیر خان موقع کو غنیمت جان کر قید و بند نادری سے فرار ہوا اور شیراز آیا پھر مکران کے راستے جب ندی پہنچا اسطرح پھرتے پھراتے دشت وجبل میں ٹھوکریں کھاتا ہوا یہ صحرا نورد مسافر (1748ء کے دوران) خدا آباد (ٹھٹھہ) سندھ پہنچا اور کلہوڑوں کا مہمان بنا۔ شاہ ولی خان بامیزئی جوکہ دوران اسیری میر نصیر خان کا دوست اور قدردان تھا حکومت افغانستان کا وزیر اعظم (اشرف الوزراء) مقرر ہوا جس نے نصیر خان کو سندھ سے قندھار بلایا دوسری جانب نصیر خان نے قلات کے سرداروں کو اپنی آمد سے مطلع کر دیا سردار جوکہ میر محبت خان کے مظالم سے نالاں تھے نصیر خان کے ساتھ مل گئے مختلف نشیب وفراز اور پیچیدگیوں سے گزرنے کے بعد 1749ء میں بلوچ قبائل کے کہنے پر احمد شاہ افغانستان کے شاہ نے میر محبت خان کو معزول کر کے قید کر دیا اور نصیر خان کو خانِ بلوچ مقرر کر دیا(103)۔

میر نصیر خان نوری 1749ء تا 1794ء

"میر نصیر خان میر عبداللہ خان کے تیسرے بیٹے تھے جو اپنے بھائی میر محبت خان کی معزولی کے بعد تخت نشین ہوئے بلوچ تاریخ میں اُنکا مقام بہت بلند مگر متنازعہ ہے اسکی وجہ شاید یہ ہے کہ جو شخصیت جتنی عظیم ہوتی ہے اتنی ہی متنازعہ بھی ہوتی ہے"۔ (104)۔ میر نصیر خان جنہوں نے تقریباً 45 سال تک حکومت کی ان کو نصیر خان اعظم کے نام سے پکارا جاتا ہے وہ خوانین قلات میں سب سے زیادہ دور اندیش، دانشمند جاہ وجلال اور راستبازانہ خصوصیات کا حامل تھا کیونکہ وہ کوئی مطلق العنان امیر مختار کل نہ تھا

بلکہ سرداروں کی مخلوط حکومت کا سردار تھا۔ جس سے اس کی حکومت کی بنیاد نہایت مضبوط ہوگئی (105)۔ میر نصیر خان نے قبائلی فوجی نظام کی بنیاد ڈالی بلوچ پارلیمنٹ قائم کی قوم کو ایک دستور العمل عطا کیا شرع محمدیؐ اور بلوچ روایات کا حسین امتزاج تھا دین اسلام کی ترویج واشاعت کی سلطنت میں شرعی نظام رائج کیا مسجدیں تعمیر کیں پابندی صوم وصلوٰۃ ادائیگی زکوٰۃ اور دیگر دینی فریضوں کے لئے سرکاری طور پر اقدامات کئے اور محکمے قائم کئے۔ (106)

میر نصیر خان بلوچستان کا پہلا حکمران تھا جس نے بلوچستان کی جغرافیائی حد بندی ترتیب دی وہ ''1749ء میں برسرِ اقتدار آیا اس نے مکران پر 1752ء میں پہلا حملہ کیا 1758ء میں اس نے افغانستان کے ساتھ اپنی جنگ آزادی لڑی'' (107)

بعد ازاں افغانستان اور بلوچستان کے درمیان ایک معاہدہ طے پایا جیسے معاہدہ عدم مداخلت کہا جاتا ہے- 1759ء میں احمد شاہ ابدالی اور نصیر خان نے مل کر مشہد پر حملہ کیا (108)۔ ''اور بعد ازاں 1761ء میں پانی پت کی مشہور تیسری لڑائی میں 25 ہزار بلوچ لشکر کے ساتھ احمد شاہ ابدالی کی نہ صرف مدد کی بلکہ جنگ جیتنے میں اہم کردار ادا کیا'' (109)۔ ''1763ء سے 1765ء تک نصیر خان نے پنجاب کے خلاف احمد شاہ ابدالی کی مہمات میں بھرپور کردار ادا کیا پنجاب کے مہمات کے حوالے سے نصیر خان کی شخصیت اور کردار پر منظوم کتابیں لکھی گئی ہیں'' (110)۔

اندرون بلوچستان نصیر خان نے بہت ساری جنگیں لڑیں اس نے بلوچ قوم کے بکھرے ہوئے شیرازے کو مجتمع کرنے اور آزاد بلوچ علاقوں کو ایک مرکز کے تابع کرنے کی خاطر اس نے ملک کے مختلف حصوں پر حملہ آور ہوکر خود مختار بلوچ سرداروں کو اپنا مطیع وفرمانبردار بنایا قومی وجغرافیائی وحدت اور سیاسی، معاشی فوائد کے حصول کی خاطر اس نے مکران پر نو 9 حملے کئے (111)۔ اس نے خاران، بیلہ، کچھی، ایرانی بلوچستان ڈیرہ جات اور بہت سارے دیگر بلوچ علاقوں کو یکجا کرکے اپنی قومی وجغرافیائی وحدت کی تکمیل کی

ملک وقوم کی خوشحالی کی خاطر اس نے ملک میں بہت سارے اصلاحات جاری کیے زراعت کوترقی دی پانی کے وسائل، تجارت، تعلیم وثقافت، عدلیہ اور قبائلی اصلاحات کیے ہتھیاروں میں جدت پیدا کی اور فوج کو مضبوط بنایا۔(112)

''نصیر خان کے دور میں بلوچستان کا کل رقبہ 3,40000 مربع میل تھا۔جس میں 700 میل طویل ساحل سمندر بھی شامل تھا(113)۔مورخین لکھتے ہیں'' کہ اس ملک کی آبادی 10 سے 20 ملین تھی'' (114)۔نصیر خان نوری پہلا بلوچ حکمران تھا جس نے ایک تحریری آئین پورے ملک میں نافذ کر دیا تھا جوکہ بلوچی ثقافت اور اسلامی شریعت کے ملے جلے امتزاج سے بنایا گیا تھا اس نے مضبوط فوجی طاقت کے ذریعے ایک وسیع علاقے کو فتح کیا تھا اس نے ریاست کو زرعی اور صنعتی بنیادوں پر خوب ترقی دی قلات کے شہر میں اس نے بیرونی سرمایہ کاروں کو سرمایہ کاری کے مواقع فراہم کئے اور بلوچستان میں صنعتی ترقی پروان چڑھنے لگی اور قلات شہر کی آبادی 90,000 تک پہنچ گئی (115)۔اس میں کوئی شک نہیں کہ نصیر خان بلوچستان کا عظیم حکمران تھا 45 سال حکمرانی کرنے کے بعد 1794ء میں گنداواہ میں وفات پائی اور قبائلی سرداروں نے ان کی میت کو گنداواہ سے لاکر قلات کے شاہی قبرستان میں دفن کیا(116)۔

میر محمود خان اوّل 1794ء تا 1817ء

نصیر خان کی وفات کے بعد اس کا سات سالہ بیٹا میر محمود خان برسر اقتدار آیا۔ آخوند فتح محمد کو ان کا اتالیق بنایا گیا میر محمود خان مسند نشین ہونے کے فوراً بعد قلات کے بلوچی دربار سازشی عناصر کا اکھاڑہ بن گیا مرکزیت کمزور ہوگئی(117)۔اسی دوران میر محبت خان کے نواسے میر بہرام خان نے بغاوت کی جس کو شاہ افغانستان کی مدد سے شکست دی گئی اسی طرح سندھ کے تالپوروں نے کراچی پر قبضہ کرلیا میر علی شیر بگٹی نے

بغاوت کی۔ کیچ کے سرداروں جام لسبیلہ اور ڈیرہ جات نے علیحدگی اختیار کرلی(118)۔
محمود خان اپنے والد محترم میر نصیر خان نوری کے بالکل برعکس تھا جنگوں سے کتراتا تھا اور
نئی فتوحات کا اس کو شوق نہ تھا اور نہ ہی مملکت کی سرحدوں کو وسعت دینے کی ان میں
امنگ تھی وہ اپنے دور کے آخر میں شراب کا عادی ہوگیا اور وہ اپنا زیادہ تر وقت رقاصاؤں
کی صحبت میں گزارتا تھا(119)۔ الغرض میر محمود خان نے ۲۴ سال حکومت کی اور 1817 کو
بدھ کے دن کے وفات پائی (120)۔ محمود خان کے دور میں 1810ء میں پہلا یورپی
انگریز سیاح ایلڈرڈ پوٹنگر(Eldred Pottinger)بلوچستان میں وارد ہوا(121)۔

میر محراب خان دوئم شہید 1817ء تا 1839ء

میر محمود خان کی وفات کے بعد 1817ء میں بلوچ قبائل کے مشترکہ فیصلے سے
اس کا بیٹا میر محراب خان دوئم خان بلوچ مقرر ہوا وہ ایک باصلاحیت اور غیور مجاہد تھا میر
محراب خان کو وراثت میں ایک ایسی ریاست ملی تھی جس کے بہت سے علاقے بغاوت پر
کمربستہ تھے مرکز کمزور تھا۔ مرکزی کمزوری سے فائدہ اٹھائے ہوئے ڈیرہ غازی خان
کے علاقے پر مہاراجہ رنجیت سنگھ قابض ہوچکا تھا ساراوان اور جھالاوان میں بزنجو اور
مینگل قبائل شاہنواز خان احمد زئی کی حمایت پر کمربستہ تھے جو کہ خود کو قلات کا دعویدار سمجھتا
تھا(122)۔ ایک طرف محراب خان ان تمام شورشوں کو فرو کرنے میں مصروف کار تھا
دوسری طرف دربار خودغرض اور سازشی عناصر کی آماجگاہ بن چکا تھا(123)۔ محراب خان
کو زیادہ تر اندرون ملک سازشوں کے محاذ پر مصروف رہنا پڑا اسے اپنی ہی دربار کے
مشیروں نے دھوکہ دیا وہ اپنے دور اقتدار میں زیادہ تر اپنے دو سازشی مشیروں ملا محمد حسن
اور سید محمد شریف پر انحصار کرتا تھا۔ یہ دونوں ایک طرف محراب خان کو قبائلی سرداروں اور
ہندوستان کے انگریز حکمرانوں اور افغانستان کے بادشاہ کے خلاف اکساتے تھے اور

دوسری طرف ان تینوں عناصر کو محراب خان کے خلاف اشتعال دلاتے تھے(124)۔
الغرض محراب خان ان اندرونی دشمنوں سے پہلے ہی سے بیزار تھا کہ اسی دوران اسے انگریزوں سے نبرد آزما ہونا پڑا۔(125) 1830ء کی دہائی میں انگریزوں کو وسط ایشیاء میں روس کی توسیع پسندانہ عزائم کی فکر لاحق ہوئی لہذا کابل میں ایک معاون حکمران مسلط کرنے کی کوشش کے سلسلے میں انگریزوں نے 1838ء میں محراب خان سے رابطہ کیا تاکہ سندھ سے قندہار تک فوجی نقل و حرکت کے لئے ایک محفوظ گزرگاہ حاصل کی جاسکے(126)۔

"1839ء میں جب شاہ شجاع انگریزوں کی اعانت کے ساتھ کابل کے تخت کے حصول کے لئے درہ بولان کے راستے قندھار کی جانب روانہ ہوا تو راستے میں انگریز افواج کو بلوچ قبائل کی جانب سے سخت نقصانات کا سامنا کرنا پڑا"(127)۔

لہذا اس موقع پر قلات دربار کے معتمدین ملا محمد حسن اور سید عمر شریف نے انگریزوں کو یہ باور کرایا کہ یہ مزاحمت میر محراب خان کے ایما پر ہوئی ہے تاہم انگریزوں کا ایک نمائندہ الیگزینڈر برنز قلات گیا اور اس نے اپنی فوجوں کی بلوچستان سے بحفاظت گزرنے کے بارے میں بات چیت کی جس کے نتیجے میں 28 مارچ 1839ء کو ایک معاہدہ پر دستخط ہوئے جس میں محراب خان نے انگریزوں کو اپنی وفاداری کا یقین دلایا نیز ان کی فوجیوں کی حفاظت کا ذمہ لیا لہذا انگریز افسروں نے ان خدمات کے عوض میں اسے سالانہ ڈیڑھ لاکھ روپے دینے کا وعدہ کیا لیکن جب الیگزینڈر برنز یہ معاہدہ کرنے کے بعد واپس کوئٹہ آرہا تھا تو راستے میں قبائلی لٹیروں کے ایک گروہ نے اس کے کاروان پر ڈاکہ ڈالا اس پر محراب خان کے محلاتی مشیروں نے انگریزوں کو بتایا کہ ڈاکہ زنی کی یہ واردات بھی محراب خان کی ایماء پر ہوئی ہے لہذا کوئٹہ میں مقیم ایک انگریز بریگیڈیئر تھامسن ولشائر بہت مشتعل ہوا اور اس نے محراب خان کو اس غداری کی سزا دینا ضروری سمجھا(128)۔

لہذا 13 نومبر 1839ء میں قلات پر یلغار کی گئی خان قلات کو بمعہ ان کے ساتھیوں کے شہید کر دیا گیا اور محل کو لوٹا گیا۔ اور اہل حرم کی بے عزتی کی گئی (129)۔ جسٹس میر خدا بخش بجارانی لیفٹیننٹ لوڈے کا حوالہ دیئے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''لوڈے جو بذات خود اس جنگ میں شریک تھا لکھتا ہے اب تو یہ حقیقت واضح ہو چکی ہے کہ اس کے درباریوں اور بروہی سرداروں نے اسے بری طرح دھوکا دیا تھا خان اور اس کے بھائی صرف سو سپاہیوں کے ساتھ ہر حملے کا مقابلہ کر سکتے تھے۔ لیکن اس کی اپنی جماعت نے اس کے ساتھ غداری کی'' (130)۔ بہر حال بقول کسے ''خود کردہ را علاج نیست'' محراب خان نے اپنے لوگوں پر بھروسہ کیا لیکن اپنے ہی لوگوں نے اسے دھوکہ دیا قلات پر انگریزوں نے قبضہ کر کے میر شاہنواز خان کو تخت قلات پر فائز کیا تا کہ آئندہ کے لئے بلوچستان سے گزرتے ہوئے ان افواج کو کسی بھی مزاحمت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

میر شاہ نواز خان 1839ء تا 1840ء

شاہ نواز خان جو خاندانی شجرہ نسب کے اعتبار سے میر محراب خان کا چچا زاد بھائی تھا اقتدار کی جنگ میں میر محراب خان نے شاہنواز کے والد میر احمد یار خان کو قتل کروا دیا تھا اس نے محراب خان سے انتقام لینے کے لئے انگریزوں کو اپنی وفاداری کا یقین دلایا اور دسمبر 1839ء میر محراب خان کی شہادت کے بعد انگریزوں نے قلات کی میری شاہنواز خان کے سپرد کر دی۔ اور لوڈے (Lovday) نامی ایک انگریزی آفیسر کو جو بلوچوں میں لبدین کے نام سے مشہوا ہوا۔ اس کا مشیر مقرر کر کے قلات میں بٹھا دیا۔ (131)

شاہنواز خان کو تخت نشین کروانے کے بعد انگریز یہ سمجھ رہے تھے کہ اب یہ خطہ مکمل طور پر انکا تابع ہوگا اور شاہنواز خان بلوچ قبائل کو کنٹرول کرنے میں کامیاب ہونگے لیکن ان کا یہ اندازہ غلط ثابت ہوا میر محراب خان کا فرزند میر محمد حسن خان بلقب

میں نصیر خان ثانی (132)۔ جنگ چھڑنے سے پہلے ہی اپنے درباری وزیر آخوند گل محمد کے ساتھ نوشکی کے ذگر مینگلوں سے امداد حاصل کرنے کی خاطر روانہ ہو چکے تھے لیکن جب وہ کمک لیکر منگچر کے قریب پہنچے تو انھیں سقوط قلات کی اطلاع ملی لہذا آخوند گل محمد کے کہنے پر نصیر خان ثانی خاران چلا گیا جہاں اس نے آزاد خان نوشیروانی کی بیٹی سے شادی کرلی (133)۔

میر نصیر خان دوم انگریزوں کی آنکھوں میں برابر کھٹک رہا تھا اور انہوں نے نصیر خان کو ختم کرنے کے ارادے سے نوشکی اور پھر پنجگور پر چڑھائی کی تو بلوچ قبائل بھڑک اٹھے میر نصیر خان لبدین (لوڈے) کی پہنچ سے دور رہا بلوچستان میں ہر طرف شورش اور بغاوت کا آغاز ہوا پہلے مری قبائل نے بغاوت کی بالاخر یکم اگست 1840ء میں نصیر خان ثانی نے چار ہزار بلوچی لشکر کے ساتھ انگریزوں نے شب خون مار کر قلات کی بلوچی حکومت پر قبضہ کرلیا۔ خان بلوچ غازی کے لقب سے بلوچستان کے خان مقرر ہوئے (134)۔

انگریز فوج اور اس کے کٹھ پتلی حاکم شاہنواز کو قلات کے مقام پر شکست ہوئی انگریز کمانڈر لوڈے کو گرفتار کرلیا گیا اور شاہنواز سندھ کی طرف بھاگ گیا" (135)

میر نصیر خان ثانی 1841ء تا 1857ء

بچپن میں اسکا نام میر حسن خان تھا تخت نشین ہونے پر انہوں نے اپنا نام تبدیل کر کے نصیر خان رکھا اور تاریخ میں نصیر خان دوئم کے نام سے مشہور ہیں میر نصیر خان غازی جو کہ اپنے پردادا میر نصیر خان نوری کی طرح سرفروش مجاہد تھے جری، بہادری اور بلوچی غیرت و ہمت غرضیکہ ہر طرح کے کام اور نام کے اعتبار سے غیر معمولی واقعہ ہوئے اس بلوچ مجاہد نے مسلسل تین سال انگریز حکمرانوں کے خلاف خونریز جنگ جہاد جاری رکھی اور "غازی" کا خطاب پایا وہ ایک خوددار بلوچ تھا وہ ہمیشہ اور ہر وقت حالت جنگ ہی میں رہتا اور انگریزوں پر جو کہ ملت اسلام کے خونی دشمن تھے پیہم وار کئے جا رہا تھا اسکو

انگریزوں سے سخت نفرت تھی (136)۔ نصیر خان ثانی کے دور میں انگریز بلوچستان میں مکمل طور پر مراعات حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہوسکے کیونکہ انگریز شاطر میر نصیر خان غازی کی مجاہدانہ سرگرمیوں سے بے خبر نہیں تھے۔

وہ اچھی طرح جانتے تھے جنگ کی صورت میں نصیر خان کو شکست دینا ناممکن ہے انگریزوں نے حسب روایت چالبازی سے کام لیا انہوں نے نصیر خان کی نامزدگی منظور کرلی اور اس طرح 6 اکتوبر 1841ء میں اسے خان قلات مقرر کر دیا۔(137) نصیر خان کو مجبوری کے تحت انگریزوں کے ساتھ معاہدہ کرنا پڑا جس کی رو سے انگریزوں کو یہ اختیار دے دیا گیا کہ فوجی ضرورت کے تحت وہ قلات کے جس علاقے کو چاہیں اپنے قبضہ میں کر سکتے ہیں اور انگریز نے بھی اپنی طرف سے مملکت قلات کی حفاظت اور مستقبل میں ہر قسم کی مدد کا یقین دلایا۔ میر احمد یار خان بلوچ لکھتے ہیں کہ!''میر نصیر خان غازی بلوچستان کی سرزمین کو انگریزوں کے وجود سے پاک کرنا چاہتے تھے وہ دن رات فوج منظم کرنے اور فوج کی تعداد بڑھانے میں مصروف تھے یہ بات انگریزوں کے لئے باعث تشویش تھی انگریزوں نے دربار کے بعض نمک حرام افراد کو لالچ دے کر اپنے قبضے میں لیا اور انہی افراد سے خان بلوچ کو زہر دلوایا گیا میر نصیر خان نے آخری لمحات میں بڑی حسرت اور مایوسی سے کہا کہ : ''افسوس میں انگریز سے پورا انتقام نہ لے سکا اے سا ارزو کہ خاک شدہ'' (138)۔ کچھ مورخین کی رائے یہ تھی کہ میر نصیر خان غازی کو ابتدائی عمر سے مثانہ کی تکلیف تھی اسی مرض سے ان کی موت واقع ہوئی لیکن اکثر مورخین کی رائے یہ ہے کہ نصیر خان ثانی کو زہر دے کر ہلاک کر دیا گیا اور یہ کام بھی انہی کے آفیسر امور خانہ دار نے سرانجام دیا۔'' بہرحال 1857ء میں نصیر خان ثانی کی وفات کے بعد انکے چھوٹے بھائی میر خدائیداد خان کو اٹھارہ سال کی عمر میں تخت نشین کیا گیا'' (139)۔

حواشی

۱	پروفیسر اشرف شاہین قیصرانی ''بلوچستان تاریخ اور مذاہب'' ادارہ تدریس کوئٹہ 1994ء صفحہ 2
۲	عنایت اللہ بلوچ ''دی پرابلم آف گریٹر بلوچستان اے کیس سٹڈی آف بلوچ نیشنلزم، سٹٹ گارٹ، فرانز سٹیوورلاگ جرمنی، 1987ء ص 19
۳	سینس رپورٹ آف بلوچستان پروانس (1981)ء جاری کردہ پاپولیشن سینس آرگنائزیشن اسلام آباد 1984
۴	ڈاکٹر شاہ محمد مری، ''بلوچ قدیم عہد سے عہد حاضر تک'' تخلیقات لاہور ۲۰۰۲ء صفحہ ۱۴۲
۵	میر خدا بخش بجارانی ''بلوچستان تاریخ کے آئینے میں'' نساء ٹریڈرز کوئٹہ۔1989ء ص 154
٦	منیر احمد مری ''بلوچستان سیاسی مضمرات ورجحانات'' گوشہ ادب کوئٹہ 1989 ص 8-7
۷	ظہیر الدین بابر ترجمہ رشید اختر ندوی ''تزک بابری'' سنگ میل پبلیکیشنز لاہور ۱۹۹۵ء صفحہ ۲٦۷
۸	اے۔ فرائے انسائیکلوپیڈیا آف اسلام لندن 1936ء ص 1005
۹	انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا، لندن، لندن 1971ء ص 2
۱۰	مولائی شیدائی ''سرزمین بلوچ'' بلوچی اکیڈیمی کوئٹہ ۱۹۹٦ صفحہ 3-1
۱۱	ملک صالح محمد لہڑی ''بلوچستان ون یونٹ سے پہلے'' ہفتہ وار باغ و بہار کوئٹہ 1955ء ص 3-2

۱۲	اے ڈبلیو ہیوگز، ترجمہ انور رومان ''سرزمین بلوچستان'' نساٹریڈرز کوئٹہ ۱۹۸۶ صفحہ ۱۳۹۔۱۲۹
۱۳	ملک صالح محمد لہڑی'' بلوچستان، ون یونٹ سے پہلے'' ہفتہ وار باغ و بہار کوئٹہ ۱۹۵۵ صفحہ ۷،۶
۱۴	آغا نصیر خان احمدزئی'' تاریخ بلوچ''بلوچستان بلوچی اکیڈیمی کوئٹہ ۱۹۸۴ صفحہ ۲
۱۵	سید اقبال احمد، لیفٹیننٹ کرنل، بلوچستان اٹس سٹریٹیجک ایمپورٹینس، رائل بک کمپنی کراچی 1992ء ص 392
۱۶	مولائی شیدائی'' سرزمین بلوچ''بلوچی اکیڈیمی کوئٹہ ۱۹۹۶ صفحہ ۱۶
۱۷	ملک محمد سعید دہوار'' تاریخ بلوچستان'' نساء ٹریڈرز کوئٹہ 1990۔ 37-33
۱۸	عنایت اللہ بلوچ'' دی پرابلم آف گریٹر بلوچستان اے کیس سٹڈی آف بلوچ نیشنلزم، سٹٹ گارٹ، فرانز سٹیو ورلاگ جرمنی، 1987ء ص 27
۱۹	پروفیسر محمد عزیز بگٹی'' تاریخ بلوچستان'' ادارہ تدریس لاہور ۱۹۸۵ صفحہ 15-14
۲۰	پروفیسر اشرف شاہین قیصرانی ''بلوچستان تاریخ اور مذاہب'' ادارہ تدریس کوئٹہ 1994ء صفحہ 20
۲۱	ہیریسن سلیگ ترجمہ مسعود بخاری بلوچ قومی تحریک گوشہ ادب کوئٹہ ۱۹۹۰ صفحہ ۱۹،۱۸
۲۲	ڈاکٹر شاہ محمد مری'' بلوچ قوم قدیم عہد سے عہد حاضر تک'' تخلیقات لاہور ۲۰۰۰ صفحہ ۴۸
۲۳ CF	یحییٰ امجد'' تاریخ پاکستان (عہد قدیم)'' سنگ میل پبلیکیشنز لاہور 1989ء صفحہ 195-192 و بلوچستان ڈسٹرکٹ گزیٹر گوشہ ادب کوئٹہ 1986ء صفحہ 54-45

۲۴	مینگل، بلوچستان ڈسٹرکٹ گزیٹر، چاغی گوشہ ادب کوئٹہ، 1986ء ص
۲۵	یحییٰ امجد ص35-225
۲۶	سید عبدالقدوس، پاکستان فرام خیبر ٹو کراچی، اسلامک بک سینٹر لاہور ندارد ص50
۲۷	برجٹ، اینڈ ریمنڈ الچن، دی رائز آف سویلائزیشن ان انڈیا اینڈ پاکستان، کیمبرج یونیورسٹی پریس لندن، 1982ء ص3-100
۲۸	محمد سردار خان بلوچ، اے لٹریری ہسٹری آف بلوچیز، بلوچی اکیڈمی کوئٹہ 1977 ص 52
۲۹	سبط حسن ''پاکستان میں تہذیب کا ارتقاء'' دانیال کراچی 6thed۱۹۸۶ صفحہ ۹۱-۹۰
۳۰	محمد سعید دہوار ''تاریخ بلوچستان'' نساء ٹریڈرز کوئٹہ ۱۹۹۰ صفحہ ۱۴۸
۳۱	سید ظہور شاہ ہاشمی ''بلوچی زبان و ادب کی تاریخ'' سید ہاشمی اکیڈمی کراچی ۱۹۸۶ صفحہ ۱۹۵
۳۲	محمد سعید دہوار ''تاریخ بلوچستان'' نساء ٹریڈرز کوئٹہ ۱۹۹۰ صفحہ ۱۷۷
۳۳	تھامس ہولڈچ، گیٹس آف انڈیا نساء ٹریڈرز کوئٹہ 1982ء سیکنڈ ایڈیشن ص 147
۳۴	ایضاً صفحہ 147
۳۵	رے، ایف، فلز ریسٹرن سویلائزیشن، ہیتھ اینڈ کمپنی ٹورنٹو (کینڈا) 1977ء ص 124 او کے ایچ سپیڈ، انڈیا اینڈ پاکستان ومیتھوڈین لندن 1956ء ص 151 سرجان مارشل اے گائیڈ ٹو ٹیکسلا سنی کمیونیکیشن کراچی 1960ء ص 13-12
۳۶	چانکیہ، ترجمہ محمد اسماعیل ذبیح، ارتھ شاستر، ٹیکساس پرنٹرز کراچی 1991ء ص 39 او کے ایچ، سپیٹ ص 151,52 سرجان مارشل ص 14

۳۷	چانکیہ ص 39 سرجان مارشل ص 14
۳۸	ونسنٹ اے سمتھ، دی آکسفورڈ ہسٹری آف انڈیا، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس کراچی 1992ء چوتھا ایڈیشن ص 97 جے ڈبلیو، میکرنڈل، دی انویژن آف انڈیا وبائے الیگزنڈر دی گریٹ، انڈس پبلیکیشنز کراچی 1992ء ص 410
۳۹	چانکیہ ص 41 دی اے سمتھ ترجمہ محمد جمیل الرحمن، قدیم تاریخ ہند تخلیقات لاہور 2001ء ص 239
۴۰	چانکیہ، ص 40 سرجان مارشل ص 15
۴۱	وی اے سمتھ صفحہ 192
۴۲	ڈاکٹر شاہ محمد مری صفحہ ۷۵
۴۳	ہارون رشید، پاکستان سکسیس فل کلمینیشن، ایمپوریم پبلشرز لاہور ندارد ص 3
۴۴	سید عبدالقدوس، دی ٹرائبل بلوچستان، فیروز سنز پرائیویٹ لمیٹڈ لاہور 1992ء ص 15
۴۵	محمد سعید دہوار ۲۰۰،۱۹۹
۴۶	ایضاً صفحہ 99-198
۴۷	ایضاً صفحہ ۱۹۹
۴۸	محمد حیات شیخ تاریخ اسلامی جمہوریہ ایران مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور ۱۹۹۸ صفحہ ۱۷
۴۹	محمد سعید دہوار "تاریخ بلوچستان" نساء ٹریڈرز کوئٹہ ۱۹۹۰ صفحہ: 205
۵۰	ایضاً صفحہ ۲۰۴ـ۲۰۶

۵۱	ہرمان، کنڈر، اٹلس آف ورلڈ ہسٹری والیم 1، پینگوئین نیویارک، 1988ء ریپرنٹ ص112-13
۵۲	محمد سعید دہوار 1990ء ص112-13
۵۳	اولف کیرو، دی پٹھانز، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس کراچی 1996ء نواں ایڈیشن ص252-53
۵۴	ایضاً صفحہ ۲۵۳
۵۵	ایضاً صفحہ ۵۴_۲۵۳
۵۶	محمد سعید دہوار ''تاریخ بلوچستان'' نساء ٹریڈرز کوئٹہ ۱۹۹۰ صفحہ 225
۵۷	ایضاً صفحہ 228
۵۸	اعجاز الحق قدوسی ''تاریخ سندھ جلد اول'' اردو سائنس بورڈ لاہور دوسرا ایڈیشن ۱۹۷۶ صفحہ 4-5
۵۹	ایضاً صفحہ 5-6
۶۰	مولانا شبلی نعمانی ''الفاروق'' پرویز بک ڈپو دہلی، ندارد صفحہ 158
۶۱	ایضاً 158
۶۲	ایچ، یو رحمان اے کرونولوجی آف اسلامک ہسٹری 570-1000 سی ای، مین سیل پبلشنگ لمیٹڈ، لندن 1989ء ص33-34
۶۳	زاہد چوہدری ''پاکستان کی سیاسی تاریخ'' جلد ہفتم ادارہ مطالعہ تاریخ لاہور ۱۹۹۴ صفحہ ۱۹
۶۴	محمد سعید دہوار ''تاریخ بلوچستان'' نساء ٹریڈرز کوئٹہ ۱۹۹۰ صفحہ 268
۶۵	ملک شعراء اے بہار (تصحیح کنندہ اصل مصنف نامعلوم) سیستان مطبوعہ دولتی تہران (ایران) ۱۳۶۶ ہجری صفحہ ۲۲۵

۶۶	ابن خلدون عبدالرحمٰن مقدمہ ابن خلدون جلد ششم نفیس اکیڈیمی کراچی ۱۹۷۱ صفحہ 122-121
۶۷	محمد سعید دہوار ۱۹۹۰ صفحہ ۴ ۲۷
۶۸	محمد احسان الحق، محمد شفیق علوی، ''تاریخ مسلمانان''، علمی کتاب خانہ لاہور ندارد صفحہ ۲۰۳، ایچ یو رحمٰن صفحہ 153
۶۹	ای جے برل ریلیجین اینڈ عرب سوسائٹی ان سندھ نیلس اینڈ ہیریسن نیویارک 1989ء ص 147
۷۰	ملک شعراء بہار صفحہ ۷
۷۱	ایضاً صفحہ ۲۸
۷۲	عبدالرحمٰن ابن خلدون صفحہ ۲۱۲
۷۳	ایضاً صفحہ 212
۷۴	ملک شعراء بہار صفحہ 362
۷۵	محمد سعید دہوار 1990ء ص 298
۷۶	ڈاکٹر آغا افتخار حسین ''قوموں کے زوال کے اسباب کا مطالعہ'' مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۸۵ صفحہ ۳۶ مولانا منہاج الدین سراج، ''طبقات ناصری والیم 2 ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ 1995ء ص 1253
۷۷	سبط حسن ۱۹۸۶ صفحہ ۴۳، ۳۴۲
۷۸	میر گل خان نصیر'' تاریخ بلوچستان'' قلات پبلشرز کوئٹہ ۱۹۹۳ تھرڈ ایڈیشن صفحہ ۵
۷۹	میر احمد یار خان'' تاریخ خوانین بلوچ'' اسلامیہ پریس کوئٹہ ۱۹۴۷ صفحہ ۱۴، ۱۳

۸۰	محمد سردار خان بلوچ، دی گریٹ بلوچ ، بلوچی اکیڈمی کوئٹہ 1965ء صفحہ 9-128
۸۱	میر احمد یار خان ۱۹۴۷ صفحہ ۱۸،۲۰
۸۲	میر گل خان نصیر، ۱۹۹۳ صفحہ ۱۳،۱۴
۸۳	ایضاً صفحہ 14
۸۴	سید عبدالقدوس، ندارد ص 94
۸۵	میر گل خان نصیر، ۱۹۹۳ صفحہ ۱۵
۸۶	ایضاً ص 30
۸۷	سید عبدالقدوس، ندارد ص 5-94
۸۸	رائے بہادر ہتورام، ترجمہ و تخلیص، سلیم اختر'' تاریخ بلوچستان'' سنگ میل پبلیکیشنز لاہور ۱۹۹۸ صفحہ ۱۰۷
۸۹	میر گل خان نصیر، 1993 ص 24
۹۰	ایضاً صفحہ ۲۳
۹۱	میر احمد یار خان'' تاریخ خوانین'' بلوچ اسلامیہ پریس کوئٹہ ۱۹۴۷ صفحہ ۳۳
۹۲	میر خدا بخش بجارانی مری'' بلوچستان تاریخ کے آئینے میں'' نساء ٹریڈرز کوئٹہ ۱۹۸۹ صفحہ ۳۵۹
۹۳	میر گل خان نصیر، ۱۹۹۳ صفحہ ۲۷_۲۴
۹۴	میر احمد یار خان، ۱۹۴۷ صفحہ ۳۴
۹۵	ایضاً صفحہ ۳۶_۳۵
۹۶	ڈاکٹر شاہ محمد مری'' بلوچ قوم، قدیم عہد سے عصر حاضر تک'' تخلیقات لاہور ۲۰۰۰ صفحہ ۱۲۴

۹۷	اشرف شاہین قیصرانی ''بلوچستان تاریخ و مذہب'' ادارہ تدریس کوئٹہ 1994ء صفحہ 109
۹۸	میر احمد یار خان ''تاریخ خوانین بلوچ'' اسلامیہ پریس کوئٹہ ۱۹۴۷ صفحہ 41-42
۹۹	انور رومان، مترجم انعام الحق کوثر ''کوئٹہ قلات کے براہوئی'' قریشی پبلکیشنز کوئٹہ ۱۹۸۷ صفحہ ۹۷
۱۰۰	میر احمد یار خان ''تاریخ، خوانین بلوچ'' اسلامیہ پریس کوئٹہ ۱۹۴۷ صفحہ 42-43
۱۰۱	میر احمد یار خان ''تاریخ، خوانین بلوچ'' اسلامیہ پریس کوئٹہ ۱۹۴۷ صفحہ 43
۱۰۲	پروفیسر محمد اشرف شاہین تاریخ بلوچستان ایک تحقیقی جائزہ قائم پرنٹرز کوئٹہ ۱۹۹۳ صفحہ ۹۴
۱۰۳	پروفیسر عزیز بگٹی ''تاریخ بلوچستان'' ادارہ تدریس 1995ء صفحہ نمبر 41
۱۰۴	پروفیسر محمد اشرف شاہین، ۱۹۹۴ صفحہ ۱۱۱
۱۰۵	ہائینس نواب بہادر میر اعظم خان بینگو یادگار تاجپوشی قلات 1932ء ایوان قلات کوئٹہ صفحہ 12
۱۰۶	میر احمد یار خان ''بلوچ مختصر تاریخ قوم بلوچ و بلوچستان صفحہ ۴۲
۱۰۷	ہائینس نواب بہادر میر اعظم خان بینگو یادگار تاجپوشی قلات 1932ء ایوان قلات کوئٹہ صفحہ 22
۱۰۸	زاہد چوہدری ''پاکستان کی سیاسی تاریخ'' صفحہ 22
۱۰۹	زاہد چوہدری ''پاکستان کی سیاسی تاریخ جلد ۷ بلوچستان مسئلہ خود مختاری کا آغاز'' ادارہ مطالعہ تاریخ لاہور ۱۹۹۴ صفحہ ۲۲
۱۱۰	ایضاً صفحہ ۲۲
۱۱۱	بریگیڈیئر (ر) ایم عثمان حسن ''بلوچستان رپورتاژ'' گوشہ ادب 1984ء صفحہ 36
۱۱۲	محمد سردار خان ''بلوچ قوم کی تاریخ'' نادر ٹریڈرز ندارد صفحہ 234-235
۱۱۳	عنایت اللہ بلوچ صفحہ 19

۱۱۴	انور رومان ترجمہ انعام الحق کوثر ''کوئٹہ قلات کے براہوئی'' قریشی پبلیکیشنز کوئٹہ 1987ء صفحہ 104
۱۱۵	میر احمد یار خان ''تاریخ خوانین بلوچ'' اسلامیہ پریس کوئٹہ 1947ء صفحہ نمبر
۱۱۶	میر گل خان نصیر ''تاریخ بلوچستان'' قلات پبلشرز کوئٹہ 1993ء صفحہ نمبر 94
۱۱۷	زاہد چوہدری پاکستان کی سیاسی تاریخ جلدے بلوچستان مسئلہ خود مختاری کا آغاز مصطفٰے وحید لاہور ۱۹۹۴ صفحہ ۲۳
۱۱۸	ایضاً صفحہ 23
۱۱۹	اے ڈبلیو ہیوگز ترجمہ پروفیسر ایم انور رومان ''سرزمین بلوچستان'' نادر ٹریڈرز مستونگ ندارد ص نمبر 257
۱۲۰	میر گل خان نصیر ''تاریخ بلوچستان'' جلد اول دوئم قلات پبلشرز کوئٹہ 1993 ص 106
۱۲۱	مترجم پروفیسر ڈاکٹر انعام الحق کوثر ''کوئٹہ قلات کے براہوئی'' قریشی پبلی کیشنز کوئٹہ 1987ء صفحہ 112
۱۲۲	پروفیسر اشرف شاہین ''بلوچستان تاریخ و مذہب'' ادارہ تدریس 1994 ص 118
۱۲۳	پروفیسر اشرف شاہین ''تاریخ بلوچستان ایک تحقیقی جائزہ'' ادارہ تدریس 1993ء ص نمبر 100
۱۲۴	میر احمد یار بلوچ، مختصر تاریخ، قوم بلوچ و خوانین بلوچ'' ایوان قلات ندارد ص نمبر 53
۱۲۵	میر گل خان نصیر ''تاریخ بلوچستان جلد اول دوئم قلات پبلشرز کوئٹہ 1993ء ص 123
۱۲۶	Tituo Panl "Marginality and Modernity change in Post Colonial Balochistan" Oxford University Press Karachi, 1997 P. 178
۱۲۷	پروفیسر عزیز بگٹی ''بلوچستان سیاسی کلچر اور قبائلی نظام'' فکشن ہاؤس 1995 ص 21

۱۲۸	زاہد چوہدری ''پاکستان کی سیاسی تاریخ'' جلد 7ادارہ مطالعہ تاریخ1994ص25-24
۱۲۹	پروفیسر عزیز بگٹی ''بلوچستان شخصیات کے آئینے میں'' فکشن ہاؤس1996ء ص87-86
۱۳۰	جسٹس خدابخش بجارانی مری، ترجمہ پروفیسر سعید احمد رفیق ''بلوچستان تاریخ کے آئینے میں'' نساء ٹریڈرز1989ص397
۱۳۱	میر گل خان نصیر ''بلوچستان قدیم اور جدید کی روشنی میں'' نساء ٹریڈرز کوئٹہ 1982ص273
۱۳۲	میر نصیر خان احمد زئی ''تاریخ بلوچ و بلوچستان'' جلد ششم بلوچی اکیڈمی 1995ص124
۱۳۳	احمد یار بلوچ، مختصر تاریخ قوم بلوچ وخوانین بلوچ'' ایوان قلات ندارد ص57
۱۳۴	ایضاً صفحہ نمبر57
۱۳۵	جسٹس خدابخش بجارانی مری، ترجمہ پروفیسر سعید احمد رفیق ''بلوچستان تاریخ کے آئینے میں'' نساء ٹریڈرز1989ص397
۱۳۶	میر گل خان نصیر'' تاریخ بلوچستان جلد اول، دوئم قلات پبلشرز کوئٹہ1993ء ص184-154
۱۳۷	پروفیسر اشرف شاہین ''بلوچستان تاریخ و مذہب'' ادارہ تدریس 1994ص123
۱۳۸	میر احمد یار بلوچ، مختصر تاریخ قوم بلوچ وخوانین بلوچ'' ایوان قلات ندارد ص58
۱۳۹	سید محمود شاہ بخاری'' یونائیٹڈ بک سیلرز اینڈ اسٹیشنرز کراچی 1981ص314

برطانوی پالیسی برائے بلوچستان

اس سے پہلے کہ بلوچستان پر برطانوی قبضے کی تاریخ بیان کی جائے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بلوچستان کے گردونواح کی صورتحال پر ایک نظر ڈالی جائے یہ مسلمہ امر ہے کہ کوئی بھی ریاست اپنے گردونواح کے حالات سے بے خبر نہیں رہ سکتی جلد یا بدیر آس پاس کے حالات اس پر ضرور اثر انداز ہوتے ہیں جب ریاست قلات کی خودمختارانہ حیثیت پر پہلی ضرب لگی تو اس سے پہلے متحدہ ہندوستان کے طول و عرض میں برطانوی استعمار نے اپنے پنجے گاڑنا شروع کر دیئے۔ انگریزوں نے ہندوستان کے جنوبی علاقوں پر قبضہ کرنے کے بعد بلوچستان پر قبضہ کیا انگریزوں کی حکمرانی کی بنیاد ایسٹ انڈیا کمپنی نے رکھی تھی اس لئے پس منظر کے طور پر مختصراً اس کمپنی کے حالات بیان کئے جا رہے ہیں۔

ایسٹ انڈیا کمپنی اور ہندوستان پر انگریزوں کا قبضہ

پندرہویں صدی کے آغاز میں یورپین اقوام نے بحری سفروں کے ذریعے نئی دنیا کی تلاش شروع کر دی۔ اس سلسلے میں پرتگیزوں کو سبقت حاصل ہوئی ان لوگوں نے افریقہ کے شمال مغرب کی جانب بحراوقیانوس کے جزائر پر قبضہ کیا۔''1444 میں وہ دریائے سینی گال کے دہانے تک پہنچ گئے اور اس کے بعد 1470ء میں گولڈ کوسٹ میں داخل ہوئے اور وہاں ایک قلعہ تعمیر کیا اور 1486ء میں اس جگہ ایک فیکٹری قائم کی اور سونے کی تجارت کے ذریعے خوب دولت کمائی(1)۔ ہندوستان دریافت کرنے کی مہم 37 برس کے ایک پرتگیزی سیاح واسکوڈے گاما کے سپرد کی گئی واسکوڈے گاما تین جہازوں کے ایک چھوٹے سے بیڑے کو لے کر 8 جولائی 1497ء کو پرتگال سے اپنے سفر پر نکلا

اور راس امید کا چکر کاٹنے کے بعد یہ بیڑہ افریقہ کے جنوب مشرقی ساحل تک جا پہنچا یہاں واسکوڈے گاما کو موزنبیق کے حکمران کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ اپریل 1498ء میں وہ زنجبار سے دوسو میل شمال میں واقع ملندہ کی بندرگاہ میں پہنچا۔ جنوب مشرقی افریقہ کے ساحلی علاقوں کے عرب جہازی اس سمندری راستے سے واقف تھے جو ہندوستان تک لے جاتا تھا چونکہ واسکوڈے گاما ان راستوں سے واقف نہ تھا لہذا اس نے عرب جہازران احمد بن ماجد کی خدمات حاصل کرلیں اور جون 1498ء میں واسکوڈے گاما نے کالی کٹ (مالابار) سے آٹھ میل شمال میں واقع ایک چھوٹی سی بستی کے قریب لنگر ڈال دیئے (2)۔ پرتگیزی آخر اس ملک کے ساحل پر پہنچ گئے جس کی دولت کے افسانے سکندر کے زمانے سے یورپ میں سنے جا رہے تھے ہندوستان ایک وسیع ملک تھا۔ یہ ملک اتنا بڑا تھا کہ اسے چھوٹا براعظم کہا جاتا تھا تاریخ گواہ ہے کہ ہندوستان نے اپنی زرخیزی کی وجہ سے ہمیشہ قوموں کو اپنی طرف مائل کرتا رہا ہے (3)۔

پرتگیزی اس زمانے میں ہندوستان میں داخل ہوئے جب وہاں لودھی خاندان کی حکومت تھی پرتگیزیوں نے مختلف مقامات پر قلعے تعمیر کروائے اور تجارتی مراکز قائم کیے اور تجارت کے ساتھ ساتھ انہوں نے آہستہ آہستہ سیاسی قوت کی صورت اختیار کر لی ۔نوبت یہاں تک پہنچی کہ ہندوستان کی سیاست میں ان کا باقاعدہ عمل دخل شروع ہو گیا(4)۔ 1570ء تک انہوں نے اپنے قدم اس مضبوطی سے یہاں جمالئے کہ دہلی کی حکومت ان کی زور افروز قوت سے خطرہ محسوس کرتے ہوئے ان کے استحصال کی فکر کی تو اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا(5)۔ "پرتگیزوں کے دیکھا دیکھی یورپ کے دیگر اقوام کی دلی تمنا ہوئی کہ ادھر کا رخ کریں ان کے بعد دوسرے نمبر پر برطانوی انگریز 1600ء میں ملکہ الزبتھ نے گورنر اور لندن کے تاجروں کی ایک کمپنی کو تحریری مسودے کے ذریعے مشرقی ہندوستان (East India) میں تجارت کی اجازت دی اس مسودے کے تحت لندن

کمپنی کو اجازت تھی کہ وہ ایسٹ انڈیز سے باہر آزادی سے تجارت و سفر کر سکیں یہ مسودہ 15 سال کی مدت کے لئے تھا جو دو سال کی نوٹس پر ختم کیا جا سکتا تھا(6)۔

یہ سچ ہے کہ جیمز اوّل نے ایک نیا مسودہ دیا جس نے 1600ء کے مسودے کو دوامی بنادیا لیکن اس مسودے سے بھی اگر ثابت ہوتا کہ مسلسل اجارہ داری کی وجہ سے عوام کے مفادات کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ تو یہ مسودہ تین سال کے نوٹس پر ختم کیا جا سکتا تھا۔ (7) جہانگیر نے 1612ء میں پرتگیزیوں سے ایک معاہدہ کیا جس کے بعد شاہی سفیر واپس ہوا۔ ایک سال کے بعد پرتگیزیوں نے عہد شکنی کی انہوں نے سورت کی بندرگاہ کے قریب چند جہازوں کو لوٹ لیا اور سورت کے قلعے پر قبضہ کرنے کی کوشش کی جس میں انہیں شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ انگریزوں کو پہلی کامیابی اس طرح حاصل ہوئی کہ پرتگیزیوں نے مسلمانوں کے کچھ جہاز لوٹ لئے اور مسلمان تاجروں کو قید میں ڈال دیا اس وقت سورت خان کا حاکم مقرب خان تھا۔ انگریزوں نے اس کی مدد کی اور پرتگیزیوں سے لڑ کر ان کو منتشر کر کے لوٹا ہوا مال واپس دلا دیا۔ اور مسلمان قیدیوں کو بھی آزاد کر لیا۔ اس طرح اس علاقے میں پرتگیزیوں کے قدم اکھڑ گئے۔ اور انگریزوں کو قدم جمانے کا موقع مل گیا۔ اس کے بعد انگریزوں نے اپنا اصل مقصد حاصل کرنے کی جانب پہلا قدم اٹھاتے ہوئے ہندوستان کے شاہی دربار میں اثر و رسوخ حاصل کرنے کی کوشش شروع کیں۔ (8) چنانچہ "1615ء میں سر تھامس رو (Thomas Roe) کو انگلینڈ کے بادشاہ جیمز اوّل نے جہانگیر کے دربار میں بھیجا گیا"۔(9) سر تھامس رو ایک بہترین سیاسی اور اچھا سائنسدان تھا۔ جیمز اوّل چاہتا تھا کہ شہنشاہ ہند سے انگریزوں کے لئے معاشی اور تجارتی مراعات حاصل کریں۔ جہانگیر کے دربار میں وہ تین سال تک مقید رہا۔ سر تھامس رو اپنی قوم کے لئے برصغیر کی بندرگاہوں میں آزادانہ تجارتی حقوق کا خواہاں تھا۔ لیکن جہانگیر نے ایک فرمان کے ذریعے صرف "سورت" میں انگریزوں کو تجارتی

مراعات اور فیکٹری بنانے کی اجازت دی۔ یہ فرمان برصغیر میں انگریزی اقتدار کی بنیاد بنی۔(10) بہرحال جہانگیر نے اپنے ہاتھ سے انگریزی پودا اپنی سلطنت میں لگایا۔ شاہ جہان نے اس انگریزی پودے کے زہریلے پن کو محسوس کیا۔ بعد میں اورنگ زیب جیسے شکی مزاج مدبر نے اس کی بو محسوس نہ کی۔ ''سر تھامس رو کی اپنی قوم سے محبت اور سفارتی قابلیت کا یہ عالم تھا کہ اس میں نہ صرف ہندوستان میں انگریزوں کے لئے غیر متفقہ مراعات حاصل کیں۔ بلکہ اسے ایران اور ترکی میں بھی ایسی ہی کامیابیاں حاصل ہوئی''(11)۔

فرانسیسیوں کی فرینچ ایسٹ انڈیا کمپنی

''ولندیزیوں اور انگریزوں کے بعد فرانسیسی بھی ہندوستان کی ساحلوں کی طرف چل دیئے سترھویں صدی کے شروع میں فرانسیسیوں نے ہندوستان کے ساتھ تجارت کرنے کی کوشش کی لیکن کامیابی حاصل نہ ہوسکی لوئی چہار دھم کے وزیر کالبر نے اپنی کوششوں سے 1664ء میں فرنچ ایسٹ انڈیا کمپنی کی بنیاد ڈالی دس سال تک ہندوستان سے تجارت کرنے کے بعد فرانسیسیوں نے پانڈی چری، چندرنگر، ماھی، کاریکل اور دوسری بندرگاہوں میں اپنی تجارتی کوٹھیاں بنالیں'' (12)۔ 1740ء میں فرانسیسیوں نے اتنی قوت حاصل کیں کہ انگریزوں کے لئے ایک چیلنج کی حیثیت اختیار کرگئے۔(13) الغرض اٹھارھویں صدی کے وسط میں جب انگریزوں اور فرانسیسیوں کے سیاسی اور معاشی مفادات ایک دوسرے سے ٹکرائے تو دوسری جگہوں کے علاوہ ہندوستان میں بھی انگریز اور فرانسیسی آپس میں لڑنے لگے ان لڑائیوں کا آغاز کرناٹک کے علاقے میں ہوا (14)۔ 1742ء میں ڈوپلے فرانسیسی گورنر بن کر ہندوستان آیا۔ یہ قابل آدمی تھا۔ اس نے ہندوستان پر قبضہ کرنے کے لئے بڑی موثر منصوبہ بندی کی جسے دیکھ کر انگریزوں کو کھلم کھلا فرانسیسیوں کے مقابلے پر آنا پڑا(15)۔ مارچ 1743ء میں نظام الملک نے

کرناٹک پر قبضہ کرلیا۔ اس نے اپنے ایک امیر انوار الدین کو کرناٹک کا نواب مقرر کیا۔ چنانچہ 1746ء میں انگریزی بیڑے نے پانڈی چری پر حملہ کرنا چاہا لیکن نواب نورالدین کی مداخلت نے انگریزی بیڑے کو واپس جانے پر مجبور کر دیا پانڈی چری کے فرانسیسی گورنر ڈوپلے اس طرح پانڈی چری کو انگریزی حملے سے بچانے کے بعد نواب انورالدین سے مدارس پر حملہ کرنے کی اس شرط پر اجازت حاصل کی کہ وہ مدراس کو فتح کرنے کے بعد اسے نورالدین کے حوالے کرے گا (16)۔ الغرض 1758ء میں فرانسیسیوں نے انگریزوں پر غالب آنے کی ایک اور کوشش کی لیکن انجام کار فرانسیسیوں کے پاس پانڈی چری اور اس کے کچھ مضافات رہ گئے اور پرتگیزی خطرے کے بعد فرانسیسی خطرہ بھی انگریزوں کے سر سے ٹل گیا (17)۔

بنگال پر انگریزوں کا قبضہ

شجاع الدین کی موت کے بعد 1740ء کے بعد حکومت بنگال کی کونسل کے ایک رکن علی وردی خان (جو اس وقت بہار کا ناظم تھا) نے شجاع الدین کے بیٹے سرفراز کو کمپنی مرشد آباد کے قریب شکست دے کر بنگال کی صوبے داری پر قبضہ کرلیا۔ اس زمانے میں دہلی کی مرکزی حکومت بہت کمزور ہو چکی تھی اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے علی وردی خان نے بنگال میں آزاد حکومت کی بنیاد ڈالی۔ علی وردی خان ایک قابل اور بہادر شخص تھا۔ اس نے اپنی قابلیت اور ہوشیاری سے بنگال کو مرہٹوں سے بچا کر رکھا تھا۔ 1756ء میں علی وردی کی وفات کے بعد اس کے پوتا سراج الدولہ نے حکومت سنبھالی۔ (18) اس تبدیلی سے انگریزوں نے خوب فائدہ اٹھایا اور فوجی اڈے قائم کیے چنانچہ سراج الدولہ نے اس دوران کلکتہ پر حملہ کر کے۔ اس پر قبضہ کرلیا اسی دوران لارڈ کلائیو مدارس سے تازہ دم فوج لے کر یہاں پہنچ گیا اور اس نے کلکتہ، نواب سے طاقت کے بل بوتے

پر واپس لے لیا۔ بعدازاں سراج الدولہ کو راستے سے ہٹانے کے لئے لارڈ کلائیو نے نواب کے سپہ سالار میر جعفر سے ساز باز کر کے ان کو یقین دلایا کہ کامیابی کی صورت میں بنگال کی صوبیداری ان کے حوالے کرے گا(19)۔

انگریزوں کو نواب سراج الدولہ کے مابین رنجش کا ایک اہم سبب یہ بھی تھا کہ انگریزوں نے سراج الدولہ کی تخت نشینی کے موقع پر رسمی تحائف نہیں بھیجے تھے انگریز سراج الدولہ کے خلاف سازش میں شریک تھے کمپنی کے ملازم تاجرانہ مراعات سے ناجائز فائدہ اٹھائے سراج الدولہ کے خزانہ پر کمپنی کی ان بداعمالیوں کا بہت بڑا اثر پڑا انگریزوں نے کلکتہ کے قلعہ کو نواب کی اجازت کے بغیر مستحکم کرنا شروع کر دیا اور انگریزوں نے ڈھاکہ کے دیوان راج بلب کے بیٹے کرشن داس کو اپنے ہاں پناہ دی۔ سراج الدولہ کے اسرار پر بھی انگریزوں نے اسے نواب کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا کرشن داس کو صرف اس لئے پناہ دی تھی کہ اس کا باپ ڈھاکہ کا دیوان ہونے کی صورت میں انگریزوں کے لئے بے حد مفید ہوسکتا تھا ان اسباب نے سراج الدولہ کو مجبور کر دیا کہ وہ عملی طور پر انگریزوں کے خلاف جنگ کرے چنانچہ "1757ء میں انگریزوں اور نواب سراج الدولہ کے درمیان پلاسی کے مقام پر جنگ ہوئی جس میں سراج الدولہ کو مرشد آباد کے نزدیک گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا۔(20) اور پھر حسب وعدہ میر جعفر کو لارڈ کلائیو کے زیر سایہ بنگال کے تخت پر بٹھا دیا گیا۔ میر جعفر کے ذریعے انگریزوں نے منہ مانگی مراعات حاصل کیں۔

دو سال تک میر جعفر انگریزوں کا آلہ کار بنا رہا جب معاملہ حد سے زیادہ بڑھنے لگا تو میر صاحب کے تیور بھی بدل گئے کیونکہ میر جعفر کے لئے اپنی حکومت کو جاری رکھنا ناممکن ہو چکا تھا کلکتہ کونسل کی موجودگی میں اسکا خزانہ کبھی بھر نہیں سکتا تھا اس نے جس تخت کے لئے سراج الدولہ سے غداری کی تھی وہ اس کے لئے کانٹوں کا بچھونا ثابت ہوا اس طرح میر جعفر اب مزید کلکتہ کونسل کے لئے مفید نہیں رہا تھا۔(21)

لہٰذا نتیجہ جنگ کی صورت میں نکلا انگریزوں کو پھر کسی غدار کی ضرورت محسوس ہوئی جو انھیں میر قاسم کی صورت میں با آسانی حاصل ہو گیا۔اس طرح تاریخ نے پھر اپنے آپکو دہرایا میر جعفر کو میر قاسم کی غداری کی بناء پر شکست ہوئی اور میر قاسم کو بنگال کی حکومت بطور انعام ہاتھ آئی۔ ''میر قاسم 20اکتوبر1860 کو گدی پر بیٹھا'' (22)۔میر قاسم اگرچہ انگریزوں سے بنا کر رکھنا چاہتا تھا کیونکہ اُسکی حکومت کا قیام انگریزوں کی خوشنودی پر ہی منحصر تھا۔لیکن میر قاسم خود کو حقیر سمجھ کر تعلقات قائم رکھنے کا قائل نہ تھا۔ چنانچہ حالات پھر کشیدہ ہو گئے اور 15 دسمبر 1764ء میں فریقین کے مابین بکسر کے مقام پر جنگ ہوئی شجاع الدولہ کو اس کی بڑی فوج کے ساتھ شکست ہوئی میر قاسم نے فرار ہو کر اپنی جان بچائی مغل شہنشاہ کمپنی سے جا ملا اور اس طرح میر قاسم اقتدار سے محروم ہو گیا(23)۔شجاع الدولہ ناکام رہا اس کی تمام مملکت انگریزوں کے قبضے میں چلی گئی۔ شجاع الدولہ نے صلح پر آمادگی کا اظہار کیا۔شجاع الدولہ نے مندرجہ ذیل شرائط پر صلح کی آمادگی ظاہر کی۔

(1)	''شجاع الدولہ انگریزوں کو پچاس لاکھ روپیہ بطور تاوان جنگ اس طرح ادا کرے کہ نصف رقم پیشگی اور نصف بذریعہ اقساط نیز الہ آباد کا صوبہ شہنشاہ کے ذاتی اخراجات کے لئے علیحدہ کر دیا جائے۔
(2)	انگریز سپاہیوں کا ایک دستہ شہنشاہ کی حفاظت کے لئے الہ آباد میں رہے گا اور ایک انگریزی وکیل شجاع الدولہ کے دربار میں رہے گا۔
(3)	اس عہدنامہ کے بعد فریقین کے دوست دشمن مشترکہ ہوں گے اس طرح شجاع الدولہ اور انگریزوں کی جنگ کا خاتمہ ہو'' (24)۔

بنگال میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرز عمل سے خوفزدہ ہوتے ہوئے کمپنی کی مجلس نظامت (لندن) رابرٹ کلائیو کو نظم و نسق کے پورے اختیار دے کر بنگال کا گورنر مقرر کیا

وہ 3 مئی 1765ء کو کلکتہ پہنچا۔(25) بکسر کی لڑائی میں نواب وزیر اور شاہ عالم انگریزوں سے شکست کھا چکے تھے لیکن کلائیو کو یہ اندیشہ تھا کہ نواب، وزیر اور مرہٹے شاہ عالم کو ساتھ ملا کر بنگال پر حملہ کردیں گے۔ چنانچہ اس خطرے کے پیش نظر رابرٹ کلائیو اور دہلی دہلی کے بادشاہ شاہ عالم کے ساتھ ایک معاہدہ کیا۔ جس کے تحت انگریزوں کو بہار، بنگال اور اڑیسہ میں ٹیکس وغیرہ کی اجازت مل گئی۔ اور انگریزوں نے حاکم بنگال کو 53 لاکھ روپے سالانہ انتظامی امداد کے اخراجات کے طور پر ادا کرنا قبول کیا۔ اب بنگال میں عملی طور پر ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت قائم ہوگئی(26)۔ کمپنی کو چونکہ کمپنی چلانے کا تجربہ نہیں تھا اس لئے برطانوی حکومت نے وارن ہیسٹنگز (1772 - 1785) گورنر جنرل بن کر ہندوستان آیا۔ وارن ہیسٹنگز کا عہد کمپنی کی تاریخ میں بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے اس کے عہد میں ایک ایسا وقت بھی آیا جب یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ ہندوستان کا پہلا اور آخری گورنر جنرل ہوگا واران نے اپنے عہد میں کمپنی کی مقبوضات میں کوئی اضافہ نہ کر سکا لیکن اس نے ہندوستان کی ان قوتوں کو منتشر اور کمزور کردیا جن سے انگریزوں کو خطرہ تھا۔(27)

بہرحال سولہویں صدی عیسوی کے آغاز میں یورپین اقوام نے ہندوستان میں تجارتی روابط قائم کرنے اور اس بہانے سے یہاں پر وسائل پر قبضہ کرنے کی جدوجہد شروع کردی تھی۔ انگریزوں، فرانسیسیوں، ولندیزیوں اور پرتگیزیوں نے حریفوں کی صورت میں تقریباً ڈیڑھ سو سال یہاں ایک دوسرے پر برتری حاصل کرنے کی کوشش جاری رکھیں(28) اور اس جنگ میں آخرکار انگریز غالب آئے اور ہندوستان میں اپنی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہوئے ہندوستان پر قبضہ کرنے کے بعد روسی خطرے کے پیش نظر اپنی ہندوستانی مقبوضات کو بچانے کی خاطر انگریزوں نے افغانستان، سندھ اور بلوچستان پر قبضہ کرنا ضروری خیال کیا۔

افغانستان پر انگریزوں کا قبضہ

افغانستان میں انگریزی قبضے سے بیشتر افغانستان کی سیاسی صورتحال کچھ یوں تھی کہ شاہ افغان یا حاکم افغان احمد شاہ ابدالی 1747ء میں افغانستان میں برسراقتدار آیا۔(29) احمد شاہ ابدالی 1773ء میں جب فوت ہوا۔ تو اس نے اپنا جانشین تیمور کو نامزد کیا تھا۔ لیکن وزیراعظم شاہ ولی خان نے قندھار میں اپنے داماد سلیمان کی بادشاہت کا اعلان کر دیا مگر تیمور فتح یاب ہو کر قندھار میں داخل ہوا اور تخت پر قبضہ کر لیا۔ قندھار کے عوام نے سلیمان کی تخت نشینی کی حمایت کی اس باغیانہ رویے کی وجہ سے تیمور نے دارالخلافہ قندھار سے کابل منتقل کر دیا(30)۔ تیمور خود سدوزئی تھا لیکن اس نے حکومت کے سلسلے میں اپنے قبیلے کے لوگوں پر اعتماد نہ تھا اس نے اپنے ذاتی محافظ اسحاق زیوں میں سے منتخب کیئے اور بارہ ہزار ایرانی قزلباشوں پر مشتمل ایک نیا رسالہ تیار کیا۔ اس پالیسی کے تحت اگرچہ تیمور کو کچھ اطمینان حاصل ہوا لیکن مجموعی لحاظ سے وہ متعدد الجھنوں میں گرفتار ہوا(31)۔ الغرض تیمور کی پالیسی ناکام رہی اسکے باپ کی قائم کردہ سلطنت زوال پذیر ہوگئی تیمور شاہ نے 18 مئی 1793ء میں وفات پائی اس کے لاتعداد بیٹے اور بیٹیاں تھی اور مرنے کے بعد زمان خان نے تخت پر قبضہ کر لیا پھر یکے بعد دیگرے اس کے بھائی تخت پر بیٹھے جو اگلے پچیس 25 سال تک باہمی سازشوں اور لڑائیوں میں مصروف رہے۔ اس سارے وقت کی پشتونوں کی تاریخ حقیقت میں شاہی خاندانوں کی سازشوں اور تخت نشینی کے لئے لڑائی جھگڑوں کی تاریخ ہے یہ زمانہ افغانستان کیلئے طوائف الملکو کی کا زمانہ رہا اور اس بدنظمی کا زمانہ کا فائدہ صرف سکھوں کو ہی نہیں پہنچا بلکہ بلاواسطہ انگریز بھی اس سے مستفید ہوئے ان کی ان خانہ جنگیوں کی وجہ سے غیر ملکی غالب آگئے۔ (32) زمان شاہ کے بعد سات سال تک اسکے بھائیوں میں اقتدار کی جنگ ہوتی رہی

آخر کار 1800ء میں محمود نے شاہ زمان کو شکست دے کر اس کی آنکھیں نکلوا دیں تین سال بعد 1803ء میں شجاع نے محمود کو نکال کر خود بادشاہ بن بیٹھا اور بعد ازاں 1809ء میں محمود نے شاہ شجاع کو نکال کر خود تخت پر قابض ہو گیا (33)۔ ’’جس طرح میر جعفر نے انگریزوں کو بنگال فتح کرنے کی راہ دکھا دی۔ بالکل اسی طرح شاہ شجاع نے انگریزوں کو افغانستان اور بلوچستان کی راہ دکھائی۔‘‘ (34) اگرچہ شاہ شجاع کا براہ راست بلوچستان سے کوئی تعلق نہیں تھا لیکن اسکی ذات اور اس کی حرکات بلوچستان کے حالات پر انتہائی حد تک اثر انداز ہوئے۔

شاہ شجاع کو جب محمود نے شکست دی اور افغانستان سے نکال باہر کیا تو وہ اپنی بیوی بچوں کو لے کر لاہور کی طرف فرار ہو گیا اور وہاں رنجیت سنگھ سے پناہ طلب کی۔ پنجاب میں اس کے داخل ہونے کا مقصد یہ تھا کہ رنجیت سنگھ یا انگریزوں س مدد لے کر کابل پر چڑھائی کرے۔ رنجیت سنگھ کی ملاقات شاہ شجاع سے ساہیوال میں ہوئی رنجیت سنگھ شاہ شجاع کو اپنی باتوں سے خوش کرنا چاہا لیکن شاہ شجاع کو اس کی باتوں سے بے اعتباری سی ہو گئی (35)۔ بہر حال شجاع کو قابو میں لانے سے رنجیت سنگھ کا جو مقصد تھا اس نے وہ پوری طرح سے کامیاب نہ ہو سکا البتہ ’’کوہ نور‘‘ اس کے ہاتھ میں آ گیا۔ کوہ نور کی حصول کے لئے رنجیت سنگھ نے بڑا شرمناک طریقہ اختیار کیا اس نے شاہ شجاع کو قید کر کے بھوکا، پیاسا رکھا اور ایسا مجبور کیا کہ اس کے باپ دادا کے سلطنت اور شان و شوکت کی یہ آخری نشانی بھی لے لیا۔ 1814ء میں شاہ شجاع کی بیوی رنجیت سنگھ کی نظر بندی سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہوئی اور کہا جاتا ہے کہ وہ لاہور سے لدھیانے گئی اور انگریزوں کے پاس پناہ گزین ہو گئی۔ چند ماہ بعد شاہ شجاع بھی رنجیت سنگھ کی قید سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہو گیا۔ شاہ شجاع جب لاہور سے نکلا تو اس نے کشمیر پر قبضہ کرنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوا۔ اس ناکامی کے بعد 1816ء میں لدھیانہ چلا گیا اور انگریزوں کے ایک وظیفہ خور کی حیثیت سے لدھیانے میں رہا۔ (36)

انگریزوں نے افغانستان سے روس کو دور رکھنے کے لئے شاہ شجاع کی حمایت میں بلوچستان کے راستے افغانستان پر حملہ کردیا۔ قندھار کابل اور غزنی کے علاقے فتح کر کے شاہ شجاع کے حوالے کردیئے اور بقدر ضرورت اپنی فوج بھی افغانستان میں چھوڑ دی اس طرح افغانستان بھی گویا انگریزوں کی نو آبادی اور روس سے محفوظ رہنے کا وسیلہ بن گیا یہ کاروائی 1839ء میں مکمل ہوئی (37)۔

ایران کے ساتھ معاہدات فتح علی شاہ قاچار۔ 1797 تا 1835

صفویوں کی حکومت کے خاتمے کے ساتھ ہی ایران میں سیاسی افراتفری اور انارکیت کا دور دورہ ہوا۔ علاقائی اور نسلی عصبتوں کی بناء پر ایران خانہ جنگی کا شکار ہوا بعدازاں نادرشاہ افشار نے مختصر عرصہ کے لئے نہ صرف ایران کو متحد کیا۔ بلکہ ''وہ ایشیاء کا آخری بڑا فاتح تھا کہ جس نے اپنے نام کا خطبہ بغداد سے دہلی تک پڑھوایا'' (38)۔ لیکن جب 1747ء میں نادرشاہ قتل ہوا تو ایران ایک بار پھر طوائف الملوکی کا شکار ہوا۔ ایران کے شمالی اور شمال مشرقی علاقے یعنی خراسان اور کچھ حصہ سیستان پر افغانوں نے قبضہ کرلیا باقی ماندہ ایران ژند اور قاچار قبائل کے درمیان خانہ جنگی اور تخت ایران کے حصول کے لئے جنگ چھڑ گئی۔ ول کریم خان ژند 1750ء تا 1779ء تک اقتدار پر قبضے کئے رکھا اور ایران کے بیشتر حصے کو متحد کیا۔ لیکن بعد میں قاچاریوں نے ژند اقتدار کا خاتمہ کیا۔ اور ایران پر قبضہ کر کے آغا محمد خان قاچار نے روسیوں کو شکست دیدی اور اپنی ریاست کو مستحکم کرانا شروع کیا۔ آغا محمد قاچار 1794ء سے 1797ء تک اقتدار میں رہا۔ (39) اسکی وفات کے بعد اسکا بھتیجا فتح علی شاہ 1797ء میں برسر اقتدار آیا۔ فتح علی شاہ آغا محمد کے حقیقی بھائی حسین قلی خان کا لڑکا تھا اگرچہ آغا محمد نے اس کو اپنا جانشین زندگی ہی میں نامزد کر دیا تھا لیکن ان کے وفات کے ساتھ ہی ایران میں فساد کا سیلاب ایک دفعہ پھر امڈ لایا۔

آغا محمد کو دفن نہیں کیا گیا تھا کہ فوج انتشار کا شکار ہوئی لیکن اس وقت حاجی ابراہیم جسے اکثر ''بادشاہ گر'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ نے اس موقع پر اپنا اثر رسوخ استعمال کیا اور کافی فوج اکھٹی کی اور تہران کے شہر پر قبضہ کرلیا۔ فتح علی شاہ چچا کی وفات کے وقت فارس کا گورنر تھا وہ جب تہران پہنچا تو حاجی ابراہیم کی مدد سے اس کے سر پر تاج رکھ کر بادشاہی کا اعلان کر دیا گیا۔ 1800ء انگریز نپولین بونا پارٹ کی بڑھتی ہوئی طاقت سے خائف نہ تھے انھیں یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ نپولین کو ٹیپو سلطان اور زمان شاہ نے ہندوستان پر حملے کی دعوت دی ہے اس بناء پر انگریز خلیج فارس اور ایران میں اپنا اثر رسوخ بڑھانا چاہتے تھے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے میلکم نے حاجی ابراہیم ''بادشاہ گر'' کو اپنا ہمنوا بنالیا اور افغانستان کے حملے کی صورت میں انگریز ایران کی پوری مدد کریں اس امداد کا یقین دلا کر میلکم نے بہت سی تجارتی مراعات حاصل کرلیں کہ انگریز لوہا، فولاد وغیرہ وغیرہ کسی محصول کے ایران میں درآمد کر سکتے ہیں اس طرح مالکم کا یہ پہلا مشن کامیاب رہا(40)۔

فرانسیسی معاہدے

1802-1804ء فرانسیسیوں نے شام پر قبضہ کرنے کے بعد اپنا اثر رسوخ بڑھانے کے لئے اپنی سفارتیں مغربی ایشیا بھیجیں ان سفارتوں میں سے ایک سفارت ایران کے لئے بھی روانہ کی گئی پہلے پہل تو شاہ نے اس سفارت کو کوئی خاص اہمیت نہ دی لیکن 1804ء میں فرانسیسیوں نے ایرانیوں کے ساتھ روس کے خلاف اتحاد کی پیشکش کی کیونکہ روسیوں نے گرجستان پر قبضہ کرلیا تھا۔ 1806ء میں ایک فرانسیسی سفیر ہو برٹ تہران حاضر ہوا اس نے نپولین کی طرف سے یہ پیشکش کی کہ ایران اور فرانسیسی مل کر روسیوں سے گرجستان کا صوبہ واپس لے لیں اور اسی طرح ہندوستان کی طرف بھی

انگریزوں کو آگے بڑھنے سے روکیں (41)۔لیکن اس وقت شاہ نے اس معاہدے کی طرف خاص توجہ نہ دی کیونکہ شاید اسوقت وہ انگریزوں کے زیر اثر آچکا تھا لیکن انگریزوں سے جب شاہ کو مدد نہیں ملی تو 1807ء میں فرانسیسی جرنل نپولین بونا پارٹ نے شہنشاہ ایران سے ایک معاہدہ کر لیا جس کی رو سے شہنشاہ ایران اس بات کا پابند ہوا کہ وہ فرانسیسی افواج کو ہندوستان جانے کا راستہ اور کمک فراہم کرے گا۔(42) انگریزوں نے ہندوستان پر فرانسیسی حملے کی بو پا کر 1809ء اور 1810ء میں شہنشاہ ایران کے دربار میں اپنے سفیر بھیجے جنہوں نے شاہ ایران کو سبز باغ دکھا کر اپنے حق میں رام کر لیا۔(43)

1814ء کا معاہدہ :-

یہ معاہدہ انگریزوں اور ایران کے درمیان ہوا۔ جو کہ روس کے خلاف تھا۔ اس معاہدے کی رو سے انگریز نے خلیج فارس کے ساتھ متصل ایرانی ساحل میں اپنے اڈوں کو مضبوط کیا۔ اس معاہدے کے سلسلے میں مسٹر ایلیز اور مسور 25 نومبر 1814ء کو ایران پہنچے گفت وشنید کے بعد ایک معاہدہ طے پایا جس کی شرائط حسب ذیل تھی۔

۱	"کوئی یورپی قوم انگریزوں کے علاوہ ایران میں داخل نہ ہوگی۔
۲	خوارزم۔ تاتارستان، بخارا، سمرقند کے حاکم کسی دوسری قوم کو ہندوستان پر حملہ کرنے کی غرض سے گزرنے نہیں دیں گے۔
۳	ایران پر حملہ کی صورت میں برطانیہ ایران کی مدد کرے گا۔
۴	دو لاکھ کی رقم اس مشترکہ دفاع پر برطانوی وزیر کی معرفت خرچ ہوگی۔
۵	خانہ جنگی کی صورت میں انگریز اور افغان ایران میں دخل نہیں دیں گے۔
۶	اگر افغانستان برطانیہ کے خلاف فوج کشی کی تو ایران کو افغانستان پر حملہ کرنا لازم ہوگا"(44)۔

چنانچہ انگریزوں اور شاہ ایران کے درمیان یہ معاہدہ طے پا گیا کہ وہ کسی حملہ

آور کو ہندوستان کی طرف جانے کا راستہ نہیں دے گا اور ایران میں انگریزوں کا اثر رسوخ بڑھ گیا خاص کر فوج میں تو ان ہی کا حکم چلتا تھا اس معاہدے سے انگریزوں کو دوسری قوموں کے مقابلے میں ایران میں بھی فوقیت حاصل ہو گئی۔" پھر 1820ء میں انگریزوں نے عمان کے شیخ پر امن کے معاہدہ مسلط کیا جس کی رو سے انگریز بحری افواج نے خلیج فارس کے پانیوں میں نظم و نسق برقرار رکھنے کا حق حاصل کرلیا۔ بعد میں بحرین کا شیخ بھی اس معاہدے میں شامل ہوگیا جس کے نتیجے میں انگریزوں کے لئے یہ ممکن ہوگیا کہ وہ بحرین کے جزائر کو اپنے حفاظتی حصار میں لائے اور اس انہوں نے خلیج فارس اور بلکہ بحیرہ عرب تک اپنا تسلط برقرار رکھا۔ (45)

پنجاب پر انگریزوں کا قبضہ

برطانوی حکومت ہندوستان پر فرانسیسیوں کی طرف سے نام نہاد حملے کے سدباب کا سہارا ڈھونڈتی رہی اسکے ساتھ فرانس اور ایران کے اتحاد کے خلاف کام کرتی رہی تھی اور اسکی ہوس گیر اس قدر بڑھی کہ اس نے افغانستان اور پنجاب پر قبضہ کرنے کی تیاریاں شروع کر دی۔ اورنگ زیب کی وفات سے مہاراجا رنجیت سنگھ کی تخت نشینی تک پنجابیوں کو ایک نہایت ہی پُر آشوب دور کا سامنا کرنا پڑا دہلی کی مرکزی حکومت کمزور ہو چکی تھی ہندوستان کے بہت سے صوبے اس سے کٹ رہے تھے پنجاب کے لئے ایسا کرنا آسان تھا لیکن پنجاب کی مقامی حکومت کو اجنبی حملہ آوروں نے مضبوط اور مستحکم ہونے نہ دیا دہلی کی مرکزی حکومت کو اتنی قوت اور صلاحیت نہ تھی کہ وہ پنجاب کو ان غیر ملکی حملہ آوروں سے بچا سکتی۔ ان حملہ آوروں نے ایک طرف مغل بادشاہ کی کمزوری اور بے بسی کو نمایاں کر دیا اور وہاں انہوں نے پنجاب کے نظم و نسق کو تہہ وبالا کر دیا افغانوں کا یہ دعویٰ ہوتا تھا کہ پنجاب پر ان کا تسلط ہے دہلی کی مرکزی حکومت پنجاب کے معاملات میں دخل دینے سے

باز نہیں رہ سکتی چنانچہ افغانوں نے پنجاب پر اپنا تسلط جمانے کے لئے کئی بار حملے کیے۔

احمد شاہ ابدالی نے دہلی کے تخت پر قبضہ کرنے کا کبھی ارادہ ہی نہیں کیا ہندوستان میں اس کی دلچسپی محض پنجاب تک محدود تھی اس نے 1752ء میں پنجاب کو اپنے سلطنت میں شامل کر دیا بعدازاں 1757ء میں اس نے شہزادہ تیمور کو لاہور میں اپنا نائب السلطنت بنایا لیکن شہزادہ سال بھر سے زیادہ اس ملک میں نہ ٹھہر سکا۔ 1761ء میں پانی پت کی لڑائی کے بعد جب 1762ء میں گھالوکھارا کا واقعہ ہوا تو احمد شاہ نے سرہند اور لاہور میں اپنے صوبیدار مقرر کیے 1764ء میں سرہند کے افغان گورنر کو سکھوں نے شکست دے کر ستلج کے جنوبی علاقے پر قبضہ کر لیا (46)۔ درحقیقت احمد شاہ ابدالی نے پنجاب پر کل آٹھ (۸) حملے کیے آخری حملہ 1767ء پر ہوا تھا اس حملے میں احمد شاہ ابدالی کو شکست ہوئی اور نتیجتاً پنجاب اس کے قبضے سے نکل گیا۔ احمد شاہ ابدالی کے حملوں نے پنجاب کی معاشی اور سماجی زندگی کو جس حد تک درہم برہم کر دیا تھا اس کا اندازہ پنجابیوں کی اس کہاوت سے لگایا جا سکتا ہے کہ "کھادا پیتا لاہے دا، تے باقی احمد شاہ دا" ان حملوں کے باوجود احمد شاہ ابدالی پنجاب پر نہ تو پورے طور سے مسلط ہو سکا اور نہ ہی اسے امن کے قیام میں کامیابی ہوئی (47)۔ بہرحال افغانوں کے بعد اقتدار پر سکھوں نے قبضہ کر لیا۔

رنجیت سنگھ کا عہد:۔

مہان سنگھ نے جموں کو لوٹ کر بہت سی دولت جمع کر لی تھی وہ گجرات میں صاحب سنگھ کے ساتھ برسرِ پیکار رہا بعدازاں بیمار پڑ جانے پر اسے گوجرانوالہ جانا پڑا کچھ ہی دنوں میں بیماری سے مہان سنگھ کی وفات ہوگئی اور اس طرح رنجیت سنگھ اپنے باپ کی ریاست کا وارث بنا۔ (48)۔ "رنجیت سنگھ گوجرانوالہ میں 1780ء کو پیدا ہوا" (49)۔ 1799ء میں لاہور کے بعض ممتاز شہریوں کی درخواست پر وہ اپنی فوج سمیت

لاہور کی طرف بڑھا جب رنجیت سنگھ کی فوج لاہور شہر میں داخل ہوئی تو اس کے حکم پر اسکی فوج کے سپاہیوں نے کسی شہری کے مال واسباب کو نہیں لوٹا۔ رنجیت سنگھ نے اگرچہ لاہور پر قبضہ کرلیا لیکن پنجاب کا بیشتر حصّہ فوجی سرداروں میں بٹا ہوا تھا مقصور میں نظام الدین، امرت سر میں گلاب سنگھ، ملتان میں مظفر خان، جھنگ میں احمد خان سیال، کانگڑا میں سنسار چند چمبہ چڑیت سنگھ، ہوشیار پور میں رکپور تھلہ تک میں فتح سنگھ کی فوجی ریاستیں قائم تھیں۔" 1800ء میں جسا سنگھ، رام گڑھیا، گلاب سنگھ، صاحب سنگھ، (گجرات) جودھ سنگھ (وزیرآباد) اور نظام الدین نے مل کر لاہور پر حملہ کیا۔رنجیب سنگھ نے اتحادی سرداروں کو لاہور سے چند میل دور شکست دی(50)۔ 1801ء میں اس نے مہاراجا کا خطاب اختیار کر کے لاہور میں اپنے نام کا سکہ جاری کیا۔(51)

رنجیت سنگھ نے1806ء میں امرتسر پر حملہ کیا اور اسے اپنی حکومت میں شامل کر دیا(52)۔

اسی عرصے میں ہندوستان کی انگریزی حکومت کو نپولین بونا پارٹ کی فتوحات سے یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ شہنشاہ فرانس و سلطان ترکی، شاہ فارس، یہ تینوں طاقتیں ہندوستان کے برخلاف سازشیں کررہی ہیں۔ پس اسی سازش کو روکنے کیلئے مسٹر میٹکاف صاحب رنجیت سنگھ کے پاس پنجاب پہنچ گئے۔ یہ ملاقات قصور میں ہوئی۔(53)

1808ء میں برطانوی ہند کے عہدیداروں میٹکاف اور رنجیت سنگھ کے درمیان معاہدہ ہوا۔ کہ وہ دریائے ستلج کے کنارے سے آگے نہ بڑھے اور اپنے مقبوضات کو ستلج سے آگے نہ بڑھائے چنانچہ 25 اپریل 1809ء کو رنجیت سنگھ اور انگریزوں میں ایک تحریری معاہدہ ہوگیا کہ ستلج برطانوی اور سکھوں کی حکومتوں کے درمیان حد فاصل ہوگا(54)۔

رنجیت سنگھ کی پالیسی انگریزوں کے ساتھ بڑی دوستانہ تھی۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے تقریباً30 سال تک اس معاہدے کی پابندی کی۔ 1839ء میں رنجیت سنگھ فوت ہوا وہ پورے ہندوستان میں ایک ایسی ریاست کا واحد حکمران تھا جسکی افواج برابری کی سطح پر

انگریزوں کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت رکھتی تھیں کہا جاتا ہے کہ اس کے باقاعدہ فوجیوں کی تعداد 75,000 ہزار تھی بوقت ضرورت طلب کئے جانے والے دستے ان کے علاوہ تھے (55)۔ مگر رنجیت سنگھ کی موت کے ساتھ ہی سکھوں کی حکومت ڈانوا ڈول ہوگئی رنجیت سنگھ کے بعد ان کا بیٹا کھڑک سنگھ 18 اکتوبر 1839 کو تخت پر بیٹھا اس نے بمشکل ایک سال حکومت کی تھی کہ اس کی وفات ہوگئی جس کے بعد راجا گلاب سنگھ اور سرداران سندھ انوالیہ متوفی کی ماں اور کھڑک سنگھ کی بیوہ رانی چندر کو تخت پر بٹھانا چاہتے تھے (56)۔ اس طرح اقتدار کی جنگ نے سکھوں کی مرکزی حکومت کو کمزور کر دیا اور پھر ایسا زوال شروع ہوا جس نے انگریزوں کو پنجاب پر حملے کا سنہری مواقعہ فراہم کیا تاہم 1945ء میں سکھوں نے 60 ہزار فوج کے ساتھ چالیس ہزار مسلح انگریز افواج کا ڈٹ کر مقابلہ کیا بہر حال 1846ء میں انگریز سکھوں کو شکست دینے میں کامیاب ہو گئے مگر اس شکست کے بعد معاہدوں اور جنگوں کا ایک طویل سلسلہ چلتا رہا اور بالآخر مارچ 1849ء میں پنجاب پر مکمل طور پر انگریزوں کی حکومت قائم ہوگئی (57)۔

سندھ پر انگریزوں کا قبضہ

سندھ اس سرزمین کا نام ہے جو پنجاب کے جنوب میں دریائے سندھ کے دونوں اطراف ساحل سمندر تک پھیلی ہوئی ہے دریائے سندھ کے حامل نام صوبہ سندھ کی ذرخیزی کا سب سے بڑا سبب ہے اس دریا کے مشرق ومغرب میں ایک وسیع ریگستان واقع ہے سیاسی طور پر سندھ کا علاقہ، ایرانیوں، عربوں افغانوں اور مغلوں کا صدیوں زیر اثر رہا ہے۔ اٹھارھویں صدی کے آخر میں سندھ بلوچوں کے قبضے میں تھا۔ برطانیہ اور سندھ کے تجارتی تعلقات کی ابتدا 1613ء میں ہوئی لیکن کچھ ناگزیر وجوہ کی بناء پر 1809ء تک سندھ اور برطانیہ تقریباً دو سو سال تک ایک دوسرے سے دور رہے (58)۔

لیکن مدتوں سے انگریزوں کی نگاہیں دریائے سندھ پر لگی ہوئی تھیں'' چنانچہ 1809ء میں امیران سندھ اور برطانیہ کے درمیان ایک معاہدہ ہوا جسکی شرائط یہ تھیں۔

1۔ سندھ اور برطانیہ کے درمیان میں ابدی رفاقت قائم رہے گی۔

2۔ دونوں ملکوں کے درمیان کبھی جذبہ عناد پیدا نہیں ہوگا۔

3۔ دونوں حکومتوں میں تعاون بدستور جاری رہے گا۔

4۔ حکومت سندھ فرانسیسیوں کو سندھ میں داخل نہیں ہونے دے گی'' (59)۔

اور پھر معاہدوں پر معاہدے ہوتے چلے گئے اور ان معاہدوں میں تالپوروں کی حیثیت کمزور تر ہوتی گئی ۔ سندھ متعدد ریاستوں کا مجموعہ تھا جن میں خیر پور، میر پور، حیدرآباد کی ریاستیں شامل تھیں اور مجموعی انتظامی صورتحال انحطاط کا شکار تھی'' ملک کے بیشتر لوگ ان اہل اختیار سے بیزار بلکہ ان کے درپے آزاد تھے۔ سندھ ابھی تک اہل یورپ کے لئے ایک خطہ نامعلوم تھا حتی کہ 1831ء میں برنز نے اس کا مشاہدہ ومعائنہ کیا'' (60)۔

کہا جاتا ہے جب برنز دریائے سندھ پر سے کشتی میں گزر رہا تھا۔ تو ایک سید کی نظر اس پر پڑی اس نے مضطرب ہوکر کہا'' سندھ کی آزادی ختم ہوگئی انگریزوں نے دریائے سندھ کا راستہ معلوم کر لیا (61)۔

1831ء میں رنجیت سنگھ نے تقسیم سندھ کی ایک تجویز ولیم بنٹگ کو پیش کی جس نے اس تجویز پر غور کرنا اپنی توہین خیال کیا۔ 1834ء میں رنجیت سنگھ کو از سرنو تسخیر سندھ کا خیال پیدا ہوا لیکن حکومت برطانیہ کو سندھ کی پشت پناہی پر دیکھتے ہوئے رنجیت سنگھ اپنے ارادوں کو عملی شکل نہ دے سکا (62)۔ انگریزوں نے اس موقع پر فائدہ اٹھاتے ہوئے 1834ء میں حکومت برطانیہ اور سندھ میں ایک اور نیا معاہدہ ہوا جس کی رو سے ''ہندوستان'' کے تاجروں کو دریائے سندھ سے گزرنے کی اجازت حاصل ہوگئی اور 1838ء کو حکومت برطانیہ نے حیدرآباد میں ایک برطانوی ریزیڈنٹ مقرر کر دیا۔ (63)

سندھ حکومت پر قبضے کی چند وجوہات تھیں جو درجہ ذیل ہیں۔

1	سندھ کی دولت اور شہرت برطانوی کانوں تک پہنچ چکی تھی سر چارلس لکھتا ہے" کہ صدیوں کی تعلیم وتربیت بھی انگریزوں کی رہزنانہ فطرت کو نہیں بدل سکی۔ ہندوستان میں جب کوئی انگریز کسی دولت مند یا کسی عالی شان عمارت کو دیکھتا تو اسے پانے کی تمنا اس کے دل میں جاگ اٹھتی۔
2	شمالی مغربی سرحد کا استحکام۔
3	فرانسیسی حملے کا خطرہ۔
4	افغانستان کی جنگوں کا انتقام لینے کے لئے امیران سندھ پر حملہ کر دیا گیا اور برطانوی مصنوعات کے لئے ایک نئی منڈی کی تلاش اور برطانوی کارخانوں کے لئے ارزاں کپاس کی ضرورت نے سندھ کی آزادی کو چھین لیا(64)۔

بعد میں اس سید کی پیشن گوئی درست ثابت ہوئی اور ستمبر 1844ء میں سر چارلس نیپئر کو سندھ کی تسخیر کے لئے بھیجا گیا۔ سر چارلس ایک جنگجو افسر تھا اس نے حاکم سندھ کو مجبور کر دیا کہ وہ ایک ایسا معاہدہ قبول کرلیں جس کی رو سے۔

1	برطانوی امدادی فوج کے آخراجات آئندہ بجائے تین لاکھ روپیہ سالانہ کے حاکم سندھ کو اپنی مملکت کا ایک حصہ برطانیہ کے حوالے کرنا پڑا۔
2	حاکم سندھ کو برطانوی جہازوں کے لئے ایندھن فراہم کرنا تھا۔
3	حاکم سندھ کو اپنے نام کا سکہ بند کرنا تھا(65)۔

اس آخری شرط نے حاکم سندھ کو مشکل میں ڈال دیا اور چارلس اعلان جنگ کئے بغیر امام گڑھ روانہ ہوا۔ لہذا17 فروری 1841ء کو سر چارلس نیپر نے میانی کے مقام پر سندھی فوجوں کو شکست دی حیدر آباد پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا اور کچھ ہی دنوں بعد خیر پور پر بھی قبضہ کرلیا(66)۔

اور بعد ازاں جون 1843ء میں سندھ پر مکمل طور پر انگریزوں نے قبضہ کرلیا۔ اور 1847ء میں سندھ کو احاطہ بمبئی میں شامل کر کے اسے کمشنر کے ماتحت کردیا گیا۔ (67)

بلوچستان پر انگریزوں کا قبضہ
اور خوانین قلات کے ساتھ ان کے معاہدات

بلوچستان کے گردوپیش پر انگریزوں کی گرفت جوں جوں مضبوط ہوتی گئی تو انہیں اپنی نوآبادیات کو محفوظ رکھنے کے لئے اتنی ہی شدت سے بلوچستان پر قبضہ کرنے کا جنون سوار ہوا گوکہ بلوچستان معاشی لحاظ سے ہندوستان کا ہم پلہ نہیں تھا لیکن عسکری بنیادوں پر بلوچستان کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا لہذا اس اہمیت کے پیش نظر انگریز بلوچستان کے سمندر کو تجارتی مقاصد کے لئے استعمال کرنا چاہتے تھے تا کہ وہ پورے ایشیاء کی سیاست ومعیشت پر قابض ہوسکیں اس کے علاوہ انہیں زار روس کے بڑھتے ہوئے اثرات کو بھی روکنا تھا۔

لہذا افغانستان اور بلوچستان پر قبضے کی غرض سے بلوچستان میں انگیزوں نے پہلے پہل اپنے جاسوس بھیج دیئے جو سوداگروں اور سیاحوں کے روپ میں بلوچستان کے قبائلی، سیاسی، سماجی اور معاشی حالات کا جائزہ لینے آئے۔ ''1809-10 میں پہلا انگریز سیاح ہنری پوٹنگر Henery Pottinger جاسوسی کی غرض سے بلوچستان میں وارد ہوا'' (68)۔

بلوچستان میں انگریزوں کی عملی مداخلت کا آغاز 1839ء میں قلات پر جارحانہ حملے سے ہوا ان دنوں بلوچستان میں خان محراب خان کی حکومت تھی جو 1816ء میں میر محمود خان کے بعد تخت نشین ہوئے تھے (69)۔ خان محراب خان بلوچوں کی تاریخ کا ایک ایسا کردار ہے اگر برطانوی نوآبادیاتی سامراجی دور کی جدوجہد آزادی کی تاریخی حوالے سے آزادی کے لئے لڑی جانے والے جنگوں کا مطالعہ کیا جائے تو خان محراب خان جنوب مغربی ایشیا کے ایک عظیم وطن پرست آزادی پسند اور وطن اور اسکی آزادی کی

حرمت کے پاسبان اور جان نثار نظر آتے ہیں۔

اس دور میں جبکہ برصغیر میں برطانوی استعمار ایسٹ انڈیا کمپنی کی صورت میں اپنی گرفت مکمل کر چکا تو اس کا رخ شمال مغرب کی جانب ہو گیا تھا تا کہ افغانستان پر قابض ہو جانے کے بعد آگے بڑھنے کا اہتمام ہو سکے۔

''انہی دونوں میں شاہ شجاع نے تخت کابل حاصل کرنے کے سلسلے میں ایک اور کوشش کرتے ہوئے قندھار پر لشکر کشی کی لیکن امیر دوست محمد سے شکست کھا کر قلات پہنچا اور میر محراب خان سے پناہ کا طالب ہوا میر محراب خان نے بلوچی روایت کو مدنظر رکھ کر اس کو پناہ دی'' (70)۔

خان محراب خان اگر چاہتا تو قلات اور کابل کے نئے حکمران کے حوالے کر سکتا تھا لیکن اس نے روایتی بلوچی ''باہوٹی'' کا احترام کرتے ہوئے امیر شجاع کو بحفاظت اپنی سرحدوں سے باہر پہنچا دیا (71)۔

پہلی اینگلو افغان جنگ 1838ء

1838ء میں شاہ شجاع نے انگریزوں سے گٹھ جوڑ کر کے ایک دفعہ پھر اپنا کھویا ہوا تخت حاصل کرنے کی کوشش کی اب انگریزوں نے شاہ شجاع کو بطور مہرے کے استعمال کر کے افغانستان پر قبضہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ چونکہ سندھ سے قندھار جانے کا راستہ خان قلات کے علاقہ میں سے گزرتا تھا اور درہ بولان میں آمدورفت کا سلسلہ محفوظ نہ تھا اس لئے انگریزوں نے خان قلات کے ساتھ گفتگو کو اپنے مشن کی کامیابی کے لئے ضروری سمجھا تا کہ خان کے تعاون سے درہ بولان کے تحفظ کا کوئی مناسب انتظام ہو سکے اس لئے انہوں نے خان محراب خان کے ساتھ ایک مضبوط اور مستقل معاہدہ طے کرنا ضروری خیال کیا اس غرض سے سرہنری پونگر جو انڈس آرمی کا سپہ سالار تھا نے شالکوٹ

سے لیفٹیننٹ لیچ کو اپنا نمائندہ بنا کر میر محراب خان کی خدمت میں روانہ کیا(72)۔

1838ء کو انگریز افسر لیچ خان محراب خان کے دربار میں گیا تا کہ بلوچستان میں جاسوسی کے علاوہ اس سے افغانستان کی جانب انگریز فوجوں کے گزرنے کی اجازت لے اور افواج اور انکے جانوروں کے لئے خوراک اور چارے کا بندوبست کرے مگر محراب خان نے اس معاہدے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا" (73)۔ "پھر سرالیگزینڈر برنز کو بھیجا گیا لہذا خان محراب خان اور انگریزی حکومت کے درمیان 28 مارچ 1839ء کو معاہدہ طے پایا اور اس معاہدے کے رو سے قلات کی حکومت اور سالمیت کی ضمانت دی گئی خان اس بات کا ذمہ دار قرار دیا گیا کہ وہ انگریزی فوج کو ڈیڑھ لاکھ روپے کے عوض (رسد اور بار برداری کا خرچ اس کے علاوہ تھا) بحفاظت پہنچائے اور اس کے لئے اشیاء خورد ونوش کا بھی اہتمام کرے(74)۔

چنانچہ انگریزی فوج 1839ء میں شاہ شجاع کو ساتھ لے کر جب درہ بولان سے گزرے تو بلوچ قبائل بالخصوص مریوں نے انگریزوں کو خاصا تنگ کیا جس سے انگریزوں کا کافی مالی اور جانی نقصان بھی ہوا۔(75) اس کی وجہ یہ تھی کہ بلوچ نہیں چاہتے تھے کہ ان کے علاقے میں انگریزوں کے قدم پڑیں اور کل وہ خود بھی ان کے محکوم ہو جائیں(76)۔

بہر حال انگریزی افواج شاہ شجاع کو اپنے ساتھ لئے کوئٹہ پہنچ گئیں(77)۔ جو اس وقت صرف ایک سرحدی چوکی تھی انگریزوں کو اس بات کا بڑا دکھ تھا کہ بلوچوں نے ان کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا اور ان کے خیال میں اس سلوک کا ذمہ دار خان آف قلات میر محراب خان ہیں۔ انہیں اس بات کی یقین دہانی خان ہی کے وزیروں ملا محمد حسن اور سید محمد شریف نے کرائی تھی کہ خان انگریزوں کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف ہیں۔ چنانچہ انگریزوں نے خان آف قلات کو اپنے پاس حاضر ہونے اور شاہ شجاع کا وفادار رہنے کی ہدایت کی۔ جسے محراب خان نے یکسر مسترد کر دیا(78)۔ جس کی وجہ سے انگریز فوجی

افسر بڑے جذباتی اور مشتعل ہوئے۔ نیز یہ کہ شاہ شجاع کے شرانگیز مشوروں اور قلاتی دربار کے چند غداروں کی جھوٹی اور مبالغہ آمیز رپورٹوں نے انگریزوں کی آتشیں جذبات پر تیل کا کام کیا اور یہ حقیقت بھی ناقابل تردید ہے کہ ہندوستانی مقبوضات اور افغانستان کے درمیانی علاقہ کو اپنے لئے محفوظ اور سازگار کرنا انگریزوں کی مصلحتوں کا اہم تقاضا تھا۔

''چنانچہ اس اصول مقصد کی خاطر میجر ولشائر کو لارڈ آک لینڈ گورنر جنرل ہند کی جانب سے قلات پر حملے کا حکم ملا۔(79) اس اثناء میں میر محراب خان کے وہم و گمان میں نہ تھا کہ انگریز اس پر لشکر کشی کریں گے اس لئے اس کی طرف سے مقابلہ کرنے کے لئے کسی تیاری کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ جب خان قلات وانگریزی فوج کی پیش قدمی کی اطلاع ملی تو اس نے قبائلی سرداروں کو مدد کے لئے پکارا لیکن سوائے چند ایک کے کوئی مدد کو نہ پہنچا۔ میجر جنرل ولشائر اپنی فوج لے کر کوئٹہ سے قلات روانہ ہوا اور خان محراب خان کو ہتھیار ڈالنے کا حکم ملا لیکن انہوں نے اس موقع پر جو جواب دیا وہ بلوچستان کی تاریخ کا ایک سنہرا باب ہے''۔

''گوکہ انگریز لندن اور تمام ہندوستان کا بادشاہ ہے اب اس نے کابل اور قندھار کو بھی فتح کرلیا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ جو غلبہ اور قوت انہیں حاصل ہے۔ اس کا مقابلہ ہم نہیں کرسکتے لیکن اس ملک سے فرار ہوکر ہم جائیں تو کہاں جائیں ہمارے آباؤ اجداد اسی سرزمین میں حکمرانی کرتے رہے ہیں۔ خدا ہمارے اس قول پر شاید ہے کہ ہم صرف اللہ کے لئے اپنا سر قربان کردیں گے۔ ہرچہ بادا باد الحمد اللہ کہ اپنی زندگی میں ہم نے کسی کے سامنے اپنا سر نہیں جھکایا خود مختار حکمران رہے ہیں پھر آج کیوں نہ سر کٹوا دیں''(80) بہرحال انگریزی فوج نے 5 نومبر 1839ء کو قلات پر حملہ کیا۔(81) چنانچہ میسن کے بیان کے مطابق انگریزی فوج 1261 افراد پر مشتمل تھی اور ان کے پاس پانچ توپیں تھیں دو توپوں سے قلعہ میری کے دروازے پر بمباری کی گئی قلعہ اس قسم کا نہ تھا کہ اسے مسمار

کرنے میں خاصی زحمت اٹھانی پڑتی معمولی گولہ باری سے قلعہ مٹی کے ڈھیر کی صورت میں تبدیل ہوگیا۔ محراب خان اپنے چند سو مجاہدوں کے ہمراہ سر پر کفن باندھ کر فرنگیوں سے جا ٹکرایا ادھر مجاہدین تلوار کے جوہر دکھا رہے تھے اور ادھر توپوں اور بندوقوں سے لیس انگریزی جنگجو مجاہدین کو لقمہ اجل بنا رہے تھے۔ مقابلہ کب تک ہوتا بالآخر مجاہدین داد شجاعت دیتے ہوئے اپنے امیر اور اپنے وطن کی ناموس پر قربان ہوگئے خود میر محراب خان ایک گولی کا نشانہ بن گئے اور جام شہادت نوش کرلیا (82)۔ پیکولین کے مطابق ''کہ جو بے رحمانہ اور ظالمانہ کارروائیاں انگریزوں نے خان کے وطن پر قبضہ کرتے وقت کیں، ایسی ظالمانہ کارروائیاں کبھی بھی نہ ہوئی ہوں گی جن میں اس قدر انسان مارے جائیں'' (83)۔ سید محمود شاہ بخاری اپنی کتاب تاریخ بلوچستان میں میسن کے بیان کو یوں بیان کرتے ہیں کہ کم از کم چار سو مجاہدین جنگ میں کام آئے اور دو ہزار گرفتار کر لئے گئے انگریز 31 قتل ہوئے اور 107 زخمی ہوئے (84)۔

اصل میں جنرل ولشائر کی اس رپورٹ کا خلاصہ یہ ہے جو اس جنگ کے خاتمے پر اس نے گورنر جنرل ہند کو لکھا تھا اس کے مطابق انگریزی مقتولین اور زخمیوں کی کل تعداد 138 تھی اور سینکڑوں لوگوں کی گرفتاری کا بھی تذکرہ کرتا ہے وہ یہ بھی لکھتا ہے کہ مزاحمت کاروں کی تعداد کم از کم 2000 کے قریب تھی اور مقتول بھی بہت ہونگے لیکن ان کی صحیح تعداد کا علم نہیں ہوسکا بلوچ مقتولین کے بارے میں دیگر مورخین میں بھی اختلافات پائے جاتے ہیں لیکن یہ درست ہے کہ ان کی تعداد 300 سے 400 کے درمیان تھی گرفتار ہونے والے اہم ترین افراد کے سوائے باقی تمام کو بعد ازاں رہا کر دیا گیا تھا۔ (85) بہرحال برصغیر میں سلطان ٹیپو اور محراب خان ہی وہ مقامی حکمران تھے جنہوں نے غیر ملکی حکمرانوں کے سامنے اپنا سر جھکانے کی بجائے اپنے وطن کی آن پر اپنا سر کٹا دیا۔ خان محراب خان کے ذکر کے بغیر بلوچستان کی تاریخ رقم ہی نہیں ہوسکتی یہ ایک

حقیقت ہے کہ خان محراب خان ہی بلوچوں کا اولین آزاد خود مختار حکمران تھا جس نے اپنے تمام دور حکومت میں نہ افغانستان کی بالادستی کو قبول کیا نہ انگریزی قوت کے سامنے جھکنا گوارا کیا میر محراب خان اگرچہ ایک عظیم حکمران تھے مگر ایک متعد حکمران ہرگز نہ تھے ان کے دربار میں جو سازشی گروہ موجود تھا وہ ان پر یا تو اندھا اعتماد کرتا تھا یا پھر ان کی ریشہ دوانیوں سے بے خبر تھا وجہ جو بھی رہی ہو مگر یہ درست ھیکہ وہ 23 سال کے طویل دور حکمرانی میں اپنے سازشی درباریوں کا قلع قمع نہ کر سکا مجموعی طور پر ان کا عہد جامع الصفات ذاتی شخصیت کے باوجود درباری ریشہ دوانیوں، سازشوں، قبائل نفاق اور انتشار کا دور تھا یہ عہد جو 1839ء میں ختم ہوا نہ صرف ایک عظیم انسان اور اس کے جانثار ساتھیوں کی جانوں کا نذرانہ اپنے ساتھ لے گیا بلکہ بلوچستان کی آزاد حاکیت کو بھی ختم کر گیا جو اس پورے خطے مین انگریزی استعمار کے خلاف ایک مضبوط مرکز تھا۔ انگریزوں کی اس فتح سے جو نتائج برآمد ہوئے وہ درج ذیل ہیں۔

1	بلوچستان کی سیاسی اور فوجی امور میں انگریزوں کے براہ راست عمل دخل کا باب اور ان کے اقتدار کا راستہ کھل گیا۔
2	میر محراب خان کے عہد کے باقی سردار جو ابھی تک غیر جانبدار تھے انہوں نے بھی ان حالات میں انگریزوں سے دوستانہ مراسم پیدا کیے۔
3	انگریزوں کو بلوچستان میں جو اختیار حاصل ہوئے ان کے تحت انہوں نے کوئٹہ مستونگ اور کچھی گنداواہ بلوچستان سے کاٹ کر سلطنت افغانستان میں شامل کر دیئے۔ شیرانی قبیلے کے سردار محمد خان کو دوسو روپے ماہوار تنخواہ پر مستونگ کا گورنر بنایا اور محمد صدیق خان کو انگریز پولیٹیکل کے تحت کوئٹہ کا حاکم اور غدار محمد شریف کو کچھی کا حاکم مقرر کیا۔ (86)

بعد ازاں قلات کی مسند پر شاہنواز خان کو فائز کر دیا جس کی عمر اس وقت صرف 14 برس تھی وہ انگریزوں کی نظر میں ایک کٹھ پتلی اور وفادار حکمران ثابت ہو سکتا تھا کیونکہ

اس کی تخت نشینی انگریزوں کی مرہون منت تھی۔

لوڈے (Louday) کو انگریزوں نے قلات میں پولیٹیکل افسر مقرر کیا۔ جو بلوچوں میں لبدین کے نام سے مشہور تھا۔ (87) اس طرح انگریز شاطروں کی پالیسی "لڑاؤ اور حکومت کرو" افغانستان اور بلوچستان میں کامیاب ہوئی انگریز نے روس کی پیش قدمی کو روکنے کیلئے غیر شریفانہ ہتھکنڈوں سے بلوچستان پر اپنا تسلط جمالیا۔ بہر حال شاہنواز ایک سال سے زیادہ عرصہ برسر اقتدار نہ رہ سکا کیونکہ بلوچ قبائل نے اس کے خلاف مسلح بغاوت کی چنانچہ آزاد خان نوشیروانہ کی پناہ میں تھا) کو برسر اقتدار لانے کے لئے کئی لڑائیاں لڑی گئیں۔ اور آخر کار ساراوان اور جھالاوان کے سرداروں کے ایک باہمی معاہدے کے ذریعے میر نصیر خان کو تخت کا وارث قرار دیا۔(88)

1841 کا معاہدہ مابین نصیر خان اور انگریزی حکومت

6 اکتوبر 1841ء میر نصیر خان کی تاجپوشی کی گئی اور ان کے درمیان ایک معاہدہ ہوا جسکی شرائط حسب ذیل تھیں۔

1	برطانوی حکومت نے میر نصیر خان دوئم کو خان آف قلات تسلیم کر لیا۔
2	شاہ شجاع کی ایما اور مداخلت سے وہ علاقہ جات کچھی، مستونگ شال جو خان محراب خان کی شہادت پر انگریزی حکومت نے اپنے قبضے میں لے لئے تھے اور ان کا الحاق کابل حکومت کے ساتھ کیا گیا تھا وہ علاقہ جات خان قلات کو واپس کر دیئے۔
3	برطانوی حکومت نے اپنی تمام افواج میر نصیر خان دوئم کے زیر حکومت تمام علاقوں سے ہٹانے کا وعدہ کیا(89)۔

4	''خان میر نصیر خان موصوف ان تاجروں اور دیگر مسافروں کی جو ایک جانب دریائے سندھ اور دوسری جانب بندرگاہ سونمیانی سے افغانستان کو آتے جاتے ہیں حتیٰ الامکان نگہداشت کرے گا ان اشخاص پر کسی قسم کی زیادتی نہ ہوگی اور نہ ہی واجب محصول کے علاوہ جن کا تعین حکومت برطانیہ اور خان صاحب میر نصیر خان کریں گے ان لوگوں سے لیا جائے گا'' (90)۔
5	میر نصیر خان اور اس کے جانشین اور ورثاء ہمیشہ ایک برطانوی افسر جو دربار میں مقیم رہے گا اسکے مشورہ اور رہنمائی سے کام کرے گا۔
6	میر نصیر خان اپنے آپ کو اپنے جانشینوں اپنے اخلاف اور اپنے آپ کو اس بات کا پابند قرار دے گا کہ وہ کسی غیر طاقت کے ساتھ بغیر ہندوستان کی حکومت کی رضامندی کے شجاع الملک کسی قسم کی خط وکتابت نہیں کرے گا۔
7	میر نصیر خان پر کسی دشمن طاقت کے حملہ کرنے کی صورت میں حکومت برطانیہ امیر موصوف کے حقوق کی نگہداشت کے لئے ان کو اپنی خدمات یا امداد جو ضروری یا مناسب حال سمجھے پیش کرنے میں دریغ نہیں کرے گا۔ (91)

ڈاکٹر شاہ محمد مری رقمطراز ہے کہ

''میر نصیر خان نے ''دوستی کے معاہدہ'' پر دستخط کر کے اپنی وفاداری انگریزی کے ساتھ 50 ہزار روپے سالانہ کے عوض فروخت کر دی'' (92)۔

اس معاہدے سے اگرچہ انگریزوں کو بڑی حد تک سکون قلب نصیب ہوگیا مگر جلد ہی انہیں افغانستان میں بدترین شکستوں سے دوچار ہونا پڑا چنانچہ انہیں ایک بار پھر بلوچستان پر از سر نو توجہ مرکوز کرنی پڑی اور میر نصیر خان کے ساتھ پہلا معاہدہ منسوخ کر کے دوسرا معاہدہ کرنا پڑا۔ یہ معاہدہ 14 مئی 1854ء کو ہوا جس کی شرائط حسب ذیل تھی۔

معاہدہ 1854ء کی شرائط

1	''اس معاہدہ کی رو سے معاہدہ 6 اکتوبر 1841ء جو نمائندگی میجر اوٹرم حکومت برطانیہ اور خان صاحب میر نصیر خان والی قلات کے درمیان قرار پایا تھا منسوخ کیا جاتا ہے۔
2	حکومت برطانیہ اور خان صاحب میر نصیر خان اس کے جانشینوں اور اخلاف میں آئندہ دائمی دوستی رہے گی۔
3	خان میر نصیر خان اپنے جانشینوں، اخلاف اور اپنے آپ کو پابند قرار دیتے ہیں کہ وہ گورنمنٹ برطانیہ کے تمام دشمنوں کی بدرجہ ام مخالفت کریں گے تمام حالات میں وہ حکومت برطانیہ کے ساتھ تعاون کریں گے اور کسی غیر سلطنت کے ساتھ بغیر رضا مندی حکومت مذکورہ گفت وشنید نہ کریں گے البتہ اپنے ہمسایوں کے ساتھ ان کے دوستانہ مراسم حسب سابق قائم رہیں گے۔
4	اگر کسی وقت برطانوی فوج علاقہ قلات میں رکھی جانی ضروری سمجھی جائے تو برطانوی افسران کو اختیار ہوگا کہ جہاں مناسب سمجھیں اپنی فوج رکھیں۔
5	خان میر نصیر خان ان کے جانشین اور اخلاف یہ ذمہ لیتے ہیں کہ وہ اس تمام لوٹ مار وغیرہ کا جو ان کی رعایا برطانوی علاقے یا اس کے قرب وجوار کرتی ہے سدباب کریں گے اور ان تمام تاجروں کو جو برطانوی قلمرو نے افغانستان کو سندھ بندرگاہ سونمیانی مکران کی کسی دوسری بندرگاہ سے آتے جاتے ہیں حفاظت کا ذمہ لیتے ہیں اور وعدہ کرتے ہیں کہ تاجران مذکورہ پر کسی قسم کا جبر نہ کریں گے ماسوائے ایک واجب محصول کے جس کا تعین حکومت برطانیہ وخان میر نصیر خان موصوف خود کریں گے۔

6	خان میر نصیر خان ان کے اخلاف یا جانشینوں کو ان ذمہ داریوں، سال بہ سال وفادارانہ طور پر عہدہ برآ ہونے کے لئے حکومت برطانیہ پچاس ہزار روپیہ بطور امداد دینے کا وعدہ کرتی ہے اگر کسی سال مندرجہ بالا شرائط میر نصیر خان موصوف ان کے جانشین اور اخلاف بجانہ لائیں تو مذکورہ پچاس ہزار روپیہ حکومت برطانیہ ان کو ادا نہ کرے گی۔

معاہدہ ہذا آج بتاریخ چہاردھم ماہ مئی 1854ء بمقام مستونگ قرار پایا۔ جس پر میجر جان جیکب اور نصیر خان دوئم والئی قلات نے دستخط کئے۔

نگارشتہ 14 مئی 1854ء" (93)

اس معاہدے کے بعد ہنری گرین نے قلات کے دربار میں ایک برطانوی ریذیڈنٹ کی تقرر کی تجویز پیش کی جو حکومت ہند نے منظور کر لی اس عہدے پر مقرر ہونے والا پہلا افسر لیفٹیننٹ ہنری گرین تھا برطانوی ریذیڈنٹ کی تقرری سے انگریزوں کو بلوچستان میں کھلم کھلا مداخلت کے مواقع میسر آ گئے۔

"1857ء کے ماہ مئی میں میر نصیر خان گنداوہ سے قلات کی طرف سفر کر رہا تھا کہ راستے میں اسے درد مثانہ کی شکایت پیدا ہوئی انجیرہ کے مقام پر قیام کیا اور داروغہ گل محمد کی بھیجی ہوئی دوا استعمال کی۔ اس دوا نے درد مثانہ دور کرنے کی بجائے خان کی انتڑیوں کو چھلنی کر کے اسے مرض الموت میں مبتلا کر دیا۔ داروغہ کا زہر کارگر ثابت ہوئی اور نصیر خان نے دم توڑ لیا" (94)۔

نصیر خان ثانی کا دور بہرحال جیسے تیسے گزر گیا لیکن اسکے جانشین خدائیداد خان کے دور میں انگریزوں نے بلوچستان میں اپنے قدم مضبوطی سے جما لئے تھے انگریزی حکومت کے مختلف پالیسیوں کا اگلے باب میں تذکرہ کیا جائے گا۔

حواشی

1	ڈاکٹر محمود شاہ بخاری ''تاریخ بلوچستان'' بک لینڈ کراچی 1998ء ص نمبر 291
2	باری ''کمپنی کی حکومت'' نیا ادارہ سرکلر روڈ لاہور 1937ء ص نمبر 18
3	ایضاً ص 18
4	موسیٰ خان جلال زئی '' تاریخ بلوچستان پختون بلوچ کشمکش کے تناظر میں'' جملہ حقوق بحق پبلشر محفوظ ص نمبر 48-47
5	ڈاکٹر محمود شاہ بخاری ''تاریخ بلوچستان'' بک لینڈ کراچی 1998ء ص نمبر 293
6	History of Indo Pakistan- V.D. Mahajan P:9
7	ایضاً
8	باری ''کمپنی کی حکومت'' نیا ادارہ سرکلر روڈ لاہور 1837ء ص نمبر 53
9	History of Indo Pakistan- V.D. Mahajan P:9
10	James Mill "The History of British India" Vol: II Atlantic Publishers distribtors New Dehli RPT 1990 P: 23-26
11	ڈاکٹر شاہ محمود بخاری ''تاریخ بلوچستان'' بک لینڈ کراچی 1998ء ص نمبر 295
12	غلام رسول مہر ''انسائیکلو پیڈیا تاریخ عالم'' جلد اول شیخ غلام علی اینڈ سنز 1958ء صفحہ 140
13	ڈاکٹر محمود شاہ بخاری ''تاریخ بلوچستان'' بک لینڈ کراچی 1998ء ص نمبر 295

14	غلام رسول مہر ''انسائیکلو پیڈیا تاریخ عالم'' جلد اول شیخ غلام علی اینڈ سنز 1958ء صفحہ 142
15	باری ''کمپنی کی حکومت'' نیا ادارہ سرکلر روڈ لاہور 1937ء ص نمبر 75
16	ایضاً۔ ص نمبر 75
17	ڈاکٹر شاہ محمود بخاری ''تاریخ بلوچستان'' بک لینڈ کراچی 1998ء ص نمبر 296
18	غلام رسول مہر ''انسائیکلو پیڈیا تاریخ عالم'' جلد اول شیخ غلام علی اینڈ سنز 1958ء صفحہ 142
19	ڈاکٹر سید محمود شاہ بخاری ''تاریخ بلوچستان'' بک لینڈ کراچی 1998ء ص نمبر 297-296
20	''باری کمپنی کی حکومت'' نیا ادارہ سرکلر روڈ لاہور 1937ء ص نمبر 102-04
21	ڈاکٹر شاہ محمود بخاری ''تاریخ بلوچستان'' بک لینڈ کراچی 1998ء ص نمبر 297
22	''باری کمپنی کی حکومت'' نیا ادارہ سرکلر روڈ لاہور 1937ء ص نمبر 122
23	ایضاً۔ ص نمبر 130
24	ایضاً 131
25	ایضاً 138
26	ڈاکٹر شاہ محمود بخاری '' تاریخ بلوچستان '' بک لینڈ کراچی 1981ء ص نمبر 297-98
27	باری ''کمپنی کی حکومت'' نیا ادارہ سرکلر روڈ لاہور 1937ء ص نمبر 153
28	ڈاکٹر شاہ محمود بخاری ''تاریخ بلوچستان'' بک لینڈ کراچی 1981ء ص نمبر 298
29	گنڈا سنگھ احمد شاہ ابدالی تخلیقات لاہور 1997ء صفحہ نمبر 58
30	ایضاً۔ ص نمبر 344
31	جی پی ٹیٹ، ترجمہ ارشد عزیز خان ''سلطنت افغانستان'' نساء ٹریڈرز 1990ء ص نمبر 195-96

32	سید بہادر شاہ ظفر کاکاخیل ''پشتون تاریخ کے آئینے میں'' یونیورسٹی بک ایجنسی پشاور خیبر بازار ندارد صفحہ 676
33	گنڈا سنگھ احمد شاہ ابدالی تخلیقات لاہور 1997ء صفحہ نمبر 346
34	عزیز محمد بگٹی ''بلوچستان سیاسی کلچر اور قبائلی نظام'' فکشن ہاؤس 1995ء لاہور۔ ص نمبر 21
35	سید محمد لطیف ''تاریخ پنجاب'' بک سٹال لاہور 2002ء ص نمبر 136
36	سید بہادر شاہ ظفر کاکاخیل ''پشتون تاریخ کے آئینے میں'' یونیورسٹی بک ایجنسی پشاور خیبر بازار ندارد صفحہ 682
37	شاہد حسین رزاقی، رزاقی، حسین، شاہد، سید جمال الدین افغانی۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور 1979ء ص نمبر 18
38	شیخ محمد حیات ''تاریخ اسلامی جمہوریہ ایران'' زاہد شیر پرنٹرز لاہور 1994ء صفحہ 188
39	ایضاً صفحہ 194-213
40	ایضاً صفحہ 213-215
41	ایضاً صفحہ 217
42	ایضاً۔ ص نمبر 18-217
43	پروفیسر اشرف شاہین قیصرانی'' بلوچستان تاریخ اور مذہب ''ادارہ تدریس کوئٹہ 1994ء ص نمبر 158
44	شیخ محمد حیات ''تاریخ اسلامی جمہوریہ ایران'' زاہد شیر پرنٹرز لاہور 1994ء صفحہ 220
45	م۔ک پیکولین ترجمہ۔ ڈاکٹر شاہ، محمد مری ''بلوچ'' تخلیقات لاہور۔ 1995ء۔ ص نمبر 121

46	گنڈا سنگھ احمد شاہ ابدالی تخلیقات لاہور 1997ء صفحہ نمبر 374
47	باری'' کمپنی کی حکومت'' نیا ادارہ سرکلر روڈ لاہور 1937ء ص نمبر 39-336
48	ایضاً صفحہ 346
49	سید محمد لطیف'' تاریخ پنجاب'' بک سٹال لاہور 2002ء ص نمبر 112
50	باری'' کمپنی کی حکومت'' نیا ادارہ سرکلر روڈ لاہور 1937ء ص نمبر 47-346
51	ایضاً۔ ص نمبر 347
52	سید محمد لطیف'' تاریخ پنجاب'' بک سٹال لاہور 2002ء ص نمبر 120
53	ایضاً صفحہ 130
54	ایضاً صفحہ 131-130
55	ونسٹنٹ اے سمتھ'' ہسٹری آف انڈیا'' دی آکسفورڈ صفحہ 214
56	باری'' کمپنی کی حکومت'' نیا ادارہ سرکلر روڈ لاہور 1937ء ص نمبر 353
57	پروفیسر اشرف شاہین قیصرانی'' بلوچستان تاریخ اور مذہب'' ادارہ تدریس کوئٹہ 1994ء ص نمبر 160
58	باری'' کمپنی کی حکومت'' نیا ادارہ سرکلر روڈ لاہور 1937ء ص نمبر 307
59	ایضاً۔ ص نمبر 307
60	پی آر رابرٹس'' ہسٹری آف برٹش انڈیا'' بحوالہ ہسٹری آف بلوچ ریس اینڈ بلوچستان، محمد سردار خان بلوچ صفحہ 154
61	باری'' کمپنی کی حکومت'' نیا ادارہ سرکلر روڈ لاہور 1937ء ص نمبر 307
62	ایضاً صفحہ 308
63	ایضاً ص 309

64	ایضاً صفحہ 310
65	ایضاً ص 310-309
66	ایضاً ص 310
67	ایضاً ص 310
68	پروفیسر ڈاکٹر انعام الحق کوثر'' کوئٹہ قلات کے براہوئی ''قریشی پبلی کیشنز کوئٹہ 1987ء ص نمبر 112
69	زاہد چوہدری ''پاکستان کی سیاسی تاریخ'' جلد سات ادارہ مطالعہ تاریخ 1994ء صفحہ 23
70	ڈاکٹر سید محمود شاہ بخاری'' تاریخ بلوچستان'' بک لینڈ کراچی 1998ء ص نمبر 03-302
71	عزیز محمد بگٹی ''بلوچستان سیاسی کلچر اور قبائلی نظام'' فکشن ہاؤس 1996ء لاہور صفحہ 70
72	میر گل خان نصیر'' تاریخ بلوچستان'' جلد اول ، دوئم قلات پبلشرز کوئٹہ 1993ء صفحہ 124-123
73	ڈاکٹر شاہ محمد مری''بلوچ قوم قدیم عہد سے حاضر تک'' تخلیقات لاہور 2002ء ص نمبر 155
74	پروفیسر ڈاکٹر انعام الحق کوثر۔ کوئٹہ قلات کے براہوئی قریشی پبلی کیشنز کوئٹہ 1987ء ص نمبر 117
75	پروفیسر محمد اشرف شاہین قیصرانی'' بلوچستان تاریخ اور مذہب'' ادارہ تدریس۔ کوئٹہ۔ 1994ء ص نمبر 119-118

76	میر گل خان نصیر"بلوچستان قدیم اور جدید تاریخ کی روشنی میں" نساء ٹریڈرز 1982ء صفحہ 284
77	پروفیسر محمد اشرف شاہین قیصرانی "بلوچستان تاریخ اور مذہب" ادارہ تدریس۔ کوئٹہ۔ 1994ء ص نمبر 119
78	ایضاً ص 119
79	میر گل خان نصیر" تاریخ بلوچستان" جلد اول، دوئم قلات پبلشرز کوئٹہ 1993ء صفحہ 128
80	عزیز محمد بگٹی "بلوچستان سیاسی کلچر اور قبائلی نظام" فکشن ہاؤس 1996ء لاہور صفحہ 21
81	ایضاً ص 21
82	سید محمود شاہ بخاری" تاریخ بلوچستان" یونائیٹڈ بک سیلرز اینڈ اسٹیشنر کراچی 1981ء ص نمبر 308-309
83	م۔ک۔ پیکولین ، ترجمہ ڈاکٹر شاہ محمد مری "بلوچ" تخلیقات لاہور 1995ء صفحہ 123
84	سید محمود شاہ بخاری" تاریخ بلوچستان" یونائیٹڈ بک سیلرز اینڈ اسٹیشنر کراچی 1981ء ص نمبر 304
85	میر گل خان نصیر" تاریخ بلوچستان" جلد اول، دوئم قلات پبلشرز کوئٹہ 1993ء صفحہ 183
86	سید محمود شاہ بخاری" تاریخ بلوچستان" یونائیٹڈ بک سیلرز اینڈ اسٹیشنر کراچی 1981ء ص نمبر 310

87	پروفیسر محمد اشرف شاہین قیصرانی ''تاریخ بلوچستان ایک تحقیقی جائزہ'' قاسم پرنٹرز کوئٹہ 1993ء صفحہ 122
88	پروفیسر محمد اشرف شاہین قیصرانی ''تاریخ بلوچستان کا ایک تحقیقی جائزہ'' قاسم پرنٹرز کوئٹہ 1993ء صفحہ 103
89	میر گل خان نصیر'' تاریخ بلوچستان'' جلد اول، دوئم قلات پبلشرز کوئٹہ 1993ء صفحہ 176
90	میر نصیر خان احمد زئی'' تاریخ بلوچ و بلوچستان'' جلد ششم بلوچی اکیڈی 1995ء ص 21-220
91	ایضاً ص 221-220
92	ڈاکٹر شاہ محمد مری'' بلوچ قوم قدیم عہد سے عصر حاضر تک'' تخلیقات لاہور 2002ء ص 167ء
93	احمد یار بلوچ'' خان بلوچ کا پیغام بلوچ قوم کے نام'' عباسی پریس کراچی 1972ء ص 25
94	سید محمود شاہ بخاری'' تاریخ بلوچستان '' یونائیٹڈ بک سیلرز اینڈ اسٹیشنرز کراچی 1981ء ص نمبر 314

میر خدائیداد خان کی حالات زندگی و تخت نشینی دور اوّل 1857ء تا 1863ء

میر خدائیداد خان کی ابتدائی حالات زندگی

میر محراب خان شہید جب 13 نومبر 1839ء میں انگریزوں سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے تو اُن کے بیگم بی بی خدیجہ حمل سے تھیں اور مٹھڑی میں سردار ملا محمد رئیسانی کے ہاں پناہ گزین تھیں۔ ان کے بطن سے خان خدائیداد خان 9 جنوری 1840ء کو تولد ہوئے'' (1)۔ غازی میر نصیر خان دوئم نے اپنی انتھک کوششوں اور بہادری سے اپنی آبائی حکومت پر جب قبضہ حاصل کر لیا تو اپنی سوتیلی والدہ بی بی خدیجہ اور سوتیلے بھائی میر

خدائیداد خان کو بھی قلات بلوا لیا۔ چنانچہ میر خدائیداد خان کے بچپن میر نصیر خان غازی کے زیرِ سایہ گزرا۔ یہ وہ دور تھا جس میں امن وچین کی زندگی مفقود تھی کیونکہ اس وقت تمام بلوچستان میں انارکیت کا عالم تھا قبائلی سردار قوت حاصل کرنے اور اپنا اپنا اثر قائم کرنے کی غرض سے آپس میں برسرِ پیکار تھے۔ نیز ہمسایہ مملکتوں افغانستان وایران کے لئے انگریزوں کی حوس گیری شدت اختیار کر چکی تھی انکی ریشہ دوانیوں اور فساد انگیزیوں کی وجہ سے یہ ایک پُر خطر اور پُر آشوب دور تھا چنانچہ میر خدائیداد خان ایک ایسے پُر آشوب دور میں اپنا بچپن گزار رہا تھا۔ جہاں تعلیم کی طرف کوئی خاص توجہ نہ دی گئی۔ خدائیداد خان کی تعلیم اسی حد تک محدود رہی لیکن ذاتی طور پر وہ بلا کے ذہین اور بے مثال حافظہ کے مالک تھے (2)۔ خدائیداد خان کا بچپن چونکہ یتیمی میں گذرا تھا اور ایک ظالم فاتح قوم نے نہ صرف اس کے والد محترم کو اعزاء واقرباء سمیت شہید کر دیا تھا بلکہ اس کی مملکت پر ناجائز قبضہ بھی کیا جا چکا تھا۔ لہذا اب پورے ملک میں اسی قابض فوج کے احکامات چلتے تھے۔ شاہی خاندان کے تمام افراد قلات کے قلعے میں مقید تھے۔ اور نظر بندی کی سی زندگی گزار رہے تھے۔ قلات کا حکمران صرف نام کا حکمران تھا۔ اصل اختیارات کے مالک انگریز قابضین تھے جنہوں نے اپنے ناجائز طریقہ سے قابض بلوچستان کو افغانستان پر قبضہ کرنے کیلئے پہلی سیڑھی خیال کرتے تھے۔ بلوچستان سے پُر امن طور پر گزرنے کیلئے اسکی نہ صرف فتح کو ضروری خیال کرتے تھے۔ بلکہ ان عناصر کو جن سے مستقبل میں کسی بڑی مزاحمت کی توقع تھی۔ انھیں محبوس رکھنا بھی ضروری خیال کرتے تھے لہذا وہ دو گروہوں میں بٹ کر ایک گروہ خان فیملی (حکمران خاندان) کا طرف دار بن گیا۔ اور دوسرا گروہ نے باغی قبائلی سرداروں کو دولت اور اسلحہ دے کر ملک میں خانہ جنگی کروادی۔ جسکے نتیجے میں ہزاروں بلوچ ہلاک وزخمی ہوئے اور لاکھوں بے گھر۔ یہ تمام حالات اور مظالم خدائیداد خان کی زندگی کے ابتدائی ایام میں وقوع پذیر ہوتے رہے۔ وہ

ایک قابل حکمران تھا اور انگریزوں کی ریشہ دوانیوں کو خوب سمجھتا تھا۔ وہ جانتا تھا۔ کہ قبائلی سرداروں کو بلوچ حکمران خاندان اور اس کے حامیوں کو باہم دست گریبان کرنیوالا انگریز ہے۔ خان خدائیداد خان کی خواہش تھی کہ سرداران قلات ان کی مرکزی حیثیت کو تسلیم کر کے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے اسکے زیر اثر آ جائیں۔ اور انگریزوں کی مراعات کو ٹھکرا کر ان کے عزائم ناکام بنادیں۔ چنانچہ ان حالات و واقعات نے خان خدائیداد کو شکی مزاج بنا دیا تھا اور وہ ہر ایک کی جانب سے شک میں مبتلا رہنے لگا۔ وہ نہ تو کسی پر بھروسہ کرتا ہے اور نہ ہی کسی کو اپنا خیر خواہ سمجھتا تھا لہذا اسکی طبیعت میں ظلم کا عنصر بڑھتا گیا۔ مایوسیوں اور مسلسل غلامی کے احساس نے انھیں ہمیشہ ایک ذہنی اذیت میں مبتلا رکھا۔ اور وہ انگریزوں سے لاکھ نفرت کے باوجود عملاً ان کے خلاف کچھ نہ کر سکا۔ اور ہمیشہ اپنے آنے والے عہد حکمرانی میں اپنی شکی مزاج اور جابرانہ طبیعت کی وجہ سے مسلسل کرب واذیت میں مبتلا رہا۔ ان حالات میں میر خدائیداد خان نے اپنی زندگی کے ابتدائی سترہ سال میں مسلسل ان نامساعد حالات کا شکار رہا۔

تخت نشینی (دورِ اوّل)

''میر نصیر خان ثانی کی وفات کے بعد تخت قلات کے دو دعویدار اور بھی تھے میر اعظم خان جو کہ شہید محراب خان کے بھائی اور نصیر خان کے چچا تھے دوسرا میر شیر دل خان جو میر اعظم خان کا بیٹا تھا چونکہ میر نصیر خان کی والدہ بی بی ماہ گنج جو ایک قابل اور عقل مند و دانا خاتون تھیں اور بلوچستان کی سیاست میں کافی مہارت رکھتی تھیں انہی کی کوششوں سے بلوچ قبائل ساراوان وجھالاوان کے سرداروں نے'' (3) متفقہ طور پر 1857ء میں خان خدائیداد خان کو تخت نشین کرایا (4)۔ ڈاکٹر شاہ محمد مری لکھتے ہیں کہ '' تخت نشینی کے وقت میر خدائیداد خان کی عمر 16 سولہ سال تھی'' (5)۔ لیکن بعض مورخین تخت نشینی کے وقت میر خدائیداد کی عمر 17 سال بتاتے ہیں۔

سرداروں کے ساتھ اختلافات کا آغاز اور اختلاف کی وجوہات

1۔ اپنے خیر خواہوں کی جمع آوری

میر خدائیداد تخت پر بیٹھتے ہی دو حریف گروپوں کی سازشوں میں الجھ گیا۔ ایک گروپ وہ تھا جسکا سرغنہ داروغہ گل محمد تھا اور دوسرا گروپ ساراوان اور جھالاوان کے سرداروں اور جام لسبیلہ میر خان پر مشتمل تھا ہر گروپ کی یہی کوشش تھی کہ نوعمر خان ان کے زیر اثر رہے (6)۔ لہذا خدائیداد خان خان نے خان آف قلات مقرر ہوتے ہی اپنے والد شہید میر محراب خان اور بھائی غازی نصیر خان دوئم کے ان تمام وفادار اور خیر خواہ ملازمین کو اپنے ارد گرد جمع کیا جنہیں انگریز پسند نہیں کرتے تھے (7)۔ اس ضمن میں محمد سعید دہوار لکھتے ہیں کہ: ''خان میر خدائیداد خان کو سب سے زیادہ داروغہ گل محمد کی حمایت حاصل تھی اس نے داروغہ گل محمد ہی کو وزارت کے عہدے پہ فائز کر دیا تھا اسی طرح شاہ غاسی ولی محمد، ملا محمد خان وکیل، داروغہ عطا محمد، ملا محمد حسن اور دیوان گنگارام جیسے وفادار اور قابل اعتبار ملازمین کو دربار میں بلند مراتب تفویض کیے گئے''(8)۔ خان کی طبیعت پر زیادہ تر داروغہ خاندان کے افراد حاوی ہوگئے۔ اس خاندان کے اراکین کی خان سے وفاداری مسلمہ تھی اور وہ خان کے احکامات کی تعمیل کو اپنا فرض اولین خیال کرتے تھے قوم اور وطن سے ان کی وفاداری شک و شبہ سے بالاتر تھی۔ (9)۔ ان تقرریوں سے قبائلی سردار خاص طور پر ملا محمد خان رئیسانی جو کہ بی بی گنجان احمد زئی زوجہ دوئم محراب خان شہید کے ماموں تھے اس رشتے کی وجہ سے انہیں دربار میں زیادہ رسائی حاصل تھی سردار تاج محمد زرک زئی جو اپنی بہن بی بی مراد بی بی کی وجہ سے جو غازی میر نصیر خان ثانی کی بیوہ تھی دربار قلات پر چھایا ہوا تھا ان تقرریوں سے انہیں مایوسی کا سامنا کرنا پڑا اور وہ ناراض ہوئے یہ دونوں سردار باہم ہم زلف اور نائب محمد حسن کے داماد بھی تھے (10)۔

2۔ خدائیداد خان کی سردار تاج محمد زرکزئی سے رشتہ داری اور مراد خان موسیانی سے دشمنی:۔

میر خدائیداد خان اور سرداروں میں کشیدگی کی دوسری وجہ یہ ہوئی کہ سردار تاج محمد زرکزئی اور سردار مراد خان (موسیانی) جو ماں کی طرف سے بی بی مراد ہمیشرہ تاج محمد زرک زئی کا رشتہ دار تھا یہ دونوں سردار چاہتے تھے کہ میر خدائیداد خان اپنے بھائی کی بیوہ یعنی سردار تاج محمد زرک زئی کی بہن بی بی مراد بی بی سے نکاح کرے لیکن میر خدائیداد خان اور بی بی گنجان کی خواہش تھی کہ تاج محمد اپنی بہن کی بجائے اپنی بیٹی بی بی جان بی بی کا رشتہ میر خدائیداد خان کو دے جیسے بعد ازاں سردار تاج محمد زرک زئی نے منظور کر لیا اس رشتے کے دینے کے بعد سردار مراد خان موسیانی ناراض ہو گیا حالات سدھرنے کے بجائے اور زیادہ بگڑ گئے (11)۔

3۔ ملا محمد حسن کی رہائی کا مطالبہ اور خان کا انکار

ان سرداروں کا ایک مطالبہ یہ بھی تھا کہ نائب محمد حسن کے بھائی محمد امین کو (جو اس وقت قید میں تھا) غداری کے الزام میں خدائیداد خان نے دونوں بھائیوں کو قید کر دیا تھا ملا محمد حسن قید میں ہی فوت ہو چکا تھا لہذا اب سردار محمد امین کی رہائی کے لئے سرگرم تھے مگر خان خدائیداد خان نے ان کے اس مطالبہ کو منظور نہیں کیا اور سردار اسے اپنی توہین خیال کر کے خان سے ناراض ہوئے (12)۔ ان واقعات نے قبائلی سرداروں اور خان کے درمیان اختلافات کی ایک خلیج حائل کر دی یہ چھوٹے چھوٹے اختلافات بعد ازاں انگریزوں کی سازشوں کے لئے انتہائی مددگار ثابت ہوئے اور انہی باتوں کو بنیاد بنا کر بقول ڈاکٹر شاہ محمد مری ''خدائیداد خان اور سرداروں کے درمیان ایسی تباہ کن خانہ جنگی کی ابتداء کرائی گئی جو پورے اکیس سال تک جاری رہی''۔ (13)

باغبانہ کی جاگیر کا مسئلہ

"خان خدائیداد خان نے جو مطلق العنان پالیسی اختیار کر رکھی تھی۔ اس کے اثرات اس کے عہد حکومت کے شروع ہی سے نمودار ہونے لگے سب سے پہلے خان خدائیداد خان اور جام میر خان کے درمیان میر کمال خان ایلتازئی کی جائیداد کا تنازعہ شروع ہوا جو باغبانہ میں واقع تھی (14)۔

جام میر خان میر کمال خان ایلتازئی کی بہن بی بی نور بی بی کے بطن سے تھا۔ اب وہ میر کمال خان ایلتازئی کی جاگیر سے اپنی ماں کا حصہ مانگ رہا تھا کیونکہ میر کمال خان ایلتازئی کی ایک بیٹی بی بی مریم کے علاوہ کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی میر خدائیداد خان جب نصیر خان ثانی کے جانشین بنے تو انہوں نے کمال خان کی جاگیر کو بدستور اپنے قبضے میں رکھا (15)۔ لہذا ان حالات اور واقعات نے خان اور سرداروں کے درمیان ایک خلیج حائل کر دی (16)۔

بہرحال ان تمام واقعات و معاملات نے سرداروں کو ایک بار پھر خان خدائیداد خان کے مقابل لا کھڑا کیا جو نصیر خان کے عہد میں کسی حد تک قابو میں آ چکے تھے اب یہی سردار اس کے لئے وبال جان بن گئے۔

فوری وجہ

"ستمبر 1857ء میں سردارانِ ساروان اور جھالاوان اور جام میر خان حاکم لسبیلہ، میر نصیر خان ثانی کی فاتحہ خوانی اور میر خدائیداد خان کی مبارک باد کے لئے قلات میں جمع ہو چکے تھے سردار مراد خان موسیانی کے ورغلانے پر خان خدائیداد خان نے سرداروں کے کیمپ پر حملہ کیا فریقین کے درمیان توپ و تفنگ کی لڑائی واقع ہوئی مراد خان

موسیانی جو کہ بانی فساد تھا اس لڑائی میں مارا گیا سردار جام میر خان اپنا کیمپ چھوڑ کر جھالاوان کی طرف چل دیئے اور اپنے ساتھ میر آزاد خان سردارِ خاران کو بھی شامل کر کے شورش برپا کردی"۔(17)

خدائیداد خان کا سرداروں کے کیمپ پر حملہ اور بعد ازاں جام میر خان اور میر آزاد خان نوشیروانی کی جانب سے بغاوت اور دراصل شورش بلوچستان میں آئندہ ہونیوالی خانہ جنگی کا نقطہ آغاز تھا اس شورش اور خدائیداد خان کی فاش غلطی نے انگریزوں کو بلوچستان کے معاملات میں مداخلت کرنیکا موقع فراہم کیا قبائلی سردار چونکہ خدائیداد خان کے مقابلے میں کمزور تھے لہذا انہوں نے اس حالات میں انگریزوں کی طرف بلوچستان کے معاملات میں مداخلت کرنے کی غرض سے رجوع کیا خدائیداد خان سرداروں کی بغاوت سے پہلے ہی پریشان تھا لہذا ان کی اس حرکت نے اسکی پریشانیوں میں مزید اضافہ کیا وہ انگریزوں سے سخت نفرت کرتا تھا اور بلوچستان کے کسی بھی معاملے میں ان کی مداخلت کے حق میں نہ تھا لیکن جب سرداروں نے انگریزوں سے مداخلت کی درخواست کی اور ان کے ساتھ گٹھ جوڑ کرلیا تو خدائیداد خان کو انگریزوں کے ساتھ ساتھ قبائلی سرداروں سے بھی سخت نفرت ہوگئی۔ سرداروں نے انگریزوں کی ایما پر خدائیداد خان سے معاملات سلجھانے کی خاطر چند مطالبات کیئے۔

سرداروں کے مطالبات اور ان مطالبات کا تنقیدی جائزہ

1	"نوری نصیر خان اول کے آئین اور رسوم ورواج کے مطابق حکومت کی جائے۔
2	باضابطہ فوج توڑ دی جائے کیونکہ اس کا خرچ پورا نہیں ہوسکتا۔ اس وقت خان کی فوج حسب ذیل تھی رسالہ 200 نفر توپ خانہ 78 نفر، محافظ دستہ 400 نفر پلٹن 800 نفر کل 478 نفر۔

3	نظام حکومت چلانے کے لئے وزیر مقرر کرنے کا حق سرداروں کو حاصل ہو۔ موجودہ وزیر گل محمد کو برطرف کردیا جائے۔
4	ملک کے سول اور فوجی معاملات حکومت میں سرداروں کی آواز کو دخل حاصل ہو'' (18)

ظاہر ہے کہ مندرجہ ذیل بالا مطالبات جو بنیادی اور جمہوری نوعیت کے ہیں اس عہد کے بلوچ سرداروں کی دماغی اختراع نہیں کہے جاسکتے ان کے جدّت ایک دوسری طاقت یعنی انگریزی حکومت کے وہ نمائندے تھے جو خان اور اُسکے سرداروں کے درمیان پھوٹ ڈال کر اپنے مقاصد حاصل کرنا چاہتے تھے انگریزوں کی شاطرانہ چالوں سے پوری دنیا آشنا ہے آج کی جدید دنیا بھی برطانوی ریشہ دوانیوں سے محفوظ نہیں ہے تو دوسو سال پہلے مشرق یا پھر ایشیا کے وہ قبائل جو بڑی سلطنتوں کے درمیان آزادانہ اور قبائلی نظاموں کے تحت زندگی گزارتے تھے ان کی زندگی دیہی ہوتی تھی سیدھا وار کرنے اور سیدھا وار سہنے کی ان میں صلاحیت ہوتی تھی ان کی سوچ اپنے قبیلے یا علاقے تک محدود ہوتی تھی یا پھر زیادہ سے زیادہ اپنے وطن کے حکمرانوں کا ہر کارنامہ انہیں عظیم لگتا ہے ایسے سیدھے سادھے لوگوں سے یہ امید رکھنا کہ وہ جمہوری انداز میں سیاست کریں اور آئینی طریقے سے اپنے حقوق کا مطالبہ کریں گے ناممکن سی بات ہے اس زمانے میں جدید علوم کی کمی تھی بلکہ بلوچستان میں علم نہ ہونے کے برابر تھی اس وقت کے بلوچ قبائل خان کی عہد و مملکت کے ممتنی ہوتے تھے انھیں خان سے امداد اور سرپرستی کی امید ہوتی تھی اور ان سرداروں سے یہ امید رکھنا یقیناً اپنے آپ کو دھوکہ دینے کے برابر ہے وہ کبھی بھی آئینی طریقے سے اپنے حقوق کا مطالبات نہیں کرسکتے تھے ان کے لئے حقوق کا آسان طریقہ قبائلی بغاوت اور خانہ جنگی تھی چھوٹی چھوٹی باتوں پر بلوچ قبائل کا بگڑنا اور لڑائی جھگڑا کرنا اور پھر یہ جنگیں انتہائی طویل ہوتی تھیں ہزاروں جانیں تلف ہوتی جاتی تھیں تاریخ بلوچستان میں اسطرح کے کئی واقعات ملتے ہیں کہ جب خان اور قبائل کے درمیان

اختلافات پیدا ہوئے تو نتیجہ افہام وتفہیم سے حل ہونے کی بجائے خانہ جنگی کی صورت میں نکلا لہذا ان مطالبات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ مطالبات یقیناً کسی دوسری قوت کے وضع کردہ تھے جو خان اور قبائل کے درمیان خانہ جنگی کو ہوا دیکر اپنے لئے ماحول سازگار بنا رہے تھے اور یہ سیاسی قوت انگریزوں کی تھی جو اس وقت تک بلوچستان کی سیاست پر تقریباً اپنا اثر ونفوذ قائم کر چکے تھے اور اب اپنے مقاصد کے حصول کی خاطر قبائلی سرداروں اور درباری وزراء کو استعمال کر رہے تھے تاکہ قبائل اور خان خدائیداد خان کے درمیان اتنے اختلافات پیدا ہوں کہ جنہیں وہ حل نہ کرسکیں اور انگریزوں کو ثالثی اور بلوچستان میں مداخلت کا موقع مل سکے اپنے اس مقصد میں بالاخر انگریزوں کو آگے چل کر کامیابی ہوئی جس کا تذکرہ آگے موقع کی مناسبت سے کیا جائیگا۔

انگریزوں کی ابتدائی مداخلت اور اندرونی شورشیں

داروغہ گل محمد کو انگریز پسند نہیں کرتے تھے کیونکہ انگریز یہ بات بخوبی جانتے تھے کہ داروغہ گل محمد کے خیالات واحساسات ان سے سخت مخالفت پر مبنی ہیں اور وہ ان کی راہ میں رکاوٹ بن سکتا ہے۔ لہذا اس کی تقرری کی وجہ سے انگریز خوش نہ تھے اور دوسری طرف کچھ سرداروں کا بھی یہی خیال تھا کہ خان نے جو خود مختارانہ اور آمرانہ پالیسی اختیار کی ہے اس میں داروغہ گل محمد کا ہاتھ ہے (19)۔ اور دیوان گنگارام کو علیحدہ کرنے کا مطالبہ اس بنا پر کیا گیا تھا کہ وہ ملا محمد امین کی رہائی کا سخت مخالف تھا ان مطالبات کو منوانے کے سلسلے میں خان خدائیداد اور سرداروں کے درمیان جنگ کا زبردست خطرہ پیدا ہوگیا لیکن انگریز پولیٹیکل افسر میکالے کی مداخلت کی وجہ سے کوئی لڑائی نہ ہوئی (20)۔

''نومبر 1857ء میں میجر ایچ، آر گرین پولیٹیکل آفیسر کے عہدے پر مقرر ہوتے ہی'' (21)۔ وہ گنداوہ آیا خان اور سرداروں کے ساتھ علیحدہ علیحدہ ملاقاتیں کرکے

اختلافات کی اصل وجہ معلوم کرنے کی کوشش کی اور اس نے دیکھا کہ گل محمد اور ایک مقامی ساہوکار گنگارام یہ دونوں برطانوی شہرت وقوت کے سخت دشمن ہیں اور خان کے معتبر ترین مشیر بنے ہوئے ہیں ان تمام حالات کا جائزہ لے کر اس نے اپنی رپورٹ تیار کر کے افسرانِ بالا کے پاس بھجوادی'' (22)۔

جس وقت خدائیداد خان بلوچ سرداروں کے کیمپ پر حملہ آور ہوا تھا تو سادات قبائل نے بلوچی میٹرھ * کے ذریعے اس خونریز لڑائی کو رکوا دیا تھا۔ لیکن سرداروں نے قلات سے آگے بڑھ کر جھالاوان میں خضدار کے مقام پر کیمپ لگایا تھا۔ قبائلی سرداروں نے ایک طرف انگریزی نمائندہ مقیم جیکب آباد کو لکھا کہ خان سے ان کے مطالبات منوائیں جائیں اور دوسری طرف انہی سرداروں نے تمام قبائل سے لشکر جمع کرنا شروع کیا تاکہ خان کے ساتھ ایک فیصلہ کن لڑائی لڑ کر اپنے مطالبات منوائے جائیں خان خدائیداد خان جذباتی اور مشتعل مزاج نوجوان تھا جس قدر جلد بازی میں وہ سرداروں کے خلاف مشتعل ہوگیا اب اسی قدر وہ اپنے کیے پر پچھتا رہا تھا جب انھیں سرداروں کی لشکر کشی کی اطلاع ملی تو وہ گھبرا گئے اور انہوں نے شاغاسی ولی محمد کو سرداروں کے پاس بھیجا کہ وہ جنگ کے ارادے سے باز آجائیں ان کے جو بھی مطالبات ہیں ان پر غور کیا جائے گا نیز محمد امین کو بھی رہا کر دیا جائے گا۔ وہ خان کی بات مان گئے اور انہوں نے لشکر کو تتر بتر کر دیا بعد ازاں خان نے محمد امین کو جیل سے نکال کر سردار تاج محمد خان زرک زئی کے سپرد کر دیا (23)

خدائیداد خان نے اپنی کم عمری، نا تجربہ کاری، کوتاہ اندیشی اور مشتعل مزاجی سے ایسے اقدامات کیے کہ جس کے نتیجے میں غدار ملکی درباری عناصر اور بیرونی حملہ آوروں کو بلوچستان کے اندر قبائلی جنگ کروانے کا موقع ہاتھ آیا۔ خدائیداد خان کے ان نامناسب اقدامات کے نتیجے میں بلوچستان میں انگریزوں اور ان کے ایجنٹوں نے خاطر خواہ نتائج حاصل کیے۔ اور بلوچستان اکیس سال تک خانہ جنگی کی آگ میں جلتا رہا۔ نومبر

1857ء میں سرداروں کی درخواست پر برطانوی حکومت نے میجر ہنری گرین کو اپنا نمائندہ بنا کر خان کی خدمت میں گنداوہ بھیجا۔ تا کہ وہ خان کو جیکب آباد میں مسٹر فریئر اور سرجان جیکب سے ملاقات پر راضی کریں۔ جام میر خان اور میر آزاد خان نوشیروانی کے علاوہ باقی تمام سردار گنداوہ میں موجود تھے خان، ہنری گرین کی باتوں میں آ گیا اور وہ پھر ایک غلطی کر بیٹھا کہ جسکے نتیجے میں بلوچستان عملاً انگریزوں کے قبضے میں چلا گیا کیونکہ خدائیداد خان نے جیکب آباد جا کر انگریزوں کو ثالث ماننے پر رضا مندی ظاہر کی۔ بعد میں انھیں اپنی ہی حکومت سے معزول ہونا پڑا جنوری 1858ء کو خان میر خدائیداد خان انگریزی حکومت کے نمائندے سے ملنے جیکب آباد گئے جہاں پر ان کے تمام مخالف سردار پہلے جمع کیے جا چکے تھے خان کے روبرو ہو کر سردار، خان خدائیداد خان کے خلاف کوئی ٹھوس شکایت پیش نہ کر سکے اور نہ ہی کوئی قابلِ غور مطالبہ کر سکے سرداروں کے اس عمل سے انگریزوں کو سخت مایوسی ہوئی لیکن اس کے باوجود انگریزوں نے ایک سیاسی چال کے ذریعے خان کو رضا مند کر لیا کہ وہ "داروغہ گل محمد کو وزارت سے ہٹا دیں اور ان کی جگہ شاہ غاسی ولی محمد کو وزیر مقرر کر دیں۔ انگریزوں کو شاغاسی پر پورا بھروسہ تھا۔ چنانچہ خان نے ایسا ہی کیا" (24)۔ اور اسی طرح گنگارام جیسے ایک قابل اعتماد اور ایک زیرک مشیر کو بمعہ اہل وعیال بلوچستان سے جلا وطن کر کے سکھر اور روہڑی بھیج دیا گیا داروغہ گل محمد اور دیوان گنگارام تخت قلات کے بہترین وفادار قوم پرست اور انگریزوں کے بدترین مخالف تھے انہوں نے اور ان کے باپ دادا نے خان محراب خان شہید اور غازی میر نصیر خان دوئم کے عہد حکومت میں انگریزی غلبے کے خلاف لڑائیاں لڑیں اور قوم و وطن کے لئے قابل قدر خدمات سرانجام دی تھیں جن کو فراموش نہیں کیا جا سکتا الغرض ان کی دربار میں موجودگی انگریز کے لئے سوہانِ روح بنی ہوئی تھی چنانچہ میر خدائیداد خان کی اس بڑی سیاسی غلطی اور غیر دانشمندی کی وجہ سے انگریز ان کو راستے سے ہٹانے میں کامیاب ہو گئے

خان خدائیداد خان سے جیکب آباد ہی میں ان فیصلوں پر عملدر آمد کرایا گیا (25)۔ انگریزوں کی پالیسی اسوقت افغانستان اور ایران کے سرحدی علاقوں میں بدامنی پھیلانے کی نہ تھی کیونکہ ان دنوں شمالی ہند میں درپیش خطرناک حالات کے پیش نظر ممکن ہوسکتا تھا کہ افغانستان اور ایران کے ہمسایہ حکومتیں انگریزوں کی مشکلات سے فائدہ اٹھانے کے لئے سرحدی قبائل کو بغاوت پر اکسائیں چنانچہ اس خطرے کے پیش نظر انگریزی حکومت کے نمائندوں نے خان کو ہر طرح کی امداد دینے کی پیش کش کی۔ ''اسی اثنا میں خان کے خلاف ایک طرف میر شاہنواز خان کے بیٹے میر فتح خان نے بغاوت کردی اور دوسری طرف مریوں نے شورش برپا کرکے کچھی کو تخت و تاراج کر دیا ان شورشوں کی وجہ سے تجارتی کاروانوں کی آمدورفت میں رکاوٹ پیدا ہوئی تھی'' (26)۔ خان نے سردار تاج محمد زرک زئی کو میر فتح خان کی بغاوت کو کچلنے پر مامور کیا سردار تاج محمد زرک زئی نے خان کا حکم مان کر دستہ جھالاوان کے ساتھ پنجگور اور کیچ کا رخ کیا لیکن مکران کے سرداروں نے کسی مقام پر ان کا مقابلہ نہیں کیا سردار تاج محمد زرک زئی نے کئی مکران کے معتبرین کو جن پر متوقع بغاوت میں شمولیت کا شک تھا گرفتار کیا سردار آزاد خان نوشیروانی اور فتح خان احمد زئی قندھار کی طرف فرار ہو کر نکلے (27) ''1857ء میں ''ہان ہند'' اور کوہ سلیمان کی دیگر جگہوں میں بزدار قبیلے نے انگریز کے خلاف زبردست جنگیں کیں اور اسی سال مریوں نے راجن پور کی چھاؤنی پر حملہ کیا اور انگریزوں کی طرف دار دریشک سردار بجار خان اس کا بیٹا درحسین خان اور 38 دیگر انگریز قتل ہوئے'' (28)۔

1857ء ہی میں بلوچستان کے علاوہ ہندوستان کے لوگوں نے بھی انگریزوں کے خلاف بڑی بغاوت کی عوام ناکام ہوئے اور مغل خاندان کا آخری بادشاہ بہادر شاہ ظفر کمپنی کی طرف سے برما میں قید ہوا لیکن اس عوامی ابھار نے کمپنی کی عمر بھی ختم کردی (29)۔ سردار آزاد خان نوشیروانی جو کہ قندھار کی طرف فرار ہوا تھا اور امیر کابل کے

ساتھ ساز باز قائم کر کے مدد کا طالب ہوا۔ اس کی امداد کے لئے امیر کابل نے اپنا ایک دستہ فوج ساراوان کی سرحد پر بھیج دیا تھا اور ساتھ ہی اپنے ایک خاص نمائندے کے ذریعے خان قلات کو دھمکی دی گئی کہ اگر خان خدائیداد امیر کابل کے باجگوار سردار میر آزاد کے خلاف قدم اٹھایا تو امیر دوست محمد خان ان سے سخت ناراض ہوں گے۔ خان نے اس کے جواب میں امیر کابل دوست محمد خان کا خط کا جواب اس انداز میں دیا خاران میری حکومت کا حصہ ہے اور آزاد خان بلوچ قوم کا ایک سردار ہے اور میں اپنے ملک میں اور اپنی رعایا کے ساتھ ہر سلوک کرنے کو آزاد ہوں۔ میر خدائیداد خان کے اس جواب کا ردعمل یہ ہوا کہ جب آزاد خان نوشیروانی اور میر فتح خان فرار ہو کر قندھار پہنچے تو امیر دوست محمد خان نے اپنی فوجی دستے کو واپس بلا لیا جیسے سردار آزاد خان نوشیروانی اور فتح خان کی امداد اور خان پر دباؤ ڈالنے کی غرض سے ساراوان کی سرحد پر بھیجا تھا (30) قلات کی حدود کافی وسیع تھی مگر خان کی حکومت صرف قلات کے گردنواح تک سمٹ کر رہ گئی تھیں سندھ اور پنجاب کی سرحد پر آباد مری بگٹی قبائل پر ان کا کوئی خاص اثر نہ تھا یہ قبائل اکثر پنجاب اور سندھ کے علاقے پر حملہ کرتے اور راستے بند کر دیتے اور لوٹ مار کیا کرتے تھے جس کی وجہ سے درہ بولان میں آمدورفت کا سلسلہ غیر محفوظ رہتا (31)۔ یہ حالات انگریزی حکومت کے لئے پریشان کن تھے انگریزی حکومت اپنے معاہدات کی رو سے خان بلوچستان کی اندرونی معاملات میں مداخلت کرنے کے مجاز نہیں تھے لہذا انگریزوں کے نمائندوں نے مریوں کی اس لوٹ مار کے سلسلے میں صلح ومشورہ کا سلسلہ شروع کیا اور امن کی بحالی کے لئے طے پایا کہ مریوں کے خلاف لشکر کشی کی جائے (32)۔ آخر کار" میر خدئیداد خان نے تمام بلوچ قبائل کا لشکر کچھی میں جمع کیا اور قبیلہ مری کی تنبیہ وتادیب کے لئے مری کے پہاڑوں کا رخ کیا گرین صاحب بھی انگریزی رسالہ کے 200 سواروں کے ساتھ ان کے ہمراہ تھے مریوں نے اپنے دیہات خالی کر دیے

اور پہاڑوں میں منتشر ہو گئے'' (33)۔ 1858ء میں غلام مرتضی نے اپنے والد سردار سلام خان بگٹی کی سرداری سنبھالی تو اس نے کاہاں کے راستے مریوں پر 700 افراد کے ایک لشکر کے ساتھ حملہ کر دیا اس لڑائی میں فریقین کے 13 آدمی مارے گئے اور بگٹیوں نے کافی بھیڑ بکریاں اور اونٹ اپنے قبضے میں لے لئے بگٹیوں کے واپسی کے راستے کو مریوں نے روک لیا اور دونوں قبیلے ایک دوسرے کے مقابل ''شم'' میدان کے شمالی جانب جمع ہو گئے آخر چمبھری کے مقام پر بگٹیوں نے مریوں پر حملہ کر دیا اور 130 مری مارے گئے اور کافی شدید زخمی ہوئے بگٹی کے 40 افراد مارے گئے 84 گھوڑے اور بہت سا اسلحہ بگٹیوں کے ہاتھ لگا (34)۔

میر گل خان نصیر لکھتے ہیں کہ ''21 جنوری 1859ء کو میر خدائیداد خان لشکر کے ساتھ کوہستان مری کا رخ کیا مری تمام علاقہ کو خالی کر کے پہاڑوں میں جا چھپے 23 فروری کو کاہاں پر بلا مقابلہ قبضہ کر کے مری سردار کے قلعہ کو مسمار کر دیا گیا قلعہ کاہان سے ایک توپ ہاتھ آئی جیسے پچھلی جنگ میں مریوں نے انگریزوں کے ایک فوجی دستہ سے چھین لیا تھا'' (35)۔ بعد ازاں یہ توپ ہنری گرین کے حوالے کر دی گئی اور براہوئی لشکر پہاڑوں میں منتشر ہو کر مریوں کے کچھ ریوڑ اور گائے بیل ہانک کر لے آئے۔ مریوں نے میر خدائیداد خان کے کچھ اونٹوں کو تلوار سے ہلاک کر دیئے اور مریوں نے کہیں مقابلہ نہیں کیا (36)۔

28 فروری 1859ء میں مری سردار میر نور محمد نے آ کر امیر بلوچستان کی اطاعت قبول کر لی اور اسے اپنا بادشاہ تسلیم کر کے وفادار رہنے کا یقین دلایا اور آئندہ پر امن رہنے کی ضمانت دی (37)

خان خدائیداد کا دورہ مکران اور گوادر پر قبضہ

''مکران ہندوستان اور ایران کے مابین ایک پل کا کام دیتا ہے وہ سارے فاتحین جو کہ ایران کے راستے سے وقتاً فوقتاً ہندوستان فتح کرنے آئے تھے خواہ وہ اپنے

مہم میں کامیاب ہوئے یا ناکام ان دونوں صورتوں میں انھیں مکران کا دروازہ کھٹکھٹانا پڑتا تھا'' (38)۔ لہذا انگریزوں نے اپنے مفادات کی خاطر ایران کے ساتھ اپنی بعض سرحدی وسیاسی مصلحتوں کے پیش نظر مکران کا علاقہ خان کے ماتحت رکھنا چاہتے تھے تاکہ مکران کے علاقے میں امن و امان ہو۔ چنانچہ اس مقصد کی خاطر انگریزی حکومت کے نمائندہ نے خان خدائیداد خان کو مکران کے سرکاری دورے پر آمادہ کرلیا۔ چنانچہ میر خدائیداد خان 1860 میں ایک بڑے لاؤ لشکر کے ساتھ مکران کے دورہ پر روانہ ہوئے خان کی روانگی سے قبل انگریزی فوج کا ایک دستہ مکران کے قبائل اور سرداروں کو مرعوب کرنے گوادر کی بندرگاہ پر اترا اس دورہ کے دوران جن جنگجوؤں اور بہادر افراد سے انگریزوں کو خطرہ تھا ان سب کو خان کے نام پر کچل کر مطیع کردیا گیا تاکہ آئندہ ان میں سے کسی شخص کو انگریز حکومت کے خلاف سر اٹھانے کی ہمت نہ ہوسکے کیچ اور پنجگور کے سرداروں نے علاقے کو پرامن رکھنے کا یقین دہانی کرائی (39)۔

گوادر کی بندرگاہ جوکہ ساحل مکران پر ایک مشہور بندرگاہ ہے زمانہ قدیم ہی سے مکران کا حصہ رہا ہے مگر 18 ویں صدی کے اواخر میں سلطان مسقط کے قبضہ میں چلا گیا (40)۔ سلطان مسقط پچھلے چند سالوں سے خان کو گوادر کا مقرر کردہ خراج نہیں دیتا تھا خان خدائیداد خان نے سردار فقیر محمد بزنجو کو حکم دیا کہ وہ گوادر پر قبضہ کرلے لہذا 20 جنوری 1860ء کو سردار فقیر محمد بزنجو نے بلا مقابلہ گوادر پر قبضہ کیا (41)۔

ایرانی بلوچستان کی ریاست قلات میں شمولیت کی خواہش

میر خدائیداد خان ابھی تربت ہی میں مقیم تھے کہ گہہ اور قصر قند کے بلوچ سرداروں نے یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ خان ان علاقوں کا دورہ کریں لیکن انگریز حکومت کے نمائندہ نے خان کے اس علاقے میں دورہ کرنے کی حمایت نہ کی کیونکہ انہیں یہ خطرہ

تھا کہ اس علاقے میں داخل ہونے پر ایرانی فوج سے ٹکر ناگزیر ہوگی ایرانی یہ فوجیں گزشتہ کئی سالوں سے بمپور میں موجود تھیں ایران کی حکومت نے خان قلات کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر بمپور اور اس کے گردونواح کے بلوچی علاقوں پر قبضہ کرلیا تھا (42)۔ بالآخر انگریزوں کے نمائندہ کے مشورہ پر خان کو اپنا ارادہ ترک کرنا پڑا۔

امیر افغانستان کی مداخلت

سردار خاران آزاد خان نوشیروانی ابھی قندھار میں مقیم تھا اسی دوران اسے معلوم ہوا کہ خان خدائیداد خان مکران کے دورے پر روانہ ہو چکے ہیں لہذا سردار خاران کو یہ خطرہ محسوس ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ خدائیداد خان ان کی جائیداد ضبط کرلیں چنانچہ انہوں نے ایک دفعہ پھر امیر افغانستان سے درخواست کی کہ خان کو اس کی جائیداد ضبط کرنے سے روک دیں امیر کابل نے اس دفعہ حکومت ہند کے توسط سے اس سوال کو پھر اٹھایا خان خدائیداد خان نے امیر کابل اور آزاد خان کے دعویٰ کو رد کرتے ہوئے حکومت ہند کو لکھا ”کہ خاران جغرافیائی تاریخی اور قومی لحاظ سے بلوچستان کا ایک حصہ ہے اور آزاد خان نوشیروانی خان کا ماتحت سردار ہے“ قلات میں متعین انگریز نمائندہ نے بھی خان کی اس رائے سے اتفاق کیا جسے حکومت ہند نے بھی تسلیم کر کے امیر کابل کو اس کی اطلاع دی اس جواب پر امیر کابل نے خاموشی اختیار کرلی (43)۔

خان اور سرداروں میں بداعتمادی اور انتشار

خان خدائیداد خان ایک خود دار اور غیور بلوچ حکمران تھا ان کے بارے میں پروفیسر عزیز بگٹی لکھتے ہیں ”کہ خوانین قلات میں سے وہ آخری خان تھے جنہوں نے کسی حد تک حکمرانی کے معاملات میں اپنی دھن و مرضی کو غالب رکھنے کی سعی کی“ (44)۔

مگر ان اوصاف کے باوجود خان میں چند کمزوریاں تھیں وہ شکی مزاج تھا مستقل مزاجی بھی اس میں نہیں تھی اور ضد کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا سرداروں پر اعتماد نہیں کرتا تھا شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ خان خدائیداد اچھی طرح جانتا تھا کہ انہی سرداروں نے اس کے باپ داد کے ساتھ وفا نہیں کی تھی وہ اسکے وفادار کیسے بن سکتے تھے لہذا فریقین کے ان بے ہنگم اور غیر موزوں رجحان طبع کی وجہ سے معمولی معمولی باتوں پر خان اور سرداروں کے درمیان انتشار کی صورت بڑھتی رہی یہ حالات دیکھ کر انگریزی حکومت کے نمائندہ میلکم گرین نے اس سلسلہ میں اپنی حکومت کو لکھا کہ:۔

''خان شکی الطبع اور غیر مستقل مزاج حکمران ہیں اور اس کے سردار بھی ناجائز مطالبات کرتے ہیں اگر خان ایک مجرم کے بازو کا بھی اُن سے مطالبہ کریں تو وہ سب باتھ ایک ایک کر کے ان کے خلاف کھڑے ہو جاتے ہیں'' (45)۔

الغرض اس وقت بلوچستان خانہ جنگی کے دوراہے پر کھڑا تھا اگر خان میر خدائیداد خان جلد بازی نہ کرتے اور تدبر و دور اندیشی سے کام لیتے تو بہت ممکن تھا کہ بلوچستان کے حالات اس قدر خراب نہ ہوتے ۔ لہذا اب قلات کی تاریخ کا تاریک ترین دور آ پہنچا تھا طوائف الملوکی اور بغاوت اپنے عروج پر تھی سرداروں میں بے چینی تو تھی لہذا ان سازشوں میں جام آف لسبیلہ، آزاد خان نوشیروانی اور سردار ملا محمد رئیسانی پیش پیش تھے بات مزید یوں بگڑی کہ ''خان نے جھالاوان کے سرداروں تاج محمد زرک زئی کی توہین کر دی جس کی بیٹی کے ساتھ اس کی سانگ بندی (رشتہ داری) ہو چکی تھی براہوئی سانگ کو عظیم ذمہ داری سمجھتے ہیں لیکن خان نے اُسے نظر انداز کرتے ہوئے اسکی ہمشیرہ سے شادی کر لی جو اسکے مرحوم بھائی نصیر خان ثانی گزشتہ کی بیوہ تھی'' (46) خان کی یہ حرکت بلوچی روایات کے سراسر منافی تھی۔ چنانچہ تاج محمد نے اپنی اس بے عزتی کا بدلہ لینے کے لئے اپنے قبیلہ سے لشکر جمع کیا اور خان کی حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند

کیا سراوان اور جھالاوان کے دوسرے سرداروں نے بھی ان کی حمایت کا اعلان کیا سردار ملا محمد رئیسانی جوکہ سردار تاج محمد کا طرف دار تھا خان کے کہنے پر درمیان میں پڑ کر مصالحت کرنے پر آمادگی ظاہر کی خان کے سرداروں کے سامنے اپنی غلطی مان لی سرداروں کے کہنے پر تاج محمد نے ہتھیار ڈال دئے اور لشکر کو منتشر کر لیا لیکن خان سے ملنے نہیں آیا۔(47)۔

انگریزوں کی دوہری پالیسی اور خان کی امداد میں اضافہ

قلات کی اس سیاسی صورت حال سے متاثر ہوکر میجر میرویدر کمشنر سندھ نے حکومت ہند کو لکھا کہ ''اس وقت یہ حالات کی ابتدائی صورت ہے اور اگر ان حالات میں ہم خان کو اس کے ملک کی ترقی کے لئے اس طرح امداد نہ دیں جس طرح ہم دیتے چلے آرہے ہیں بلکہ ہماری طرف صرف اس رائے کا اظہار کہ ہم آئندہ خان کو یہ امداد نہیں دیا کریں گے اس مملکت میں ہمہ گیر انتشار پھیلنے اور جو کچھ ہم اس وقت تک حاصل کر چکے ہیں ان کے کلی طور پر ہاتھ سے نکل جانے کے لئے کافی ہے''(48)

''چنانچہ میجر میرویدر کی سفارش پر حکومت ہند نے کاروانوں کی حفاظت اور ملک میں قیام امن کے لئے خان کے سالانہ وظیفہ میں جو معاہدہ 1856 کی رو سے مقرر تھا مزید 50 ہزار روپے سالانہ کا اضافہ کر دیا'' (49)۔ خدائیداد خان جس قدر انگریزوں کا مخالف تھا۔ اور ان سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا تھا۔ مگر وہ نہ چاہتے ہوئے بھی ان کی جال میں پھنستا چلا جارہا تھا۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ بلوچستان کی عوامی قوت سرداروں کے زیر اثر تھی اور سردار، خان سے شدید اختلافات رکھتے تھے اب خان کے پاس کوئی چارہ نہیں تھا یا تو وہ سرداروں کے مطالبات مان لیتے یا انگریزوں کی ثلاثی قبول کر لیتا لہذا خان نے سرداروں کے مطالبات نہیں مانے انہیں مطالبات کی منظوری کے لئے سرداروں نے انگریزوں کی طرف رجوع کیا تو انگریزوں نے اس سنہری موقع سے خوب فائدہ اٹھایا اور

وہ بلوچستان کے معاملات میں مداخلت کرنے لگے۔ خان خدائیداد خان ان نا مساعد حالات میں مجبور ہوا اور غیر ارادی طور پر انگریزوں کی طرف جھک گیا۔ انگریز اسے اپنی امداد اور ظاہری طرفداری سے قابو کرنے میں کسی حد تک کامیاب ہو چکے تھے۔ لیکن انھیں پھر بھی خدائیداد خان پر مکمل یقین اور بھروسہ نہ تھا۔ ان کی کوشش تھی کہ کسی نہ کسی طریقے سے خان کو اقتدار سے ہٹا کر ایک با اعتماد شخص کو اقتدار میں لایا جائے لہذا یہی ہوا شیر دل خان کی صورت میں انگریزوں کو اپنا نمائندہ مل گیا۔

جیسا کہ پچھلے باب میں تذکرہ ہو چکا ہے کہ غازی نصیر خان دوئم کی وفات پر تخت قلات کے دو دعویدار اور بھی تھے میر محمد اعظم خان اور میر شیر دل خان جب سرداروں نے متفقہ طور پر میر خدائیداد خان کو خان آف قلات منتخب کیا تو بظاہر میر محمد اعظم خان اور میر شیر دل خان نے کوئی ایسی حرکت نہ کی جس سے خان کی ذات کو کوئی نقصان پہنچانے کا شبہ ہو اس کے باوجود ”خداداد خان اور سرداروں کے درمیان غیر یقینی تعلقات کے پیش نظر داروغہ گل محمد نے اپنے وزارت میں میر اعظم خان اور شیر دل خان کو قلات میں زیر نگران رکھنا ضروری خیال کیا“ (50)۔ 1859ء میں میر اعظم خان فوت ہوئے (51)۔ انگریزوں کے ایما پر سرداروں کے مطالبات پر خدائیداد خان نے داروغہ گل محمد کو وزارت سے بے دخل کر کے شاغاسی ولی محمد کو اس کی جگہ وزیر مقرر کیا اور شاغاسی ولی محمد نے شیر دل خان کو آزاد چھوڑ دیا (52)۔

اقتدار پر شیر دل خان کا قبضہ 1863ء تا 1864ء

19 ویں صدی کے دوران انگریزوں نے روسی عزائم کو روکنا اور ناکام بنانا تھا کیونکہ روس اور برطانیہ سمیت بہت سارے یورپی ممالک بلوچستان کے گرم سمندروں پر قبضہ کر کے پورے ایشیاء کی سیاست و معشیت پر قابض ہونا چاہتے تھے بلوچستان معاشی

بنیادوں پر ہندوستان کا ہم پلہ نہیں تھا لیکن عسکری بنیادوں پر بلوچستان کی اہمیت شروع زمانے سے واضح رہی ہے کسی بھی حملہ آور نے بلوچستان کی عسکری اہمیت سے انکار نہیں کیا ہے فاتح اقوام نے اسی اہمیت کے پیش نظر بلوچستان پر قبضہ کرنا ضروری خیال کیا برصغیر میں جب برطانوی سامراج ایسٹ انڈیا کمپنی کی صورت میں اپنی گرفت مکمل کر چکا تو اس کا رخ شمال مغرب کی جانب بڑھنے لگا تاکہ افغانستان پر قابض ہو جانے کے بعد مزید آگے بڑھنے کا امکان ممکن ہو سکے لیکن اس سے پہلے بلوچستان پر قبضہ کرنا ضروری تھا انگریزوں کو بلوچستان کے راستے افغانستان تک جانے کے لئے ایسے حکمران کی ضرورت تھی جو بلاچوں وچرا انگریزوں کی اطاعت کرے اور ان کی کسی بھی پالیسی سے اختلاف رائے نہ رکھے انگریزوں کی عملدخل کی راہ میں خان قلات میر محراب خان شہید آخری چٹان تھے جن کو ہٹانے کے بعد انگریزی اقتدار مزید علاقوں کے حصول کی پالیسی کی پناہ میں تیزی سے بلوچستان میں پھیلتا رہا اور خوانین قلات پر کبھی اپنی آزادانہ حیثیت کو قائم نہ رکھ سکے محراب خان کے بعد نصیر خان دوئم کا مختصر عرصہ انگریزی اقتدار کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکا لیکن خان خدائیداد خان ایک عرصہ تک انگریزی طاقت سے لڑتے رہے خدائیداد خان ایک مطلق العنان حکمران بن کر بلوچستان پر حکومت کرنا چاہتا تھا اسے انگریزی حکومت کا عمل دخل بالکل پسند نہیں تھا وہ انگریزوں کا شدید مخالف تھا انگریز بھی خان کے اس رویے سے آشنا تھے۔ تاریخ سے یہ حقیقت بھی واضح معلوم ہوتی ہے کہ ریاستی سیاست میں سرداروں کی بالادستی مختلف مرحلوں میں بلوچستان کی سیاسی اقتدار اعلیٰ پر حاوی رہتی آئی ہے خان خدائیداد خان بھی ایسی جوڑ توڑ کا شکار رہے۔ جب" 1857 میں جب خان خدائیداد خان برسر اقتدار آیا" (53)۔ تو انہوں نے قومی جذبے کو بلوچ قبائل میں اجاگر کرنے کی کوشش کی لیکن اس کی تبلیغ کا انداز غلط تھا اس نے قبائل اور قبائلی سرداروں کو مطیع و فرمانبردار بنانے کے لئے تشدد کا راستہ اختیار کیا بلوچ

قبائل جوکہ آزاد منش اور خود مختارانہ ذہنیت رکھتے تھے سختی، جبر اور تشدد کبھی برداشت نہیں کر سکتے تھے جو طریقہ اختیار کیا تھا وہ ان کی برداشت سے باہر تھا لہذا وہ خان خدائیداد خان کے سامنے گھٹنے ٹیکنے کے بجائے انہوں نے بغاوت کا راستہ اختیار کیا کیونکہ وہ خدائیداد خان کی جارحیت کو کسی بھی صورت میں قبول نہیں کر سکتے تھے لہذا عوام خدائیداد خان کے اس رویے سے تنگ آ کر اس کے مخالف سرداروں سے جا ملے الغرض خدائیداد خان نے ایک طرف سرداروں کو ناراض کر دیا تھا اور دوسری طرف وہ انگریزوں سے خوش نہ تھا لہذا انگریزوں نے موقع کی نزاکت سے فائدہ اٹھا کر خدائیداد خان کی پوزیشن کمزور کرنے کی خاطر درہ پردہ سرداروں کو خدائیداد خان کے خلاف ورغلانا شروع کر دیا اور دوسری طرف خان خدائیداد خان کو سرداروں کے خلاف اُکسانا شروع کر دیا انگریز یہ بات بخوبی جانتے تھے کہ خدائیداد خان ان کو پسند نہیں کرتا انگریزوں کو برطانوی مفادات بلوچستان اور بلوچستانی عوام و حکمران سے زیادہ عزیز تھے لہذا انگریزوں نے اپنی مہم جاری رکھتے ہوئے خان کو راستے سے ہٹا کر ایک نئے فرمانبردار شخص کو حاکم قلات بنانے کی تگ و دو شروع کی اور اپنے اس مقصد کی تکمیل کی خاطر انھیں شیر دل خان کی صورت میں اپنا نمائندہ نظر آیا شیر دل خان کے ذریعے خان خدائیداد خان پر حملہ کروایا۔

''خان خدائیداد خان موسم سرما گزارنے کیلئے کچھی گئے اس سال میجر میلکم گرین گنداوہ میں رہنے کی بجائے جیکب آباد چلے گئے باقی تمام سرداران سراوان اور جھالاوان گنداوہ میں جمع تھے'' (54)۔ ''21 مارچ 1863ء کے دن صبح کو تمام سردار آ کر میر خدائیداد خان سے ملے یہ ملاقات خلاف توقع بہت خاموش فضا میں ہوئی لہذا اس دن شام کو میر خدائیداد خان سواری پر نکلے میر شیر دل خان احمدزئی بھی ان کے ہمرکاب تھا'' (55)۔ خان کی سواری جب سرداروں کے کیمپ کے قریب پہنچی تو شیر دل خان خدائیداد خان پر حملہ کر کے تلوار کی ایک کاری ضرب دائیں بازو پر ماری اور بھاگ کر سرداروں کے

کیمپ میں پناہ لی حملے کے وقت شیر دل خان کے ساتھ اسکے دو غلام فیضو اور مٹھو ساتھ تھے انہوں نے بھی خان کے سر اور پشت پر تلوار کے وار کیے اور شیر دل خان کے ساتھ بھاگ کر سرداروں کے کیمپ میں پناہ لی (56)۔ میر خدائیداد خان زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے زمین پر گر پڑا اور بے ہوش ہوگیا حملے کے دوران خان خدائیداد خان کے ساتھ چالیس (40) سپاہی تھے لیکن سب حواس باختہ ہوکر ادھر اُدھر بھاگ گئے چند ایک جو وہاں موجود تھے انہوں نے خان کو اٹھا کر شہر پہنچا دیا۔ شیر خان جو اس وقت کمانڈر فوج تھا اور محمد علی رسالدار مسلح ہوکر لڑنے میدان میں نکلے لیکن شاغاسی ولی محمد اور ملا محمد وکیل نے انھیں لڑنے سے روک لیا (57)۔ سردار تاج محمد زرک زئی اور سردار ملا محمد رئیسانی جوکہ شیر دل خان کے حمایتی تھے (58)۔ وہ شیر دل خان کو ساتھ لے کر گاجان گئے اور وہاں سے براستہ سنی و شوران سے قلات روانہ ہوئے ڈھاڈر شالکوٹ (کوئٹہ) اور مستونگ پر قبضہ کرتے ہوئے قلات پہنچے قلات کے دفاع پر مامور کماندار شیر خان اور داروغہ عطا محمد نے بلا مقابلہ ہتھیار ڈال دیے اور اسطرح سراوان وجھالاوان کے سرداروں نے متفقہ طور پر میر شیر دل خان کو حاکم بلوچستان مقرر کردیا بعد ازاں اس کے حمایتی سردار، سردار ملا محمد رئیسانی اور سردار تاج محمد زرک زئی، سردار قیصر خان نگسی اور حبیب خان رستم زئی وغیرہ نے دستخط کئے اور ایک مراسلہ انگریز حکومت کو لکھا کہ ہم نے خان خدائیداد خان کو تخت قلات سے ہٹا کر میر شیر دل خان کو خان آف قلات مقرر کر دیا ہے ہم انگریزی حکومت سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ میر شیر دل خان کو حاکم بلوچستان تسلیم کرلیں (59)۔ دوسری جانب میر خدائیداد خان نے بھی انگریزوں کو اپنے استحقاق خانیت کی طرف سے بذریعہ مراسلہ متوجہ کیا (60)۔ لیکن میر شیر دل خان کو برسراقتدار لانے میں یقیناً انگریزوں کی رضامندی شامل تھی لیکن اس سازش میں انھیں کامیابی نہ مل سکی کیونکہ

تخت قلات کا جائز وارث خان خدائیداد خان ابھی زندہ تھے اور عوام کی حمایت بھی اسے حاصل تھی لہذا انگریز بظاہر غیر جانب دار رہے اور انہوں نے قلات سے اپنے نمائندے کو واپس بلا لیا انگریزوں سے مایوسی کے بعد باغی سرداروں نے حاکم قندھار محمد امین خان سے اپیل کی کہ وہ اگر وہ قلات میں میر شیر دل خان کی حکومت کو مستحکم اور پائیدار بنانے میں ان کی مدد کریں تو میر شیر دل خان اس امداد کے عوض میں شال کوٹ (کوئٹہ) کا علاقہ افغانستان کے سپرد کرے گا مگر والی قندھار نے موقع کی نزاکت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ڈھاڈر اور مستونگ کے علاقوں کا مطالبہ کیا جسے باغی سرداروں نے قبول نہیں کیا (61)۔ میر شیر دل خان ایک بہادر شخص تھا مگر اس میں دانشمندی اور تدبر سے حکومت چلانے کی اہلیت اور قابلیت نہ تھی خان مقرر ہوتے ہی اس نے رعایا اور زمیندار طبقہ کے ساتھ کوئی تعرض نہیں کیا اور نہ ہی زمینداروں نے ان کو مالیہ دینے میں لیت ولعل کی۔ البتہ بڑے بڑے سردار اس کے لئے پریشانی کا باعث بنے وہ شیر دل خان سے بڑی بڑی جاگیروں کا مطالبہ کرتے تھے اور ساتھ ساتھ نہ دینے کی صورت میں میر خدائیداد خان سے جا ملنے کی دھمکیاں بھی دیتے تھے (62)۔ الغرض میر شیر دل خان کو ایک طرف تو بیرونی طاقتوں سے سند قبولیت نہ مل سکی اور دوسری جانب وہ اپنے حامی سرداروں میں بھی مقبول نہ ہو سکا۔ بقول سردار خان ''قلات کے بڑے بڑے سرداروں نے میر شیر دل خان کو تخت پر بٹھا تو دیا وہ چند ماہ قلاتی تاج زیب سر کئے رہا لیکن یہ ایک کوہ آتش فشاں پر رقص کی مانند تھا'' (63)۔ شیر دل خان اقتدار کی ہوس میں آ کر میر خدائیداد خان پر قاتلانہ حملہ کر کے قلات کی حکومت تو حاصل کرنے میں کامیاب ہوا مگر حالات پر قابو نہ پا سکا حالات سدھرنے کے بجائے بگڑتے ہی چلے گئے اور سردار صاحبان آپس میں اتحاد پیدا نہ کر سکے بس نفسا نفسی کا عالم تھا (64)۔

شیر دل خان اور اس کے حمایتی سرداروں کے درمیان اختلافات کی وجوہات

گو کہ میر شیر دل ایک بہادر شخص تھا۔ مگر اس میں دانشمندی اور تدبر سے حکومت چلانے کی اہلیت اور قابلیت نہ تھی۔ وہ دل کا صاف اور بہت سخی تھا۔ اس نے اپنے حمایتی سرداروں کو انعام و اکرام سے مالا مال کر دیا۔ حتیٰ کہ تمام خزانہ خالی ہو گیا مگر وہ انہیں عزت دینے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ سردارانِ قبائل جو دولت کے ساتھ ساتھ دربار اور حکومتی امور میں حصہ دار بننا چاہتے تھے۔ اور عزت و مرتبہ کے خواہش مند تھے۔ انہیں بھی انگریزوں کی طرح شیر دل خان کے رویے سے مایوسی ہوئی حقیقتاً شیر دل خان سرداروں کی عزت کرنا جانتا ہی نہیں تھا (65)۔

میر گل خان نصیر اس ضمن میں لکھتا ہے "کہ اس نے میل ملاپ اور دیوان میں سرداروں سے بھی شائستہ برتاؤ نہیں کیا بات بات پر انہیں ٹوکتا اور ان کی غداریاں جتلاتا تھا" (66)۔

اس کے اس رویے سے اس کے حمایتی سردار اس سے بدظن اور ناراض ہو گئے اور اس کے دربار میں آنا چھوڑ دیا نوبت یہاں تک پہنچی کہ جن سرداروں نے شیر دل خان کا ساتھ دیا تھا اب انہی سرداروں نے خان خدائیداد خان کی طرف داری کا اعلان کر دیا (67)۔

دوسری وجہ یہ ہوئی کہ میر شیر دل خان کو خدئیداد خان سے زیادہ انگریزوں سے نفرت تھی جس کا اظہار وہ بھری مجلس میں کرتا تھا ایران اور افغانستان کی حکومتوں کے ساتھ تعلقات قائم کر کے انگریزوں کی غلامی سے نجات حاصل کرنا چاہتا تھا میر شیر دل خان کا یہ رجحان انگریزی حکومت کے لئے پریشان کن اور ناقابل برداشت تھا (68)۔

اس وقت بلوچستان میں افراتفری کا عالم تھا ادھر خان خدائداد خان زندہ بچ نکلے تھے۔ میر خدائیداد خان کے زخم مندمل ہوئے تو وہ خضدار کی جانب روانہ ہوئے وہاں کچھ عرصہ

قیام کیا۔ دوران وسائل فقدان کی وجہ سے ان کے رفقاء ایک ایک کر کے ان کا ساتھ چھوڑنے لگے۔ اس کسمپرسی کے عالم میں سردار فقیر محمد بزنجو نے وفاداری کا ثبوت دیتے ہوئے دست تعاون بڑھایا اور خان کو اپنے ساتھ لے کرنال لے گئے۔ پھر انہوں نے سراوان اور جھالاوان کا دورہ شروع کیا اور سرداروں کو منت سماجت کرنے لگا اور ان فوجی افسروں کو بھی اپنا طرف دار بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی جن کی سازشوں سے وہ اقتدار سے محروم ہو چکا تھا(69)۔

اور اس عرصے میں کافی قبائلی شیر دل خان سے بدظن ہو کر خان خدائیداد خان کی طرف داری کا اعلان کر چکے تھے ان حالات میں خان خدائیداد خان کو مزید غیر مطمئن رکھ کر ملک میں امن وامان قائم رکھنا ناممکن تھا اس دور میں افغانستان اور ایران میں روسی حکومت کے اقدامات اور ان ممالک میں غیر یقینی حالات کے پیش نظر انگریز ہر طرح سے بلوچستان میں امن وامان چاہتے تھے چنانچہ ان وجوہات کی بناء پر انگریزی حکومت کے نمائندوں نے میر شیر دل خان کو اپنے حصولِ مقصد کی راہ میں رکاوٹ خیال کرتے ہوئے اب اسے ہٹانے کی تدبیریں سوچ رہے تھے انگریزوں میں یہ بڑی خوبی تھی کہ وہ غیر قانونی کام اپنے ہاتھوں سے انجام نہیں دیتے تھے، بلکہ ایسے تمام سازشیں مقامی لوگوں سے کرواتے تھے احمد یار بلوچ لکھتے ہیں کہ جو انگریزوں نے ہمیشہ لوہے سے لوہے کو کاٹنے کی پالیسی اختیار رکی تھی" (71)۔ لہذا انہی مقتدر رہنماؤں سے جنہوں نے خان خدائیداد خان کو تخت سے محروم کر کے شیر دل خان کو اقتدار سے ہم کنار کر دیا تھا اب 1864ء میں دوبارہ پلٹا کھا کر میر شیر دل خان کو خود اسکے محافظ دستے کے سالار کمانڈر شیر خان یوسف زئی کے ہاتھوں سے قتل کروا کر خان خدئیداد خان کو ایک بار پھر اقتدار کی کرسی پر بٹھا دیا(72)۔

"سرداراں نے میر شیر دل خان کی لاش کو نہایت احترام سے اٹھایا اور مورخہ 26 مئی 1864ء کو قلات لا کر شاہی قبرستان میں سپرد خاک کر دیا اس طرح انگریزوں کی شاطرانہ چال اس دفعہ پھر کامیاب ہوئی" (73)۔

شیر دل خان کی ذاتی صفات

شیر دل خان کا دور حکومت انتہائی مختصر صرف ایک سال کا تھا مگر وہ اپنی ذاتی خوبیوں میں انتہائی بہادر، طاقتور، اور سخی انسان تھا جنگ باز ایسا کہ بہادری اور زور آزمائی کے کئی قصے مشہور ہیں میر نصیر خان احمدزئی لکھتے ہیں ''میر خدائیداد خان پر حملے کے بعد جب شیر دل خان کو پتہ چلا کہ خدائیداد خان زندہ ہیں تو وہ غصے میں تڑپ اٹھا اور گھوڑے پر سوار ہوکر باہر نکلا راستے میں ایک اونٹ رخت سمیت کھڑا تھا اونٹ کے قریب پہنچ کر اسی تلوار سے اونٹ کے کوہان کی سیدھ میں ہاتھ مارا اونٹ رخت سمیت دو ٹکڑے ہو کر گر پڑا اپنی تلوار کی یہ دھار دیکھ کر اس نے تلوار پر تھوک کر کہا کہ ''تف'' ہے تجھ پر رخت سمیت اونٹ کو چیرتی ہوئی نکل گئی لیکن خدائیداد خان کے جسم کو پار نہ کر سکی'' (74)۔

''شیر دل خان جب نوعمر تھا اس نے قلات کے بازار میں ایک فقیر کو دیکھا جس کے پاس ایک ریچھ تھا لوگ فقیر کے گرد جمع تھے وہ ریچھ کو نوجوانوں کے ساتھ کشتی لڑا رہا تھا جتنے بھی ریچھ کے مقابلے میں نکلے سب کو اس نے پچھاڑ دیا میر شیر دل خان سے نہ رہا گیا جھپٹ کر ریچھ سے لپٹ گیا اور اس قدر زور سے اسے اپنی بغل میں بھینچا کہ جب چھوڑا تو ریچھ مرا ہوا تھا'' (75)۔

الغرض میر شیر دل خان کی بہادری اور زور بازو کے کئی واقعات مشہور ہیں وہ واقعی شیر دل انسان تھا مگر بدقسمتی سے دماغ ایسا نہیں پایا تھا کہ حکومت کے داؤ پیچ سمجھ سکتا اس لئے نہ تو حکومت سنبھال سکا اور نہ ہی اپنے دوستوں اور دشمنوں کو قابو میں رکھ سکا اور یہی اس کی موت کا باعث بنے۔

شیر دل خان کے ایک سالہ دورِ حکومت پر تبصرہ

انگریز نے ہمیشہ جہاں پر بھی قبضہ کرنے کی خواہش کی وہاں انہوں نے اپنی سازشوں اور روایتی چالبازیوں سے کام لیا اگر کسی چھوٹے سے علاقے کے حکمران نے من مانی کی تو اسے اپنے ہی لوگوں کے ذریعے راستے سے ہٹا کر اپنی من پسند حکمران کو لانے کی کوشش کی اسطرح اپنے دوہری پالیسیوں کے نتیجے میں انگریز متعلقہ علاقوں کا امن امان خراب کرتے رہے اور بعدازاں خود مداخلت کر کے مقامی لوگوں کے فیصلے نمٹائے اور ثالث بنتے اور مقامی لوگوں کو یہ احساس دلاتے رہے کہ وہ ان کے خیر خواہ اور دوست ہیں اور انہی کی ترقی اور خوشحالی کے لئے یہ سارے اقدامات کر رہے ہیں اور بالکل اسی طرح خدائیداد خان کو ہٹا کر شیر دل خان کو اقتدار میں لانا بھی انگریزوں کی اسی پالیسی کا نتیجہ تھا اور جب شیر دل خان سے بھی امیدیں بھر نہ آئیں تو اسے بھی راستے سے ہٹایا گیا انگریز دراصل اس وقت کامیاب ہوئے جب مسلمان یا زیر بحث بلوچ سردار آپس میں دست وگریبان ہوئے بلوچوں کی مجموعی ناکامیوں میں ایک بڑا مسئلہ آپس کی خانہ جنگی اور سرکردہ رہنماؤں کی بے وفائیوں رہی ہے اور یہ بات صرف بلوچوں کے ساتھ ہی مخصوص نہیں بلکہ مسلمانوں کی اجتماعی صورتحال کچھ ایسی رہی ہے۔

شیر دل خان کا ایک سالہ دور حکومت ناکامیوں اپنوں اور غیروں کی سیاسی ریشہ دوانیوں اور ریاست قلات کے عوام کی بے بسی کا دو ہے جس میں نہ تو نصیر خان جیسی شان وشوکت ہے نہ محراب خان جیسی جرات اور صداقت تاہم شیر دل خان اپنی ذاتی صفات کے اعتبار سے اس قابل ہے کہ تاریخ میں چند اوراق ان کے لئے مخصوص کئے جاسکتے ہیں۔

بہر حال شیر دل خان کے بعد خان خدائیداد خان کو دوبارہ اقتدار میں لا کر انھیں مختلف معاہدات اور صلح ناموں کے چنگل میں پھانس کر غلامی کا پھندا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان کی گردن میں ڈال دیا۔

حواشی

1	میر نصیر خان احمد زئی "تاریخ بلوچ و بلوچستان" جلد ششم بلوچی اکیڈمی، کوئٹہ 1995ء ص نمبر 267
2	میر گل خان نصیر "تاریخ بلوچستان" قلات پبلشرز کوئٹہ 1993ء ص نمبر 266
3	میر نصیر خان احمد زئی "تاریخ بلوچ و بلوچستان" جلد ششم بلوچی اکیڈمی کوئٹہ 1995ء ص نمبر
4	پروفیسر محمد عزیز بگٹی "بلوچستان شخصیات کے آئینے میں" فکشن ہاؤس 1985ء لاہور۔ ص نمبر 103
5	ڈاکٹر شاہ محمد مری "بلوچ قدیم عہد سے عصر حاضر تک" تخلیقات لاہور 2002ء ص نمبر 171
6	سید محمود شاہ بخاری "تاریخ بلوچستان" بک لینڈ کراچی 1981ء ص نمبر 315
7	پروفیسر محمد اشرف شاہین قیصرانی "بلوچستان تاریخ اور مذاہب" ادارہ تدریس کوئٹہ 1994 ص نمبر 30-129
8	محمد سعید دہوار "تاریخ بلوچستان" نساء ٹریڈرز کوئٹہ 1990ء ص نمبر 672-673
9	ایضاً صفحہ نمبر 673
10	میر نصیر خان احمد زئی "تاریخ بلوچ و بلوچستان" جلد ششم بلوچی اکیڈمی کوئٹہ 1995ء ص نمبر 270-269
11	میر گل خان نصیر "تاریخ بلوچستان" جلد اول دوئم قلات پبلشرز کوئٹہ 1993ء ص نمبر 188
12	پروفیسر محمد اشرف شاہین قیصرانی "تاریخ بلوچستان ایک تحقیقی جائزہ" ادارہ تدریس۔ لاہور 1993ء ص نمبر 109-108

13	ڈاکٹر شاہ محمد مری'' بلوچ قوم قدیم عہد سے عصر حاضر تک'' تخلیقات لاہور 2002ء ص نمبر 173
14	میر گل خان نصیر'' تاریخ بلوچستان'' قلات پبلشرز کوئٹہ 1993ء ص نمبر 205
15	ایضاً ص 205-06
16	آغا میر نصیر خان احمد زئی'' تاریخ بلوچ و بلوچستان'' جلد ششم بلوچی اکیڈمی کوئٹہ 1995ء ص نمبر 275-76
17	میر گل خان نصیر'' تاریخ بلوچستان'' جلد اول، دوئم قلات پبلشرز کوئٹہ 1993ء صفحہ 190
18	محمد سعید دہوار'' تاریخ بلوچستان'' نساء ٹریڈرز کوئٹہ۔ 1990ء ص نمبر 675-76
19	ایضاً صفحہ نمبر 676
20	ایضاً صفحہ نمبر 676
21	پروفیسر ایم انور رومان'' سرزمین بلوچستان'' نادر ٹریڈرز مستونگ ص نمبر 288
22	اے ڈبلیو، ہیوگز ترجمہ پروفیسر ایم انور رومان'' سرزمین بلوچستان'' نادر ٹریڈرز مستونگ ص نمبر 288
23	میر گل خان نصیر'' تاریخ بلوچستان'' قلات پبلشرز 1993ء ص نمبر 190
24	بریگیڈیر (ریٹائرڈ) ایم۔ عثمان حسن، بلوچستان رپورتاژ گوشہ ادب 1984ء ص نمبر 5
25	میر گل خان نصیر'' تاریخ بلوچستان'' قلات پبلشرز 1993ء ص نمبر 191
26	محمد سعید دہوار'' تاریخ بلوچستان'' نساء ٹریڈرز کوئٹہ 1990ء ص نمبر 677
27	میر نصیر خان احمد زئی'' تاریخ بلوچ و بلوچستان'' جلد ششم بلوچی اکیڈمی 1995ء ص نمبر 285
28	ڈاکٹر شاہ محمد مری'' بلوچ قوم قدیم عہد سے عصر حاضر تک'' تخلیقات لاہور 2002ء ص نمبر 171

29	ایضاً ص نمبر 173
30	میر گل خان نصیر "تاریخ بلوچستان" قلات پبلشرز 1993ء ص نمبر
31	بریگیڈیر (ریٹائرڈ) ایم عثمان حسن بلوچستان رپورتاژ 1984ء گوشہ ادب ص نمبر 51
32	اے، ڈبلیو، ہیوگز ترجمہ پروفیسر ایم انور رومان۔ سرزمین بلوچستان نادر ٹریڈرز ص نمبر 89-288
33	اخوند محمد صدیق ترجمہ گل خان نصیر۔ اخبار (فارسی) نساء ٹریڈرز 1984ء لاہور، ص نمبر 58-157
34	لیبرگ، ایچ ٹی مان جیکب آف جیکب آباد 1975ء آکسفورڈ پریس دہلی ص نمبر 266
35	میر گل خان نصیر "تاریخ بلوچستان" قلات پبلشرز 1993ء ص نمبر
36	اخوند محمد صدیق ترجمہ گل خان نصیر اخبار الا ابرار (فارسی) نساء ٹریڈرز 1984ء ص نمبر 158
37	میر نصیر خان احمد زئی "تاریخ بلوچ وبلوچستان" جلد ششم۔ بلوچی اکیڈمی 1995ء ص نمبر
38	ملک محمد عمر سعودی بلوچ، تاریخ مکران ص نمبر 18
39	میر گل خان نصیر۔ تاریخ بلوچستان حصہ اول دوئم۔ قلات پبلشرز کوئٹہ 1993ء ص نمبر 94-193
40	محمد سردار خان بلوچ، بلوچ قوم کی تاریخ۔ نادر ٹریڈرز ص نمبر 608
41	ملک محمد عمر سعودی بلوچ، تاریخ مکران، ص نمبر 73
42	میر گل خان نصیر۔ تاریخ بلوچستان۔ قلات پبلشرز۔ 1993ء ص نمبر 194
43	ایضاً ص 194

44	پروفیسر عزیز بگٹی'' تاریخ بلوچستان، شخصیات کے آئینے میں'' فکشن ہاؤس 1996ء صفحہ نمبر 103
45	میر نصیر خان احمد زئی، تاریخ بلوچ، بلوچستان ۔ 1995ء ص نمبر 292
46	اے، ڈبلیو، ہیوگر، ترجمہ پروفیسر ایم انور رومان نادر ٹریڈرز ص نمبر 291
47	میر گل خان نصیر، تاریخ بلوچستان ۔ قلات پبلشرز 1993ء ص نمبر 195
48	میر احمد یار تصاویر یادگار تاجپوشی ندارد ص نمبر 31
49	میر گل خان نصیر، تاریخ بلوچستان، قلات پبلشرز کوئٹہ 1993ء ص نمبر 196-195
50	ایضاً ص نمبر 96-195
51	نصیر خان احمد زئی ۔ تاریخ بلوچ و بلوچستان جلد ششم ۔ بلوچی اکیڈمی 1995ء ص نمبر 95-294
52	ایضاً ص نمبر 295
53	بریگیڈیئر (ر) ایم عثمان حسن ''بلوچستان رپورتاژ'' 1984ء گوشہ ادب ص نمبر 51
54	زید چوہدری حسن جعفر زیدی ۔ پاکستان کی سیاسی تاریخ ۔ جلد 7 ادارہ مطالعہ تاریخ 1994ء لاہور ص نمبر 27
55	میر گل خان نصیر ۔ تاریخ بلوچستان، قلات پبلشرز سد کوئٹہ 1993ء ص نمبر 197
56	میر نصیر خان احمد زئی ۔ تاریخ بلوچ و بلوچستان 1995ء بلوچی اکیڈمی ص نمبر 299
57	موسیٰ خان جلازئی ۔ تاریخ بلوچستان پختون بلوچ کشمکش کے تناظر میں آزاد ۔ ص نمبر 58
58	اخوند محمد صدیق ترجمہ میر گل خان نصیر ۔ اخبار الابرار (فارسی) نساء ٹریڈرز ص نمبر 160
59	سید محمود شاہ بخاری، تاریخ، بلوچستان بک ہینڈ کوئٹہ 1981ء ص م،ز 17-316

60	میر گل خان نصیر۔ تاریخ بلوچستان۔ قلات پبلشرز کوئٹہ 1993ء ص نمبر 197-190
61	ایضاً ص نمبر 200
62	پروفیسر محمد اشرف شاہین قیصران ۔ بلوچستان تاریخ اور مذہب ادارہ تدریس 1994ء ص نمبر 131
63	میر نصیر خان احمد زئی ۔ تاریخ بلوچ و بلوچستان جلس ششم، بلوچی اکیڈمی 1995ء ص نمبر 307
64	محمد سردار خان بلوچ بلوچ قوم کی تاریخ، نادر ٹریڈرز ص نمبر 277
65	بریگیڈیر (ریٹائرڈ) ایم عثمان حسن۔ بلوچستان رپورتاژ گوشہ ادب 1984ء ص نمبر 52
66	میر نصیر خان احمد زئی ۔ تاریخ بلوچ و بلوچستان جلد ششم ۔ بلوچی اکیڈمی 1995ء ص نمبر 12-311
67	میر گل خان نصیر تاریخ بلوچستان ۔ قلات پبلشرز کوئٹہ 1993ء ص نمبر 202
68	میر نصیر خان احمد زئی ۔ تاریخ بلوچ و بلوچستان جلد ششم۔ بلوچی اکیڈمی 1995 ص نمبر 12-311
69	میر گل خان نصیر، تاریخ بلوچستان قلات پبلشرز کوئٹہ 1993ء ص نمبر 202
70	سید محمود شاہ بخاری، تاریخ بلوچستان بک ہینڈ کوئٹہ۔ 1981ء ص نمبر 317
71	احمد یار بلوچ، مختصر تاریخ قوم بلوچ و خوانین بلوچ ص نمبر 21
72	محمد سعید دہوار۔ تاریخ بلوچستان النساء ٹریڈرز 1990ء ص نمبر 679
73	نصیر خان احمد زئی۔ تاریخ بلوچ و بلوچستان جلد ششم۔ بلوچی اکیڈمی 1995ء ص نمبر 314
74	ایضاً ص نمبر 15-314
75	میر گل خان نصیر۔ تاریخ بلوچستان ۔ قلات پبلشرز کوئٹہ 1993ء ص نمبر 201

میر خدائیداد خان دورِ ثانی 1864ء تا 1893ء

پس منظر:۔

انگریزوں کو اپنے مفادات کے حصول کے لئے تخت بلوچستان پر ایک ایسے شخص کی تعیناتی کی ضرورت تھی جس کو وہ اپنے مقاصد میں استمال کر سکیں اور ان مقاصد کے حصول کے لئے مقامی حکمرانوں کی خوشنودی ضروری تھی لیکن شیر دل خان انگریزوں کے خواہشات کے مطابق ان کے احکامات کی تکمیل نہیں کر رہا تھا لہذا اس کے بارے میں انگریزوں کی رائے بھی بدل گئی۔ اور انگریزوں نے دوبارہ خدائیداد خان کی تعیناتی کو ضروری سمجھا اب کی بار انگریزوں کی کوشش ہی تھی کہ خدائیداد خان کی مکمل طور پر اپنے قابو میں رکھا جائے اور خدائیداد خان کا ہر عمل ان کی منشا و مرضی کے مطابق ہو اسی دوران بلوچستان کے معاملات میں انگریز دو گروپوں میں منقسم تھے ایک گروپ جو سندھ میں تعینات تھا عدم مداخلت کی پالیسی پر گامزن تھا اور انگریزی مفادات کے حصول کے لئے خان کے ہاتھ مضبوط بنانا چاہتا تھا جبکہ دوسرا گروپ جو کہ پنجاب میں تعینات تھا وہ خان کے ماتحت علاقوں میں براہ راست مداخلت کرنے کا حامی تھا اور انگریزوں کی توسیع پسندانہ پالیسی (Forward Policy) کو ہر طریقہ سے آگے بڑھانے کا خواہشمند تھا یہ گروپ مقامی حکمرانوں کے اختیارات کم سے کم کرنے کا حامی تھا اور حکمرانوں کی بجائے وہ سرداروں کے ہاتھ مضبوط کرنے اور انہیں اپنا ہمنوا بنانے کے خواہشمند تھے جب خدائیداد خان دوبارہ برسر اقتدار آیا تو اس وقت انگریزوں کے یہ دونوں گروپ اپنی اپنی

پالیسیاں بلوچستان کی سیاست پر غالب کرنا چاہتے تھے پنجاب کی توسیع پسندانہ عزائم رکھنے والا گروپ اپنے مقاصد کی تکمیل میں بالاخر کامیاب ہوا۔ لہذا ان حالات نے ثابت کر دکھایا کہ خدائیداد خان کی دوبارہ تخت نشینی ان کے حق میں بہرہ ور ثابت ہوا لہذا خدائیداد خان روز بروز انگریزوں کے بچھائے ہوئے جال میں پھنستا چلا گیا۔

ان حالات کے تحت کھوئی ہوئی حکومت تو خان خدائیداد خان کو مل گئی اور کچھ عرصے تک فضا خوشگوار رہی اور ملک میں امن وسکون رہا مگر ایک مختصر عرصے کے لئے کیونکہ انگریز اور ان کے چند حمایتی اندرونی طور پر خان اور قبائلی سرداروں کے درمیان غلط فہمی پیدا کرنے میں شب وروز کوشاں رہتے تھے اس لئے امن وامان اور صلح وآتشی کی فضا پھر مکدور ہو کر رہ گئی۔ خان خدائیداد خان کو اس واقعہ سے جو اسکے ساتھ پیش آیا کافی تجربہ ہو گیا دوبارہ خان منتخب ہوتے ہی انہوں نے سب سے زیادہ زور اپنی ریاست کو منظم ومالی استحکام نجی تربیت پر دیا۔ انگریزوں اور سرداروں کے اس عمل نے خان خدائیداد خان کو بیدار کر دیا لہذا انہوں نے اپنے مالی استحکام کی طرف توجہ دینا شروع کر دیا۔ بقول احمد یار بلوچ کے کہ'' خدائیداد خان کے حکومتی خزانے میں 70 لاکھ روپے نقد اور تقریباً اسی قدر زر وجواہرات موجود تھے اسکے علاوہ انگریزوں کی فوجیوں کو ہٹا کر اپنی تنخواہ دار فوج قائم کی توپ خانے اور توپ چلانے والے سپاہی مقرر کئے گھڑ سواروں کا ایک رسالہ ترتیب دیا اپنے مال مویشیوں کی تعداد میں لے پناہ اضافہ کیا حکومت کی آمدن اخراجات کے لئے آڈٹ سسٹم قائم کیا اور فوج کی تربیت پر خصوصی توجہ دینا شروع کی'' (1)۔ نومبر 1864ء کو حکومت ہند نے بھی خان خدائیداد کی دوبارہ تخت نشینی کو تسلیم کر لیا اور امدادی رقم یعنی 50 ہزار روپے سالانہ جو شیر دل خان کی تخت نشینی کے دوران روک دیئے گئے تھے دوبارہ بحال کر دیئے۔ جھالاوان کے علاقے باغبانہ میں میر کمال ایلتازئی کی جائیداد غازی میر نصیر خان دوئم کے زمانے سے جام میر خان اور خان

کے درمیان زیر تنازعہ چلی آ رہی تھی جام میر خان، میر کمال خان ایلتازئی کی بہن بی بی نور بی بی کے بطن سے تھا اب وہ میر کمال خان ایلتازئی کی جائیداد سے اپنے حصے کا مطالبہ کر رہا تھا لہذا میر شیر دل خان کے ایک سالہ دور حکومت میں جام میر خان نے موقع پا کر اس جائیداد پر قبضہ کر لیا۔(2)

لاسیوں اور مینگلوں کی بغاوت

''خان خدائیداد خان نے 1864ء میں میر کمال خان ایلتازئی کی باغبانہ کی جائیداد کو دوبارہ ضبط کر لیا جو جام موصوف کے قبضہ میں تھی'' (3)۔ الغرض 1865ء میں جام میر خان اور سردار نور الدین مینگل کے مابین جاگیر کے تنازعہ پر خان سے محاذ آرائی شروع ہوئی۔ نور دین مینگل جو اگرچہ خان کا حامی تھا مگر اپنی کماحقہ عزت افزائی نہ ہونے پر ناراض ہو کر قلات چلا گیا۔ جام میر خان نے میر نور دین مینگل کو اپنے ساتھ ملا لیا اور متنازعہ جاگیر پر حملہ کر دیا خان نے بھی ایک لشکر اپنے وزیر شاغاسی ولی محمد کی قیادت میں مقابلے پر بھیج دیا خضدار کے قریب سور گز کے مقام پر لڑائی ہوئی لہذا جام لسبیلہ اور نور دین مینگل کے لشکر کو شکست ہوئی اور دونوں گرفتار کر لئے گئے (4)۔ اسی دوران جام میر خان اور سردار نور دین مینگل خان جب خان سے لڑنے نکلے تو انہوں نے آزاد خان نوشیروانی کو اپنے لشکر میں شامل ہونے کی دعوت دی سردار آزاد خان اپنے لشکر کے ساتھ ان کی مدد کو روانہ ہوا اسی اثناء میں آزاد خان کو ان دونوں سرداروں کی شکست کی خبر ملی تو وہ ڈر کر فرار ہوا اور قندھار میں دوبارہ پناہ لی (5) چنانچہ موسم گرما قلات میں گزارنے کے بعد خان میر خدائیداد خان کچھی گئے تو جام میر خان اور سردار نور دین کو بطور قیدی اپنے ساتھ گنداوہ کیمپ میں رکھا۔ سردار ملا محمد رئیسانی اور سردار تاج محمد زرک زئی، خان سے ملنے کے لئے گنداوہ آئے جس طرح کی خاطر و مدارت کی وہ خان سے توقع رکھتے تھے

ان کی وہ خاطر مدارت نہ ہوسکی خان کے سرد مہری سے وہ زیادہ ڈر گئے اور خان کی نیت پر شک کرنے لگے (6)۔ ہنری گرین، سردار تاج محمد کے متعلق لکھتا ہے کہ "ایک چیز شک وشبہ سے بالا ہے کہ ایشیا کے کسی دربار شاہی میں اس سے زیادہ سازشی نہیں تھا جب تک وہ آزاد رہا خان معظم کی شخصیت وحیثیت محفوظ نہیں رہ سکتی تھی" (7)۔

خان اور سرداروں میں ایک بار پھر بداعتمادی کی فضاء

میر محراب خان کے دور میں دربار کے ملازموں کے مزاج میں خاصی تبدیلی واقع ہوئی تھی ان کی ملازمتیں پرانی ہونے اور ترقی حاصل کرنے کے بعد ان میں ایک دوسرے کے خلاف رقابتوں کے جذبات جنم لیتے تھے اور وہ ایک دوسرے کے دشمن بن جاتے تھے لہٰذا اپنی روایت کے مطابق میر خدائیداد خان کے دور حکومت میں شاغاسی ولی محمد اور کماندار شیر خان کی آپس میں رقابت چل پڑی کیونکہ کماندار شیر خان جس نے میر شیر دل خان کو قتل کیا تھا اس کی خواہش تھی کہ اس خدمت کا اسے صلہ ملے اور اسے میر خدئیداد خان، شاغاسی ولی محمد کی جگہ وزیر مقرر کردے" (8)۔ اس بارے میں سرداروں کی رائے بھی یہی تھی انہوں نے میر خدائیداد خان سے کہا کہ شاغاسی کے ساتھ آپ کی ہر روز کی خفیہ ملاقاتوں سے ہمیں دشمنی کی بو آتی ہے اگر ہم حسب سابق آپ کے ساتھ مخالفانہ رویہ اختیار کریں تو یہ مناسب نہ ہوگا اور اگر خاموش بیٹھے رہے تو شاغاسی سے ہمیں ہر وقت نقصان کا خطرہ لگا رہے گا۔ اگر آپ ہم کو اپنا خیر خواہ سمجھتے ہیں اور ہم سے بدی کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے تو شاغاسی کے ساتھ خفیہ ملاقاتوں کا سلسلہ بند کردیں اور اسے برطرف کردیں (9)۔ گو کہ کماندار شیر خان کی بھی یہی خواہش تھی کہ اسے شاغاسی کی جگہ وزیر بنایا جائے مگر خان خدائیداد خان کو اس پر اعتماد نہ تھا بے اعتمادی کی وجہ یہ تھی کہ وہ سردار ملا محمد رئیسانی اور سردار تاج محمد زرک زئی کا معتمد تھا اور دوسری بے اعتمادی کی وجہ

یہ تھی کہ وہ بغیر کسی مزاحمت کے قلات کی حکومت شیر دل خان اور ملا محمد رئیسانی کے حوالے کردی تھی اور تیسری وجہ کماندار شیر خان اپنی سرداروں کی سازشوں میں شریک ہو کر میر شیر دل خان کو موت کے گھاٹ اتار چکا تھا یہ ایک ناقابل اعتماد شخص تھا بلا خان خدائیداد خان اس پر کیسے بھروسہ کر سکتا تھا۔ چنانچہ خان نے ان کے اس مطالبے کو نظرانداز کردیا(10)۔ سرداروں کے ساتھ خان کے اختلافات سے کمانڈر شیر خان نے خوب فائدہ اٹھایا سردار ملا محمد اور سردار تاج محمد کو یقین دلایا کہ خان انہیں گرفتار کریں گے دونوں سردار پہلے سے ہی مشکوک تھے شیر خان کی باتوں پر انہوں نے اعتبار کیا چند دنوں کے بعد یہ دونوں سردار پھر خان سے ملنے گئے اور خان کو شاغاسی ولی محمد کے خلاف اکسانے کی کوشش کی اور انہیں وزارت سے ہٹانے کے لئے درخواست کی مگر خان نے شاہ غاسی ولی محمد کی طرف سے انہیں اطمینان دلایا اور ان کی اس رائے کو ماننے سے انکار کیا۔ سردار ملا محمد اور سردار تاج محمد کی باتوں سے خان اور شاغاسی ولی محمد کو اندازہ ہو گیا کہ یہ شرارت کمانڈر شیر خان کی ہے چنانچہ اس دن سے اسکی حرکتوں پر کڑی نگرانی رکھی جانے لگی کماندار شیر خان بھی حالات بھانپ گیا کہ اس پر کبھی نہ کبھی وار کیا جائے گا لہذا ان حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے اس نے اپنے زیر کمان پلٹن پٹھان سپاہیوں کو اپنے ساتھ ملا لیا اور انہیں ہر دم تیار رہنے کی ہدایت دی اور بعدازاں یہ سازشی ملا محمد اور تاج محمد کے ساتھ مل کر خان کو قتل کر دینے کا منصوبہ بنایا سردار تاج محمد کی بیٹی سے خان مصطفٰے خان نامی ایک خورد سالہ بیٹا تھا جو سردار تاج محمد کا نواسہ تھا۔ سرداروں کے درمیان خفیہ تجویز یہ ہوئی کہ خان خدائیداد کو قتل کر کے ان کے بجائے میر مصطفٰی خان کو خان آف قلات مقرر کیا جائے چونکہ وہ خورد سالہ ہے لہذا ان بلوغت تک پہنچنے تک سردار ملا محمد اور سردار تاج محمد زرک زئی اس کے سربراہ اور کمانڈر شیر خان کو وزیر مقرر کیا جائے گا لیکن اچانک اسی دوران فقیر محمد اور ایڈ جوائنٹ محمد یار جو اس وقت کمانڈر شیر دل خان کے ہم زاد تھے ان میں

ان بن ہوگئی فقیر محمد اور یار محمد نے فوراً شاغاسی ولی محمد کے پاس جا کر کمانڈر شیر خان اور سرداروں کی سازش کو فاش کر دیا اور پھر اسی دن خان کے حکم سے فوج کا ایک دستہ لے کر کمانڈر شیر خان اور اسکے طرف دار سپاہیوں کو غیر مسلح کر دیا کمانڈر شیر خان کو اسی دن بمعہ اہل وعیال بلوچستان کے حدود سے پار کر کے چھوڑ دیا گیا سردار ملا محمد راز فاش ہونے کی خبر پاتے ہی جان بچا کر مٹھڑی چلا گیا لیکن سردار تاج محمد زرک زئی نے اس موقع پر بھاگ جانے کو مناسب خیال نہیں کیا وہیں شہر سے باہر کیمپ میں حالات کی رفتار کا مشاہدہ کرتا رہا(11)۔

سردار تاج محمد زرک زئی اس دفعہ خان خدائیداد کو قتل کرنے کا پکا ارادہ کر چکا تھا اسی دوران جام میر خان اور سردار نور دین مینگل جو گنداوہ میں نظر بند تھے تاج محمد نے خفیہ تعلقات پیدا کیے اور ان کے ساتھ ساز باز شروع کر دیئے اور جام میر خان اور سردار نور دین مینگل کو ایک خط لکھا اور اپنے ساتھ شامل ہو جانے کی دعوت دی تا کہ خان خدائیداد خان کو قتل کر سکے جو شخص یہ خط لے کر جا رہا تھا اسے پہرہ داروں نے پکڑ لیا اس نے پہرہ داروں کو پیسے دے کر جان چھڑالی خط کمالی شکر خان کے ہاتھ لگا جب جام میر خان اور سردار نور دین کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو وہ بہت گھبرا گئے اور خان کو اطلاع دے دی کہ سردار تاج محمد جان بوجھ کر اپنی سازش میں ان کو شامل کر رہا ہے(12)۔

الغرض 1866ء شاغاسی ولی محمد فوج کا ایک دستہ ساتھ لے کر سردار تاج محمد زرک زئی کی گرفتاری کو نکلا اور بغیر کسی مزاحمت کے سردار تاج محمد گرفتار ہو گیا اور خان نے اسے جیل خانہ میں ڈال دیا سردار تاج محمد کی گرفتاری کے بعد سردار ملا محمد رئیسانی کی گرفتاری کے لئے فوج کا ایک دستہ مٹھڑی بھجوا دیا گیا لیکن سردار ملا محمد تاج محمد کی گرفتاری کی خبر سن کر قندھار فرار ہو چکا تھا سردار ملا محمد کی تمام جائیداد کو ضبط کیا گیا اور اس کے بھائی ہیبت خان کو گرفتار کر کے خان کے پاس گنداوہ لایا(13)۔

اس دوران بلوچستان کا نظام حکومت اور امن وامان خان خدائیدادخان اور سرداروں کی آپس کی باہمی آویزشوں اور بداعتادی سے درہم برہم ہورہی تھی۔ دوردراز کے قبائل حکومت کے گرفت سے تقریباً آزاد ہو چکے تھے نیز انگریز افسروں کی بلوچستان کے دوردراز علاقوں میں بے جا مداخلت آئے دن بڑھتی جارہی تھی جیسے بلوچ قبائل کے غیور اور خودار افراد جن میں غلام حسین بگٹی جیسے مجاہد بھی تھے برداشت نہیں کرسکتے تھے مری، بگٹی اور کھیتران قبائل خان قلات کے گرفت سے تقریباً آزاد ہو چکے تھے انگریزی حکومت کے غیر ذمہ دار افسروں کی بے جا مداخلت کے خلاف پنجاب کی سرحد پر لوٹ مار اور ڈاکہ زنی کے جوابی اقدامات کررہے تھے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر شاہ محمد مری لکھتے ہیں کہ ''ادھر 26 جنوری 1867ء کو غلام حسین نے بارہ سو یا (پندرہ سو) مری بگٹی اور کھیتران تلوار باز اور نشانہ بازوں کے ساتھ ہڑند پر حملہ کردیا اس نے وہاں بہت نقصان پہنچایا اور سینکڑوں مویشی لوٹ لئے مگر انگریز بھی آرام سے نہیں بیٹھے تھے انہوں نے اپنے جاسوس داخل کردیئے انہیں غلام حسین کی حرکتوں سے باخبر کرتے تھے۔ بگٹی قبیلہ کے سردار نے میجر کوراجن پور میں خبر کردی کہ غلام حسین آفت بن کر ہڑند پر حملہ آور ہوا ہڑند پر یہ یلغار صبح کی وقت کی گئی جب چاروں طرف سے تباہ کاری کی خبر پہنچی تو گورشانی سردار غلام حیدر نے 350 لڑاکا جمع کردیئے اور ہڑند کی راہ لی۔ غلام حسین نے ہڑند چھوڑا اور پہاڑوں کی وسعتوں میں چلا گیا مگر اسکا پیچھا ہوا غلام حسین کے ساتھ 258 بلوچ شہید ہوگئے ان میں سے 93 بگٹی تھے 70 مری تھے اور 95 کیھتران تھے 24 بلوچ گرفتار ہوئے'' (14)۔ جب سنڈیمن ہڑند کی طرف جارہا تھا تو ایک گورشانی سوار تیزی سے گھوڑا دوڑاتے ہوئے اس کی طرف آیا اسے بولنے میں بہت مشکل ہورہی تھی مگر وہ اس قدر ہکلا کر بولا کہ یہ ''غلام حسین کا سر'' اور اس نے اپنے گھوڑے کا توبرا الٹ دیا ایک آدمی کا سر نیچے زمین پر لڑھکنے لگا پوچھنے پر اس نے بتایا کہ

مجھے خدشہ تھا کہ میرے اس دعویٰ پر کوئی بھروسہ نہیں کریگا کہ غلام حسین کو میں نے قتل کیا ہے اس لئے اس کا سر کاٹ کر ثبوت کے طور پر لایا ہوں (15)۔ اس لشکر کشی کا جو بھی مقصد رہا ہو مگر نتیجہ صفر رہا بلکہ اس لشکر کشی کے نتیجے میں مری، بگٹی اور کھیتر ان قبائل کے ساتھ سرداروں کو رابرٹ سنڈیمن ڈپٹی کمشنر ڈیرہ غازی خان سے امن وامان کا معاہدہ کرنا پڑا اور ڈیرہ غازی کی سرحد پر واقع بلوچستان کے علاقے خان قلات سے کٹ کر بالواسطہ طور پر انگریزوں کی علمداری میں چلے گئے جس سے خان آف قلات کے اقتدار کو زبردست دھچکا پہنچا ان علاقوں پر پہلے بھی خان کا حکم برائے نام ہی چلتا تھا اور اب تو بالکل ہی یہ قبائل خان کی گرفت سے آزاد ہو گئے (16)۔ اس واقعہ کے بعد انگریزوں نے خان کو تاکید کی کہ وہ سرحدوں پر اس قسم کے واقعات کا سدباب کرے لیکن خان نے انگریزوں کو جواباً لکھا کہ ان علاقوں کے لوگ اس قدر حکومت قلات سے باغی ہو چکے ہیں کہ وہ ان کی ذمہ داری نہیں لے سکتے (17)۔ اسی سال اگست 1867ء میں سردار تاج محمد زرک زئی قید خانے بمقام قلات میں فوت ہوا اس کی موت پر بہت سی چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ بعض کا خیال ہے کہ خدائیداد خان نے اپنے ہاتھ سے اس کا گلہ گھونٹ دیا ہے (18)۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اسے زہر دے کر مارا گیا ہے۔ لیکن میر نصیر خان احمد زئی لکھتے ہیں !''درحقیقت سردار تاج محمد کو جوانی سے پتہ کی بیماری تھی لہذا دوران قید ان پر پتے کا درد کا دورہ پڑا۔ شدید درد کی حالت میں پتہ پھٹ گیا اور ان کی موت واقعہ ہوئی۔(19) ان کی موت کے بعد انگریزی حکومت کا نمائندہ مسٹر ایچ گرین نے جو ذاتی طور پر خان میر خدائیداد خان کا مخالف تھا اس سلسلے میں تحقیقات کی تو اسے زہر دینے یا گلا گھونٹ کر مار دینے کا کوئی ثبوت نہ مل سکا اور اس کی موت بیماری سے ثابت ہوئی (20)۔

خان خدائیداد خان کا خاران پر حملہ

خاران پر حملے کی درج ذیل وجوہات تھیں۔

1	خاران کے سردار میر آزاد خان نوشیروانی نے کئی جائیدادوں پر قبضہ کر لیا تھا۔
2	پنجگور کے باشندوں پر ظلم وستم کرتا تھا اور علاقے میں آ کر مار دھاڑ کر کے لوگوں کے مال مویشیوں کو لوٹتا تھا۔
3	اس نے پنجگور کے علاقے میں دو قلعے تعمیر کئے تھے جہاں اسکا لشکر پناہ لیتا تھا۔
4	سراوان میں قمبرانی قبیلہ کی جائیداد اگرچہ علاقہ خاران میں تھیں مگر ان کے مالیہ خان آف قلات وصول کرتا تھا بعد ازاں آزاد خان نے اس مالیہ پر اپنا حق سمجھتا تھا اور اس مالیے کے دینے سے انکار کر دیا تھا۔
5	میر آزاد خان درحقیقت خان آف قلات میر خدائیداد کا ابتداء ہی سے مخالف تھا اور وہ بلوچی حکومت سے ہمیشہ باغی رہتا تھا اور افغانستان کے علاقے قندھار میں جا کر ہمیشہ حکومت افغانستان کو بلوچستان پر حملے کے لئے اکسایا کرتا تھا۔
6	سردار آزاد خان سراوان کے بڑے سردار ملا محمد رئیسانی اور جھالاوان کے بڑے سردار تاج محمد زرک زئی اور لس بیلہ کے جام میر خان کے ساتھ مل کر امیر بلوچستان کے خلاف بغاوت کی آگ بھڑکا رہا تھا اور اس طرح سازشوں کے جال بُن رہا تھا۔(21)۔
7	سردار آزاد خان اپنی بیٹی بی بی مہناز جو کہ نصیر خان دوئم کی بیوہ تھی اسے واپس قلات آنے نہیں دیتا تھا۔(22)۔

الغرض ان وجوہات کی بناء پر آزاد خان نوشیروانی کو راہ راست پر لانے کے لئے خان خدائیداد خان نے داروغہ عطا محمد کو 25 اگست 1867ء کو ایک عظیم لشکر دے کر خاران کی تباہی اور بی بی مہناز کو حاصل کرنے کے لئے روانہ کیا۔(23) دوسری طرف شاغاسی غلام جان کو دستہ جھالاوان سے لشکر دے کر واشک اور خدا بادان (پنجگور) پر قبضہ

کرنے روانہ کر دیا گیا۔شاغاسی غلام جان داروغہ عطاء محمد اور نائب عبدالعزیز نے اپنے دوطرف حملوں سے خاران کی اینٹ سے اینٹ بجادی بے شمار لوگوں کو گرفتار کیا اور مال و املاک کولوٹا گیا آخر کار میر آزاد خان نے اپنی شکست تسلیم کر لی اور میر خدائیداد خان کی قیادت قبول کی جوں ہی قلات کی افواج خاران سے نکل گئیں تو میر آزاد خان پھر اپنے وعدہ سے منحرف ہوا حالانکہ اس نے اپنے بھتیجے مہر اللہ خان اور دیگر افراد کو یرغمال کے طور پر قلات کے افواج کے ساتھ کر دیا تھا انکی بھی پرواہ نہیں کی اور ایران کی جانب فرار ہوا (24)۔ میر نصیر خان احمدزئی سردار آزاد خان نوشیروانی کے متعلق انگریز معتبرین کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: ”حکومت بلوچستان میں تمام بغاوتوں کی جڑ سردار آزاد خان اور جام میر خان تھے یہ دونوں سردار بلوچستان کی مسند حکمرانی حاصل کرنے کے آرزومند تھے ہمیشہ اور امیر بلوچستان اور اسکے دیگر سرداروں کے درمیان تنازعات سے فائدہ اٹھانے کو تیار تھے ہمیشہ امیر بلوچستان کو گرانے کے لئے سرداروں کی طرف داری کیا کرتے تھے یہ زیادہ تر ان دونوں کی سازشوں کا نتیجہ تھا امیر اور دیگر سرداروں کے درمیان اختلافات ختم ہونے کی بجائے بڑھتے جارہے تھے اگر کوئی تنازعہ ختم ہوتا تھا تو یہ دونوں کوئی نیا جھگڑا کھڑا کر دیتے تھے“ (25)۔اسی دوران جام میر خان اور سردار نوردین نے جواب تک خان کی قید میں تھے خان نے انہیں رہا کر دیا نے میر کمال خان ایلتازئی کی جائیداد واقع باغبانہ کو واپس کر دیا (26)۔

قبیلہ رستم زئی کی بغاوت

”گرمیوں کے موسم میں قبیلہ رستم زئی کے لوگوں نے فتنہ وفساد برپا کیا اور ان کے اس فتنہ کو دبانے کے لئے عبدالعزیز نائب مستونگ شکر خان کمانی اور حیات خان رسالدار مامور کیے گئے۔ روستم زئی اپنے قلعے میں محصور ہوئے۔حبیب خان اس اس کا بیٹا راوت خان مدد لانے کے لئے مرو اور اسپلنجی گئے ہوئے تھے وہاں سے واپس ہوکر

جب وہ اپنے قلعے کی طرف آرہے تھے کہ اچانک رسالہ کے سواروں کے ساتھ ان کی مڈبھیڑ ہوگئی رسالہ نے ان پر حملہ کر دیا لڑائی کے نتیجے میں حبیب خان اور اسکا بیٹا راوت خان کچھ دوسرے سواروں کے ساتھ مارے گئے رسالہ کی طرف سے بھی ایک دو آدمی مرے اور زخمی ہوئے" (27)۔ حبیب خان کے قتل ہوتے ہی سارے ساروان میں بغاوت کی آگ بھڑک اٹھی سردار ملا محمد رئیسانی بھی افغانستان سے بلوچستان پہنچے اور سردار اللہ ڈنہ کرد وڈیرہ آدم خان بنگلزئی اور سردار محمد خان لہڑی کو ساتھ ملا کر 1867ء میں خدائیداد کے خلاف بغاوت کا اعلان کیا نرمک کے قریب شاغاسی ولی محمد اور سرداروں کے درمیان خونریز تصادم ہوا جس میں سرداروں کے لشکر کو شکست ہوئی سردار محمد خان لہڑی گرفتار ہوا جبکہ ملا محمد رئیسانی اور اللہ ڈنہ کرد فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے اسی دوران سردار آزاد خان نوشیروانی نے ایک قریبی رشتہ دار میر بلوچ خان نوشیروانی نے سوراب پر حملہ کیا حتیٰ کہ پورے ساراوان اور خاران میں بغاوت کی آگ بھڑک اٹھی تھی میر خدائیدا خان نے داروغہ عطا محمد کو ایک لشکر دے کر خضدار بھیجا جس نے اس مقام کو اپنا ہیڈ کوارٹر بنا کر متاثرہ علاقوں کی نگرانی شروع کی نرمک کی لڑائی کے بعد باغی سرداروں کو گوندلان کے مقام پر شکست ہوئی سردار محمد خان لہڑی بھاگ میں بحالت قید فوت ہوئے (28)۔

سرداروں اور خان کے درمیان
عارضی صلح کی کوشش اور انگریزوں کی ثالثی

سردار ملا محمد رئیسانی اپنے ساتھیوں سمیت مری کے علاقے میں پناہ گزین ہوا مریوں نے اسے پناہ تو دی لیکن خان کے خلاف جنگ پر آمادہ نہ ہوئے یہاں سے ناامید ہوکر ملا محمد انگریزی حکومت کے نمائندہ جیکب آباد سے درخواست کی کہ وہ ان کے اور

خان خدائیداد خان کے درمیان صلح کرائے انگریزی حکومت کے نمائندہ سر ایچ گرین نے انہیں لکھا اگر وہ انگریزی حکومت کے فیصلے پر کاربند رہیں گے تو انگریزی حکومت ثالث کا کردار ادا کرے گی۔ سردار ملا محمد کی طرف سے یقین دہانی پر انگریزی حکومت نے خان کو لکھا چنانچہ خان نے بھی انگریزوں کی ثالثی قبول کر کے شاغاسی ولی محمد کو جواب تک بھاگ میں تھا اپنا نمائندہ مقرر کر کے جیکب آباد روانہ کر دیا دوسری طرف سردار ملا محمد اپنے ساتھیوں سمیت جیکب آباد پہنچ گیا آخر کار فریقین کے درمیان جنگ نہ لڑنے کا سمجھوتہ ہوا اور یہ طے پایا کہ موسم سرما میں جب خان کچھی آئیں گے تو سمجھوتے کو مستقل شکل وصورت دینے پر غور کیا جائے گا خان کی طرف سے سردار ملا محمد اور اس کے ساتھی سرداروں کو مستقل سمجھوتہ ہونے تک بی کے افغانی علاقہ میں رہنے پر اعتراض نہیں ہوگا اس سال کچھی میں قحط اور غیر آبادی کی وجہ سے موسم سرما میں خان کچھی نہیں گئے لہذا اس طرح مستقل سمجھوتے کی شرائط پر غور وغوض کا جلد موقع نہ آیا شاغاسی ولی محمد موسم سرما کچھی میں گزار کر واپس قلات چلا گیا (29)۔

گو کہ انگریز ایک جانب ثالثی کا کردار ادا کر رہے تھے تو دوسری جانب ان کی پالیسی یہ تھی کہ اندرونی طور پر حکومت قلات کو کمزور کر کے بلوچستان پر عملاً قبضے کو مستحکم کیا جاسکے تاکہ آنے والے وقتوں میں اس پورے خطے پر ان کا قبضہ مستحکم ہو اور ان کی فارورڈ پالیسی روسی سرحدوں تک پہنچ کر روس کے بڑھتے ہوئے قدموں کو روک دیں۔ اس مقصد کی خاطر انگریزوں نے "1868ء" میں جام لس بیلہ میر خان کو بغاوت پر دوبارہ خدائیداد خان کے خلاف اکسایا۔ سردار نوردین مینگل بھی جذبات کی رو میں بہہ کر جام میر خان کا ساتھ دیا اور ساتھ میں میر آزاد خان نوشیروانی اور بلوچ خان نوشیروانی بھی جام کی مدد پر کمربستہ ہو گئے۔ جام میر خان قبیلہ مری اور گورنر کیچ کو اپنے ساتھ شامل ہونے کی دعوت دی۔ مگر قبیلہ مری اور گورنر مکران میر فقیر محمد بزنجو نے باغیوں کا ساتھ دینے سے

انکار کیا۔ اس بار ساراوانی سرداروں نے اس بغاوت میں حصہ لینے سے انکار کیا(30)۔
باغیوں نے اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ خضدار کا رخ کیا ان سے نمٹنے کی خاطر
خان خدائیداد خان بھی اپنے لشکر کے ساتھ باغبانہ کی طرف بڑھا ستمبر 1868ء میں چک
کوہ کے درے کے قریب دونوں افواج میں لڑائی ہوئی لیکن اس لڑائی میں کوئی خاص جانی
نقصان نہیں ہوا سراوانی سرداروں میں سے صرف اللہ ڈنہ کرد نے باغیوں کا ساتھ دیا جبکہ
سردار ملا محمد رئیسانی صلح کرنے کی کوشش کرتے رہے اسی کوشش کے تحت دونوں لشکر کے
درمیان ذیل معاہدہ طے پایا۔

1۔ جام میر خان اپنے لشکر کو منتشر کر کے بیلہ چلا جائیگا۔

2۔ جتنے افراد فریقین اس لڑائی میں گرفتار ہوئیں انھیں رہا کیا جائے۔

3۔ جاگیر متنازعہ باغبانہ کی جاگیر کا تصفیہ بھی سرداران سراوان کے معاملہ میں
انگریزی حکومت کے نمائندے کی مجوزہ آمد کے موقع پر کیا جائیگا فریقین ان شرائط پر دستخط
کر کے منتشر ہو گئے(31)۔

''فروری 1869ء میں انگریزی حکومت کی طرف سے کیپٹن ہیریسن قلات
میں پولیٹکل آفیسر مقرر ہو کر آیا تو اس موقع پر قبائلی اور علاقائی سرداروں نے مل کر اس
کے پاس خان کی سخت شکایت کی اور اپنے گزشتہ مطالبات کا اعادہ کیا جس میں دستور
حکومت کی بحالی کے علاوہ دوبارہ فوج توڑ دینے پر زور دیا گیا تھا'' (32)۔

سرداروں کے مطالبات

سردار ملا محمد رئیسانی جام میر خان اور سردار نور دین مینگل نے کپتان ہریسن
سے مل کر مندرجہ ذیل مطالبات تحریری صورت میں پیش کیے۔ اور یہ طے پایا کہ

1	''میر خدائیداد خان، خان نصیر خان اوّل کے آئین اور رسوم ورواج ملک کے مطابق حکومت کرے

2	خان اپنی فوج توڑ دے چونکہ اس فوج کے اخراجات بہت بڑھ گئے تھے جو عوام ہی کو ٹیکس کی صورت میں ادا کرنے پڑتے تھے۔
3	یہ طے پایا کہ خان خدائیداد، سردار تاج محمد زرک زئی اور ان تمام دوسرے سرداروں کا جو اس کے ہاتھوں قتل ہوئے یا اس نے قتل کروائے ان کا خون بہا اور ان کے تمام ضبط شدہ جائیدادوں کو واگذار کرے۔
4	خان خدائیداد خان اپنے بیٹے کو سردار زہری مقرر کرنے کا ارادہ ترک کردے۔
5	ریاست قلات کا وزیر مقرر کرنے کا حق صرف سرداروں کو ہوگا۔
6	شاغاسی ولی محمد (موجودہ وزیر) کو برطرف کردیا جائے۔

خدائیداد خان چونکہ وفاق کے آئین کی خلاف ورزی کر کے ہمارا دشمن بن چکا تھا لہٰذا آئندہ انگریزی حکومت کے معاہدات صرف ایک فرد خدائیداد خان کے ساتھ نہ ہوں بلکہ اس کے ساتھ بحیثیت کانفیڈریسی کے سربراہ (HEAD) کے ہوں" (33)۔

18 مئی کو کپتان ہریسن قلات پہنچا اور اسی دن اس نے خان سے ملاقات کی خان نے سرداروں کے ساتھ صلح کرنے کا ان کو اختیار عطا کیا اور ہریسن کو یہ مشورہ بھی دیا کہ وہ سرداروں کو اطلاع کرے کہ وہ صرف چند آدمیوں کے ساتھ قلات آجائیں اور مزید کہ وہ سرداروں کی ان تمام خطاؤں کو معاف کردیں گے اور ان کی زمین جائیداد بھی ان کو واپس دے دیں گے۔ چنانچہ ہریسن نے سرداروں کو زہری کے مقام یہ تمام اطلاعات دے جو وعدہ کے مطابق ہریسن کے جواب کے منتظر تھے (34)۔

ہریسن نے ایک خط کے ذریعے انہیں ہدایت کی کہ وہ اگر خان کے ساتھ سمجھوتہ کرنے پر رضامند ہو تو تم اپنے بقایا لشکر کو منتشر کر کے چند آدمیوں کے ساتھ قلات آئیں لیکن سرداروں کو خان خدائیداد خان کے باتوں پر اعتماد نہ تھا وہ پورے لاؤلشکر کے ساتھ کپوتو کے پہاڑوں پر مورچہ بند ہو گئے آزاد خان نوشیروانی بھی یہیں پر ان کے ساتھ آ

ملا۔ جب ہریسن کو ان حالات کا علم ہوا تو وہ سرداروں کے پاس پہنچے اور انہیں خبردار کیا کہ اگر ان کا رویہ تبدیل نہ ہوا تو خان خدائیداد خان ان کے ساتھ سخت سلوک کرے گا دوسری طرف سے شاغاسی ولی محمد اور داروغہ عطا محمد نے خان کے حکم سے اپنے لشکر کے ساتھ حسن لالو کے مقام پر مورچہ بندی کی سرداروں نے ایک طرف ہریسن کے رویے سے اور دوسری طرف خان کی لشکر کشی کی خبر سن کر پریشان ہو گئے اور اپنے لشکر کو منتشر کرنے پر رضا مند ہو گئے۔ اور ساتھ ہی ملا محمد رئیسانی کو اپنا نمائندہ بنا کر قلات بھیج دیا۔ سردار ملا محمد نے خان خدائیداد خان سے ملاقات کر کے سرداروں کے مطالبات سے اسے آگاہ کیا۔ اس موقع پر ملا محمد رئیسانی کا رویہ انتہائی اشتعال انگیز اور توہین آمیز تھا ان کے مطالبات کا جواب دیتے ہوئے خان نے کہا۔

1	”اگر آپ سردار کچھ حاصل کرنا چاہتے ہو تو مہذبانہ طور طریقہ اختیار کرو آپ کے تمام وراثتی حقوق واپس کر دیئے جائیں گے۔
2	انعامی جاگیریں بغاوت کے جرم میں ضبط کر لی گئیں ہیں اس صورت میں یہ جاگیریں لوٹا دی جائیں گی بشرطیکہ سردار اپنے نیک نیتی کا ثبوت دیں۔
3	چونکہ سردار تاج محمد زرک زئی سردار محمد خان لہڑی جیل میں اپنی موت مرے ہیں دیگر سردار میدان جنگ میں مرے ہیں ان کے لئے ایک پیسہ بھی خون بہا نہیں دیا جائے گا۔
4	میں امیر بلوچستان کہتا ہوں کہ اگر سردار پرامن اور مخلص اور نیک نیت رہیں گے تو انہیں کوئی خوف نہیں ہونا چاہیے اگر انہوں نے اسی طرح بدنیتی دھمکی آمیز طریقے اختیار کیے تو ہم اقتدار قائم رکھنے کے لئے ہر اقدام کرنے کے مجاز ہوں گے“ (35)۔

ملا محمد رئیسانی شاید ان مطالبات کو تسلیم کر لیتا لیکن سردار آزاد خان نوشیروانی اور جام میر خان نے خان کے ساتھ صلح کرنے سے انکار کیا البتہ سردار اللہ ڈنہ کرد وڈیرہ آدم خان بنگلزئی اور دیگر معتبرین نے خان کی شرائط کو قبول کیا اور سرداروں کے لشکر سے علیحدہ

ہو گئے چنانچہ اکتوبر 1869ء میں جام میر خان اور سردار نور دین مینگل نے خان کے خلاف بغاوت کی لیکن کمشنر میر ویدر اور شاغاسی ولی محمد کے وڈھ اور بیلہ پر حملے کا سن کر نورالدین مینگل اور جام فرار ہو گئے شاغاسی کے لشکر نے وڈھ کو تہہ بالا کر دیا دوسری طرف داروغہ عطا محمد نے بیلہ پر حملہ کر دیا۔ داروغہ عطا محمد اور شاغاسی ولی محمد نے ان دونوں کا پیچھا کیا جام میر خان اپنے اہل وعیال سمیت کمشنر سندھ میر یویدر کے پاس پہنچا کمشنر میر یویدر نے انہیں گرفتار کر کے حیدر آباد میں نظر بند کر دیا سردار نور دین مینگل بیلہ سے نکل کر پہلے ساراوان پہنچا وہاں سے خاران اور بعد آزاں قندھار چلا گیا شاغاسی ولی محمد نے لسبیلہ پر قبضہ کیا مارچ 1870ء میں شاغاسی غلام جان اور کمانی شکر خان کو انکے لشکر سمیت بیلہ میں چھوڑ کر خود خان کے حکم سے قلات چلا آیا (36)۔

بلوچ ایرانی سرحدی تنازعہ

"19 ویں صدی کی ساتویں دہائی میں انگریز انڈو یورپین ٹیلیگراف لائن بچھانے اور بلوچوں کی طرف سے اس لائن کی حفاظت کرنے کو ایک بہانے کے طور پر استعمال کرنے کے پس پردہ ان کا اصل مقصد یہ تھا کہ بلوچستان اور ایران کے مابین سرحد کی ضاحت ہو اور پھر وہ سرحدوں کی سلامتی کا مسئلہ اٹھائے بلوچستان کی وسطی علاقوں کی طرف ایران کی بتدریج مگر مسلسل پیش قدمی کو روکنے انگریزوں کو مجبور کیا کہ وہ قلات، ایران کے سرحد متعین کرنے میں جلدی کریں مگر انگریز محض ایرانیوں کی پیش قدمی کو روکنے کی کوشش نہیں کر رہے تھے بلکہ وہ یہ منصوبہ بھی بنا رہے تھے کہ سرحد متعین کرتے وقت ایران کے ایک حصہ پر قبضہ کر لیں اور اسے خان قلات کے علاقے میں شامل کریں" (37)۔

1869ء تک حکومت ایران نے مغربی بلوچستان میں اپنا اثر ورسوخ بہت بڑھا

دیا تھا اور اپنی حکومت کے ایما پر ابراہیم خان بلوچ حاکم بمپور نے قلات کی طرف سے انڈین گورنمنٹ کے مقرر کردہ ٹیلیگراف کے عملہ کو تنگ کر کے ایرانی سرحدوں سے نکال کر وہاں قبضہ کر لیا تھا جس کی وجہ سے انڈین گورنمنٹ وہاں مداخلت کر کے ان کی جارحانہ پیش قدمی کو روکنے پر مجبور ہو گئی تھی بعدازاں ایک برطانوی و ایرانی جوائنٹ کمیشن کے تحت میجر جنرل گولڈ سمتھ جو برطانوی کمشنر کے عہدہ پر فائز تھا(38)۔

''1870ء میں انگریزی حکومت کا نمائندہ متعینہ ایرانی جنرل گولڈ سمتھ اور کیپٹن ہریسن نے خان قلات کے نمائندہ داروغہ عطا محمد اور سردار فقیر محمد بزنجو بمپور کے مقام پر یکجا ہوئے ایران کی طرف سے وزیر خارجہ مرزا معصوم خان آیا انگریزی حکومت کے نمائندوں کے زیر نگران حکومت بلوچستان اور حکومت ایران کے نمائندوں کی ایک کانفرنس منعقد ہوئی اس کانفرنس میں انہوں نے ابراہیم خان کی طرف سے بلوچ دیہاتوں پر قبضہ کرنے کا مسئلہ اٹھایا مگر ایرانی نمائندوں نے نہ صرف ان دیہاتوں کو خالی کرنے کی بات نہ مانی بلکہ سارے بلوچ علاقے کی ملکیت کا دعویٰ بھی کر دیا بمپور کانفرنس ناکامی ہو گئی۔ یہ ناکامی محض چند دن رہی کیونکہ جنرل گولڈ سمتھ نے آخر مرزا معصوم کو کیچ کے متنازعہ دیہات سے دستبردار ہونے پر رضامند کر دیا اور اسے اپنے ساتھ گوادر لے آیا گولڈ سمتھ نے گوادر میں ایک اجتماع منعقد کیا جس میں ہریسن خان قلات کا نمائندہ داروغہ عطا محمد، سردار فقیر محمد بزنجو، کیچ کے سردار میر بائیان گچکی اور پنجگور کے سردار گاجیان شامل ہوئے اور ان سب نے معاہدے پر دستخط کر دیئے''(39)۔

1871ء میں 16 اگست سے لیکر 4 دسمبر تک انگریز افسروں نے جن میں گولڈ سمتھ بھی شامل تھا تہران میں واقع میں انگلستان کے سفارتخانے میں ایرانی حکام سے مذاکرات کئے ان مذاکرات میں صرف انگریز اور ایران کے افسران شامل تھے انگریز افسروں نے ایران کے بادشاہ سے بھی ملاقات میں یہ بات کہی کہ ایران کیچ و گوادر کی

بندرگاہ سے صرف نظر کرے مگر اطوجاج، روں دشت اور کوھک کو نہ چھوڑے گولڈ سمتھ کا نقشہ منظور ہوا اور اس پر دستخط ہوئے اسطرح بلوچ علاقہ جو کہ بعد میں ایرانی بلوچستان کے نام سے مشہور ہوئے ایران کو دے دیئے گئے (40)۔

''بعد میں ایرانی اور انگریز کے نمائندوں میں اختلافات پیدا ہونے کے سبب سرحدی لائن متعین کرنے کا کام کھٹائی میں پڑھ گیا پھر 1891ء میں انگریز ایران کمیشن کے شمال میں کوہک سے جالک کے راستے ملک سیاہ کے پہاڑ تک سرحدی لائن متعین کرنے کا کام شروع کیا گیا۔ اس کمیشن کی قیادت انگریز کرنل ہولڈیچ کر رہا تھا اس میں ایران کے اہم نمائندے مرزا معصوم اور ابراہیم خان تھے مگر وہ کمیشن کے کام میں عموماً کوئی حصہ نہ لیتے تھے ایرانی کمیشن کے دوسرے اہلکار تھے جو مکمل طور پر اپنے انگریز ساتھیوں کے مشوروں پر چلتے تھے کمیشن میں انگریزی فریقین کمیشن کے ایرانی ممبروں کی لاپروائی سے فائدہ اٹھالیتے تھے۔ کمیشن کے ایرانی ممبران کو ہولڈیچ نے خرید رکھا تھا لہذا سرحدی لائن اس طرح متعین کردی کہ ماشکیل اور میر جاوہ دریاؤں کی زرخیز زمین (جن کے باشندے ایران کے تابع بلوچ تھے) خان قلات کے علاقے میں آگئی جب انگریز نے ایران کی حکومت سے پادوک (پدگ) کے قریب قلات، ایران سرحد پر سرکاری تھانے کے قیام کی اجازت حاصل کرلی تو میر جاوہ کا علاقہ 1905ء میں دوبارہ ایران کو دیا گیا مگر ماشکیل ہمیشہ کے لئے قلات میں آیا 20 ویں صدی کے اوائل میں بلوچستان آنے والی انگریز سیاح سیویڈن لینڈر نے برملا لکھا کہ ہولڈیچ نے سرحد متعین کرتے وقت کچھ آباد علاقوں کو قصداً شامل نہیں کیا جس کے نتیجے میں یہ علاقہ افغانوں، بلوچوں اور پارسیوں کے مابین دائمی جھگڑوں کا سبب بنا (41)۔

افغان سرداروں کی بلوچستان آمد

دسمبر 1869ء میں سردار سرو خان افغان اور چند دوسرے سرداروں کے ساتھ شیر علی خان اور امیر کابل سے ناراض ہو کر بلوچستان کی حدود میں داخل ہوئے خان نے ان کی بڑی عزت اور خاطر مدارت کی لیکن افغان بلوچ معاہدہ 1758 کے تحت انہیں بلوچستان میں رہنے کی اجازت نہ دی اور اس طرح یہاں سے یہ سردار ایران چلے گئے (42)۔

مٹھن کوٹ کانفرنس 3 فروری 1871ء

مشرقی بلوچستان میں قبائل کے انتظامی معاملات پر غور وفکر کرنے کے لئے ایک کانفرنس 3 فروری 1871ء کو ڈیرہ غازی خان میں ضلع مٹھن کوٹ میں طلب کیا گیا(43)۔جس کے مندوبین میں لیفٹیننٹ گورنر پنجاب ڈیوس کمشنر سندھ کرنل ولیم میری ویدر، کیپٹن رابرٹ سنڈیمن، پنجاب کا انتظامی افسر کرنل فیری اور دیگر افسران نے شرکت کیں (44)۔ اس کانفرنس میں خان قلات کی حیثیت سے متعلق کمشنر سندھ اور افسران پنجاب کے درمیان شدید اختلافات پیدا ہوئے حکومت پنجاب کے افسروں کی رائے میں خان کی حیثیت ایک مطلق العنان حکمران کی نہ تھی بلکہ وہ اسے کانفیڈریسی کا سربراہ (Head) تسلیم کرتے تھے اس لئے وہ اس پر بضد تھے کہ اب جبکہ کانفیڈریسی کے تقریباً تمام ممبر اس کے مخالف اور بغاوت پر کمر بستہ ہو چکے ہیں اور وہ تمام ملک میں ایسی ہمہ گیر بدامنی اور شورش برپاہ ہو چکی ہے۔جس کے اثرات سے پنجاب اور سندھ کی سرحدیں تک محفوظ نہیں رہیں حکومت ہند کو عدم مداخلت کی پالیسی ترک کر کے بلوچستان کے معاملات میں براہ راست مداخلت کرنی چاہیے بالخصوص کانفیڈریسی کے ان ممبران سرداروں کے ساتھ منصفانہ برتاؤ ہونا چاہیے جو حق پر ہیں پنجاب کے افسروں میں کرنل فیری سختی سے

مداخلت کرنے کے حق میں تھا اس کے رائے ''بلوچ کسی سخت اور متشدد حکومت کے مطیع نہیں ہو سکتے اور یہ نا قابل انکار حقیقت ہے کہ بلوچستان کی موجودہ حکومت سے اگر ہم اپنی امداد بند کر دیں تو ایک دن بھی قائم نہیں رہ سکتی اس لئے اس حکومت کردار کی تمام ذمہ داری ہم پر عائد ہوتی ہے لیکن سر ولیم میر یویدر کمشنر سندھ عدم مداخلت کی پالیسی کو ترک کرنے کے حق میں نہ تھا اس کی رائے میں ''سرداروں کی مدد کرنا ایک بہت بدترین غلطی ہوگی یہ ایک ایسا اقدام ہوگا جو ہم کو براہ راست خان کی مخالفت میں کھڑا کر دے گا اور ایسی پیچیدگیاں پیدا کر دے گا کہ جس سے ہم پہلے کبھی دوچار نہیں ہوئے ہیں میر یویدر کے خیال میں'' اس وقت جو چند سردار جن کی آپس میں بھی ذاتی رقابتیں ہیں طاقت کے لئے رسہ کشی کر رہے ہیں میر یویدر کی رائے'' یہ ہمیشہ سے ہوا ہے اور ہمیشہ ہونا چاہیے کہ جب تک خان ایک آزاد اور خودمختار حکمران کی حیثیت سے رہ سکتے ہیں ہم ان کی اثر رسوخ کو بڑھائیں اور ان کے ملک میں ان کی طاقت کو مضبوط کریں اس وقت زیادہ سے زیادہ جو ہم کر سکتے ہیں ان کی شکایت کا جو ان کے ملک کے بعض حصوں کی باغی رعایا جو ان کے خلاف کر رہی تھی ان کا تسلی بخش طور پر سدباب کریں۔'' میر یویدر سمجھتا تھا جب تک بلوچستان کی حکومت برطانیہ کی خواہشات کے مطابق کام کرنے کا خواہش مند ہے ہم کو اپنی اس سرحد کی حفاظت کے بارے میں سوچنے کی ضرورت نہیں جو فی الوقت ایسا ہی ہے لیکن اگر ایک دفعہ اس کی طاقت کو توڑ دیا گیا اور ملک کے کئی چھوٹے چھوٹے سرداروں کے ہاتھ میں آ گیا تو ہمیں مداخلت کی پالیسی ملک کے لئے سمندر تک اختیار کرنی پڑے گی'' (45)۔

بالآخر ایک طویل بحث و مباحثے کے بعد سر ولیم میر یویدر کی رائے کو تسلیم کر کے یہ درج ذیل فیصلے کئے گئے۔

(1) ''کیپٹن رابرٹ سنڈیمن ڈیرہ غازی سے متعلقہ بلوچستان کے علاقوں کے بھی انچارج ہونگے۔

(2) جو قبائل خان قلات کو اپنا حکمران تسلیم کرتے ہیں ان کے معاملات خان کے توسط ہی طے کئے جائیں گے۔

(3) تمام معبرین اور سرداروں کے وظائف جو انگریزی حکومت کی طرف سے مقرر تھے۔ آئندہ خان کے توسط سے دینے کا فیصلہ کیا گیا''۔(46)

مٹھن کوٹ کانفرنس کا تنقیدی جائزہ

یہ کانفرنس دراصل برطانیہ کی توسیع پسندانہ عزائم کو کامیاب بنانے اور اسے افغانستان کی سرحدوں تک پہنچانے سے متعلق تھی۔ اس کے مندوبین یا تو بلوچستان میں براہ راست مداخلت کے حامی عناصر تھے یا پھر بلوچستان کے معاملات میں عدم مداخلت کی پالیسی والے تھے ان دونوں گروپوں کا مقصد برطانوی مفادات کو تحفظ فراہم کرنا اور ہندوستان کو روس کے بڑھتے ہوئے اثر نفوذ سے بچانا اور سب سے بڑھ کر اپنی فتوحات کو توسیع دینا تھا۔ افغانستان پر اس سے قبل حملہ ہو چکا تھا۔ اور 1838ء سے 1842ء تک برطانیہ افغانستان کے دلدل میں پھنسا رہا۔ اس مختصر عرصہ میں اسے ایک غیر مستحکم قبضہ گیر کی حیثیت حاصل رہی لیکن بعدازاں اسے وہاں سے ناکام ونامراد لوٹنا پڑا۔ برطانیہ افغانستان پر قبضہ کرنا بہت ضروری سمجھتا تھا لیکن اسے تاحال اس میں کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوئی تھی۔ دوسری طرف افغانستان میں روس اپنا اثر ونفوذ بڑھا رہا تھا۔ تاکہ وہ افغانستان کے راستے ساحل مکران اور پھر اندرون ہندوستان تک اپنے قدم جما سکے۔ اس خوفناک صورتحال میں وہ ریاستیں جو ہندوستان اور روس کے درمیان میں واقع تھیں انکی اندرونی وبیرونی آزادی خطرے میں پڑ رہی تھی اور وہ شکست وریخت کا شکار ہو گئے تھے۔ لہذا بڑی طاقتیں اپنے مقاصد کے حصول کی خاطر کسی بھی چھوٹی ریاست آزاد ملک کو خاطر میں نہیں لاتے کیونکہ برطانیہ اور روس کو بھی نہ تو افغانستان کی کوئی فکر تھی اور نہ ہی بلوچستان اور سندھ کے آزاد خودمختار حکومتوں کی پرواہ تھی۔ زیادہ سے زیادہ علاقائی، جغرافیائی، معاشی اور سیاسی مفادات کے حصول کی اس دوڑ میں برطانیہ آخرکار جیت گیا۔

کیونکہ اس نے پہلے پہل بلوچستان اور سندھ کو زیر کر لیا اور اپنی سرحدیں افغانستان کے ساتھ منسلک کیں لیکن ایک طویل عرصہ تقریباً 30 سال (1842ء تا 1871ء) برطانیہ اندرون افغانستان کوئی خاص کامیابی حاصل نہ کر سکا۔ البتہ بلوچستان میں بلوچ قبائل کو آپس میں اور انہیں مقامی حکمران خانِ آف قلات کے ساتھ لڑا کر 21 سال تک خانہ جنگی کا خونی کھیل کھیلتا رہا کیونکہ ایسا کرنا برطانیہ کے لئے بہت ضروری تھا۔ اپنی قبائل کی مداخلت اور مزاحمت کی وجہ سے اب تک برطانیہ کو افغانستان میں خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں ہوسکی تھی۔ لیکن اب بلوچ حکمران کمزور ہوگئے تھے ان میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ وہ برطانوی عزائم کا راستہ روک سکتے جب برطانوی شاطروں نے یہ محسوس کیا کہ وہ اب بلوچستان کو اس حد تک کمزور کر چکے ہیں کہ وہ ان کے بڑھتے ہوئے قدموں کو روکنے کے قابل نہیں ہے۔ تو آخر کار 1871ء میں مٹھن کوٹ کانفرنس طلب کی گئی۔ جسکا مقصد بلوچستان اور یہاں کے نام نہاد آزاد حکمران خان آف قلات کا سیاسی اور جغرافیائی مقام متعین کرنا تھا۔ اور اسے بلوچستان کو عملاً برطانوی اثر میں لانے پر رضامند کرنا تھا۔ لیکن جب کانفرنس میں ولیم میریویدر کی پالیسی برائے مداخلت کامیاب ہوئی تو براہ راست مداخلت کرنے والوں کی امیدوں پر پانی پھر گیا۔ بہرحال انہوں کانفرنس کے فیصلوں کے برخلاف بلوچستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت جاری رکھی۔

ملک گیر بغاوت

خان خدائیداد خان طبیعتاً ضدی اور منتقم مزاج واقعہ ہوئے سرداروں کے رویے نے خدائیداد خان کی طبیعت کو مزید مشتعل کر دیا قبائل خدائیداد خان سے خوفزدہ تھے اور انہیں بے پناہ محبت کی ضرورت تھی لیکن اب خدائیداد خان سب کو اپنی حکمرانی کی لاٹھی سے ہانکنے کے عادی ہو چکے تھے لہذا ''1871ء کے موسم بہار میں کچھی سے براست

بولان واپس آ کر خان نے مستونگ کے مقام پر کیمپ لگایا ان کے ساتھ ایک بہت بڑا عملہ، سپاہ لشکر تھا انکے علاوہ مال مویشی کی بھی ایک بہت بڑی تعداد ساتھ تھی ان جانوروں کے لئے خان نے زمینداروں سے جبراً بھوسہ اور لوسن وغیرہ وصول کرنا شروع کر دیا کئی زمینداروں کی کئی زمینیں ضبط کی گئیں بالخصوص وہ اراضی جو خان، شیر دل خان نے کسی کو دی تھیں گزشتہ آمدنی کیساتھ واپس لے لی گئیں سرداروں معتبرین اور معززین نے زمینوں کی ملکیت کی سندیں طلب کی گئی جو سند نہ دکھا سکا اس کی زمین لے لی گئی الغرض گیر ودار کا ایک سلسلہ مستونگ میں شروع کیا گیا جو قبائل پہلے سے ڈرے اور سہمے ہوئے تھے خان کے مستونگ میں قیام کے دوران ان کے عملہ کی زیادتیوں سے پریشان اور بے چین ہوئے آخر کار آپس میں مل کر اپنے بچاؤ کی تدبیر سوچنے پر مجبور ہوئے (47)۔ اسی دوران مستونگ کے نامی گرامی سید علی محمد شاہ پر آٹھ ہزار روپے غبن کا الزام لگایا کہ اس نے میر شیر دل خان کے دور حکومت اپنی وزارت کے دوران سرکاری خزانے مبلغ 8000 روپے خورد برد کئے تھے۔ سید موصوف سے اس رقم کا زبردستی مطالبہ کیا گیا سید علی محمد شاہ نے اپنی جائیداد غیر منقولہ واقع مستونگ اور خانگی زیورات فروخت کر کے یہ رقم ادا کی۔ اور راتوں رات کابل چلا گیا (48)۔ سید محمد علی شاہ مقبول اور صاحب رسوخ بزرگ خیال کئے جاتے تھے۔ خان کی اس حرکت سے سراوان کے بڑے سردار بہت برہم ہوئے۔ بالخصوص سردار جہانگیر خان لہڑی جو کہ سردار ملا محمد رئیسانی کے بعد سراوان کے سرداروں کا سب سے زیادہ با اثر شخص تھا سرگرم ہوا۔ (49) اور بعد ازاں فتنہ وفساد برپا کرنے کو آپس میں مشورہ کرنے لگے وہ چاہتے تھے کہ خدائیداد خان پر ادھر ہی ہاتھ ڈال دیں لیکن انہیں موقعہ نہیں ملا میر خدائیداد خان مستونگ سے قلات چلے گئے" الغرض سرداروں نے ملا محمد رئیسانی اور نوردین مینگل سے رابطہ کیا جو اسوقت قندھار میں تھے ان باغی سرداروں کی قیادت جہانگیر خان لہڑی کر رہے تھے آخر کار 6 اکتوبر 1871ء میں

باغی سرداروں نے حملہ کر کے مستونگ پر قبضہ کر لیا سراوان کے دیگر بااثر سرداروں میں سید خان محمد شہی، سید خان بنگلزئی اور مبارک خان شاہوانی بھی اس گروہ میں شامل تھے انہوں نے خان کے نائب نبی بخش کو گرفتار کر لیا اور خان کا جانشین جان بچا کر مستونگ کے سیدوں کے ہاں پناہ گزین ہوا باغیوں نے خان کے مال مویشی اور املاک پر قبضہ کر لیا 17 اکتوبر کو سردار مبارک خان شاہوانی نے کوئٹہ (شالکوٹ) پر قبضہ کر لیا(50)۔

خان خدائیداد خان کے خلاف عام بغاوت کی وجوہات

خان قلات اور بلوچ سرداروں کے درمیان انگریزی افسروں نے اس دن سے مخالفت کی ایک چنگاری پھینکی تھی جس دن غازی میر نصیر خان ثانی اپنے وطن کی تحفظ کے لئے باضابطہ فوج رکھنے کی ابتداء کی تھی سندھ اور پنجاب کے سرحدات پر متعین انگریز افسروں اسی دن سے سرداروں کے کان میں یہ بات ڈال دی تھی کہ خان قلات باضابطہ فوج رکھ کر ان کے حقوق واختیارات سلب کرنا چاہتے ہیں غازی میر نصیر خان ثانی چونکہ قبائل میں زیادہ ہر دلعزیز تھے اور سرداروں کے ساتھ ان کا رویہ نرم مخلص تھا لہذا سرداروں کے دل سے یہ شک جلد رفع ہو گیا مگر جب خان خدائیداد برسر اقتدار آئے اور ان کی ابتدائی دور حکمرانی سے سرداروں کے ساتھ ان بن شروع ہو گئی اس صورت حال سے انگریزوں نے فائدہ اٹھایا نتیجہ یہ نکلا کہ عرصے سے دبی ہوئی چنگاری سے آگ کے وطن سوز شعلے نکلنے لگے۔

اس بغاوت کی ویسے تو بے شمار وجوہات تھیں لیکن چیدہ چیدہ وجوہات درج ذیل ہیں۔

1	'قبائلی لشکر کی بجائے باضابطہ فوج رکھنے سے خان کے اخراجات بہت بڑھ گئے تھے ان اخراجات کو پورا کرنے کے لئے وہ معمولی معمولی باتوں پر لوگوں سے بڑے بڑے جرمانے وصول کیا کرتے تھے۔
2	خان نے ہزاروں کی تعداد میں اونٹ، گھوڑے، خچر اور دنبے پالے تھے جن کو ان کے کارندے قبائل کے فصلوں میں چرنے کے لئے کھلا چھوڑ دیتے تھے۔
3	خان نے سرداروں اور انعام خوروں سے ملکی اور انعامی اراضیات کی سندیں طلب کرنا شروع کی تھیں کیونکہ خان کا خیال تھا کہ سرداروں اور انعام خوروں نے بیشتر سرکاری اراضیات کو خورد برد کر کے اپنی جاگیروں میں ملایا ہے۔
4	خان نے اپنے لاتعداد مویشیوں کے لئے مستونگ کے کاریزوں پر جو اس وقت دہقانوں کے بجائے زیادہ تر قبائلیوں کے قبضہ میں آچکی تھیں ترنگڑ کے نام سے ایک نیا ٹیکس لگایا تھا یہ ٹیکس ہر ایک کاریز سے چار دن بعد ایک ترنگڑ کے حساب لیا جاتا تھا لیکن ترنگڑ کا کوئی وزن مقرر نہ تھا خان کے داروغے اور ساربان اپنی مرضی کے مطابق ترنگڑ استعمال کرتے تھے جن میں ایک من سے چار من تک لوسن آسکتا تھا زمینداروں نے اس کے خلاف کئی بار احتجاج کیا لیکن انہیں جبر وتشدد کے ساتھ دبا دیا گیا(51)۔
5	خان نے درہ بولان میں قافلوں کی آمد ورفت کو روک دی تھی کیونکہ بولان میں گزرنے والے قافلوں سے وصول کردہ سنگ (محصول) میں سراوان کے سرداروں کا بھی حصہ تھا بولان کی بجائے درہ (راج راہ) جھالاوان کو تجارتی کاروانوں کے لئے مخصوص کر دیا تھا راج راہ کا سنگ خالص خان آف قلات کا تھا۔
6	بلوچستان کی حکومت بلوچ قبائلی عصبیت پر قائم تھی مگر خدائیداد خان نے بلوچ اہل کاروں کو ملازمتوں سے محروم کر دیا تھا ان کی بجائے خانہ زاد اور غلام ملازم اور عہدیدار مقرر کر دیئے تھے جو لوگوں سے سختی اور بداخلاقی سے پیش آتے تھے۔
7	میر کمال خان ایلتازئی کی جاگیر پر جس کی ملکیت کا جام میر خان دعوے دار تھا خان خدائیداد خان نے قبضہ کر لیا تھا۔ جسکی وجہ سے جام میر خان ناراض ہو کر ہر وقت خان کے خلاف سازشوں میں مصروف رہتا تھا۔

8	سردار میر آزاد خان نوشیروانی کی بیٹی غازی میر نصیر خان ثانی کی بیوہ تھی جسے طاقت کے زور پر میر خدائیداد خان حاصل کرنا چاہتا تھا اس وجہ سے سردار موصوف خان سے ناراض ہو کر ہمیشہ اسکے مخالفین کا ساتھ دیتا تھا۔
9	سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ انگریزی حکومت خان بلوچستان میر خدائیداد خان کی ہر پالیسی کو ناکام بنانے کی کوشش کر رہے تھے انگریز افیسر سرداروں کے ساتھ خفیہ ریشہ دوانیوں میں ملبوس تھے اور ان کو خان بلوچستان کے خلاف ہر معمولی بات پر اکساتے تھے اور ان کو بغاوت پر آمادہ کرنے کی کوشش کرتے تھے تاکہ عدم مداخلت کی پالیسی ناکام ہو جائے۔(52)

انگریزوں کو بلوچستان کے معاملات میں کسی حد تک دلچسپی تھی اسکا انداز اس وقت کے کمشنر سندھ کے ایک خط سے لگا سکتے ہیں جونہوں نے مستونگ اور کوئٹہ پر باغی سرداروں کے قبضے کے وقت شملہ کے سیکرٹری خارجہ کو لکھا تھا وہ لکھتے ہیں کہ ''5 اکتوبر کو ہریسن نے قلات سے مستونگ اور کوئٹہ میں ہنگامے کی خبر دی مگر کسی پیمانے پر یہ معلوم نہ ہو سکا خان کو قندھار سے یہ خبر ملی کی چند بروہیوں نے خان کے سپاہیوں کے ساتھ مل کر خان کو قتل کرنے کی کوشش کی شاغاسی ولی محمد دوسو سوارے لے کر خود روانہ ہو گیا کپتان ہریسن کے خیال میں اس سے کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا ولی محمد کا دوسو سواروں کے ساتھ آنا خان کے نزدیک اس معاملے میں کوئی اہمیت نہیں رکھتا باغی سرداروں کے نام یہ ہیں جہانگیر خان لہڑی، سید خان محمد شہی، محمد سید خاسندری، مبارک خان شاہوانی جب کہ جہانگیر لہڑی اور مبارک خان باثر لوگ ہیں مبارک خان سرِ دست کوئٹہ چلے گئے ہیں (53)۔

اس بات سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ انگریز بلوچستان کے معاملات میں کسی حد تک دلچسپی لے رہے تھے خان اور قبائل کے درمیان جنگ دراصل انہی کی سازشوں کا نتیجہ تھی کیونکہ انگریز اس خانہ جنگی سے یہ فائدہ اٹھانا چاہتے تھے اول بلوچستان کی حدود میں تمام مزاحمتوں کو ختم کر کے انہی قبائل کی حمایت حاصل کی جائے تاکہ افغانستان پر آنے والے وقت میں ممکنہ حملوں کی خاطر محفوظ راستہ اور مضبوط اتحادی بھی مل سکتے تھے۔

کھڈ مستونگ کی لڑائی

جب خان کو سرداروں کی مستونگ اور کوئٹہ پر قبضے کی اطلاع ملی تو شاغاسی ولی محمد کو فوج کا ایک دستہ بھیج کر سرداروں کے مقابلے پر روانہ کیا کھڈ کوچہ کے مقام پر 9 اکتوبر 1871ء کو خان کے افواج اور باغیوں کے افواج کے درمیان جنگ شروع ہوئی شدید جنگ کے بعد باغیوں نے خان کے لشکر کو پسپا کر دیا اور شاغاسی ولی محمد کو گرفتار کر لیا گیا میدان باغیوں کے ہاتھ میں رہا اس وقت سوائے ایک توپ کے میدان جنگ اور کوئی نہیں تھا توپ کے قریب توپچی ساکت کھڑا تھا۔ شاغاسی ولی محمد کو گرفتار کر کے باغی خوشی سے پھولے نہیں سماتے تھے چنانچہ شاغاسی کو لے کر ایک جم غفیر کی صورت میں جس میں سردار جہانگیر خان لہڑی اور دوسرے نامور اشخاص آگے آگے تھے اس توپ کی طرف بڑھے جہاں پر توپچی خاموش کھڑا تھا۔ باغیوں کا خیال تھا کہ شاغاسی کو ان کے ساتھ گرفتاری کی حالت میں دیکھ کر توپچی توپ نہیں داغے گا مگر جونہی باغیوں کا یہ جم غفیر خوشی سے شادیانے بجاتا ہوا توپ سے پچاس گز کے فاصلے پر پہنچ گیا تو شاغاسی ولی محمد جس کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے اور سب سے آگے پیدل چل رہا تھا اچانک توپچی کو حکم دیا کہ وہ توپ داغ دے اور خود نہایت چالاکی کے ساتھ ہٹ گیا۔ توپچی نے توپ داغ دی آن کی آن فتح مند باغیوں کی بیسوں لاشیں میدان میں تڑپنے لگیں اور آن کی آن میں میدان جنگ کا نقشہ بدل گیا۔ باغیوں کے تقریباً نامی گرامی سردار اور معتبرین جن میں جہانگیر خان لہڑی، سید خان بنگلزئی، شربت خان بنگلزئی اور مبارک خان شاہوانی مارے گئے اور باغیوں کی فتح شکست میں بدل گئی ان میں سے جو بچ گئے تھے انہوں نے راہ فرار اختیار کر لی اسی اثناء میں خان کے رسالے کا ایک دستہ جو بھاگ کر پہاڑوں میں چھپ گیا تھا واپس پہنچ گیا اور دور دور تک باغیوں کا تعاقب کرنے لگا۔ کھڈ مستونگ کی لڑائی میں

خان کی طرف سے مرنے والوں میں توپ خانے کے کمانڈار شیر خان، رسالدار حیات خان سردار رحیم داد اور سردار قیصر خان دینار زئی قابل ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ بلٹن اور رسالہ کے سینکڑوں افراد مرے اور زخمی ہوئے (54)۔

لہذا اب میدان جنگ شاغاسی ولی محمد کے ہاتھ میں تھا اس نے سردار جہانگیر خان لہڑی کی جامعہ تلاشی لی اس کی جیب سے سالو خان رئیسانی کی نام سردار ملا محمد رئیسانی کا ایک خط برآمد ہوا جس میں تحریر تھا ''بغاوت کے منصوبوں کو بروئے کار لانے کے لئے پیسے اور موقع کی ضرورت ہے ان چیزوں کی قلت کی وجہ سے میں قندھار میں سکونت رکھنے پر مجبور ہوں اگر آپ سب لوگ مجھ سے اشتراک عمل کریں گے تو ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے۔'' اس خط میں سردار ملا محمد رئیسانی نے یہ بھی اطلاع دی تھی کہ ہم نے اللہ داد خان سپر نائب محمد امین کو امیر کابل کے خدمت میں بھجوا دیا ہے اور اب ہم نتائج کا انتظار کر رہے ہیں اگر آپ نے کوئی انتظام کیا ہے تو اطلاع دیں کہ آپ کے رفقاء کون کون ہیں اور آیا یہ بغاوت شال مستونگ یا کچھی سے شروع ہو گی اور یہ کب ہو گی میں فوراً شامل ہو جاؤں گا مجھے ان سرداروں کے نام لکھیں جو اس میں متحد ہیں آیا سردار جہانگیر خان لہڑی اور سید علی محمد شاہ بھی اس خیال سے متفق ہیں سردار ملا محمد نے ہدایت کے طور پر اسی خط میں یہ بھی مشورہ دیا تھا اس بغاوت کو ترتیب دینے میں دقیقہ فرد د گزاشت سے کام نہ لیں۔اور حکومت افغانستان کی امداد پر بھروسہ نہ رکھیں اور یہ بھی اطلاع دیں کہ شاغاسی ولی محمد اور امیر بلوچستان میر خدائیداد خان کے تعلقات کیسے ہیں'' (55)۔

الغرض شاغاسی ولی محمد نے آگے بڑھ کر مستونگ پر قبضہ کر لیا باغیوں نے مستونگ خالی کر کے نرمک کی راہ لی لیکن شاغاسی کے افواج نے انکا پیچھا کر کے وہاں بھی انہیں منتشر کر دیا باغی وہاں سے فرار ہو کر اپنے گاؤں کے پہاڑوں کی طرف نکل گئے اور اس کے بعد گوندلان کے مقام پر باغیوں نے دوبارہ مزاحمت شروع کی لیکن شاغاسی کے

لشکر نے انہیں وہاں پر بھی شکست دی اور وہ مختلف اطراف میں فرار ہو گئے اسکے بعد شاغاسی ولی محمد دوبارہ مستونگ چلا آیا۔ پچھلی جنگوں میں شاغاسی شدید زخمی ہوئے تھے لیکن اسکے باوجود وہ باغیوں کا پیچھا کرتا رہا جسکی وجہ سے اس کے زخم خراب ہو گئے مستونگ آ کر اس نے اپنے زخمیوں کا علاج شروع کیا شاغاسی کے مستونگ آنے پر باغی فاہدہ اٹھا کر کچھی پر قابض ہو گئے (56)۔

الغرض سراوان کی بغاوت جو ایک چنگاری کی طرح پھوٹی تھی اور جنگل کی آگ کی طرح پورے ملک میں تیزی سے پھیل رہی تھی اس آگ کو قابو کرنے یا مزید پھیلنے سے روکنے کے لئے ضروری تھا کہ باغیوں کو جلد از جلد نہایت سختی کے ساتھ کچلا جائے اس کے لئے یہ ضروری تھا کہ خان خود میدان میں آ جائیں اس ضمن میں میر نصیر خان احمدزئی لکھتے ہیں کہ ''قلات کے دربار میں یہ طے کیا گیا کہ امیر بلوچستان اپنے حرم اور قلات کی حفاظت کے لئے سردار رحمٰن خان زگر مینگل اور سردار قیصر خان موسیانی کے پاس جو امیر بلوچستان کے حمایتی اور وفادار تھے ان کے قبائلی لشکر کے ساتھ قلات میں چھوڑا جائے اور امیر بلوچستان بذات خود باغیوں کی سرکوبی کے لئے کچھی پر چڑھائی کریں لیکن مستونگ سے شاغاسی ولی محمد کے واپس پہنچنے پر امیر بلوچستان کو اپنا یہ ادارہ تبدیل کرنا پڑا'' (57)۔

سردار ملا محمد جونہی کچھی پہنچے اسے دیکھ کر اسکے قبائلی لوگوں کے حوصلے بڑھ گئے اور تقریباً 4 ہزار کا ایک مسلح لشکر اس کے زیر قیادت آیا اسکے علاوہ اسے یہ بھی امید تھی کہ سردار نور دین مینگل اسے جھالاوان سے لشکر مہیا کرے گا چنانچہ دسمبر 1871ء میں خان خدائیداد خان نے محمد خان وکیل کو لشکر دے کر باغیوں کے مقابلے پر کچھی روانہ کیا اور محمد خان وکیل نے ٹاکری کے مقام پر کچھی میں باغیوں سے جنگ شروع کی سردار سمندر خان لہڑی شکست کھا کر بھاگ کی طرف پسپا ہوا۔ محمد خان وکیل نے کوٹڑو اور گنداوہ پر قبضہ کرلیا۔ اس وقت سراوان کے تمام باغی سردار ملا محمد رئیسانی کی قیادت میں بھاگ اور شہر

جلال خان کے درمیان قلعہ شیر خان میں جمع تھے۔ باغیوں نے اپنی کمزور حیثیت کو دیکھتے ہوئے محمد خان وکیل سے صلح کی درخواست کی لہٰذا محمد خان وکیل اور ملا محمد خان رئیسانی کے درمیان ایک صلح نامہ ہوا جسے صلح نامہ جلال خان کہتے ہیں(58)۔

صلح نامہ جلال خان

صلح نامہ جلال خان 22 دسمبر 1871ء کو ملا محمد رئیسانی اور محمد خان وکیل کے درمیان چند شرائط پر طے پایا اس صلح نامے کی شرائط درج ذیل ہیں۔

1	سراوان اور جھالاوان کی تمام انعامی ارضیات اور جاگیریں جو سراوان کے سرداروں اور سردار نورالدین مینگل اور سردار آزاد خان نوشیروانی کو میر نصیر خان اول کے عہد سے میر خدائیداد خان کے عہد حکومت تک وقتاً فوقتاً ملی ہیں ان سے انعام خوروں اور جاگیرداروں کی ارضیات واپس کردی جائیں گی۔
2	اس بغاوت کے دوران لڑائیوں میں جتنے آدمی فریقین کے مارے گئے ہیں یا جس قدر جائیدادوں کا نقصان ہوا ہے ان کا خون بہا فریقین نہیں لیں گے۔
3	اس صلح نامے کے بعد سرداروں کا کوئی آدمی اگر امیر کے لگان والے علاقے میں لوٹ مار اور شرارت کرے گا تو سردار اسے گرفتار کر کے خان کے افسروں کے حوالے کرنے کا ذمہ دار ہوگا اور خان جس طرح چاہیں اس مجرم کو سزا دینے کے مجاز ہوں گے۔
4	سردار نورالدین مینگل اور سردار آزاد خان نوشیروانی کے تمام خطائیں معاف کر دیئے جائیں گے۔
5	سردار خان خدائیداد خان کو اپنا بادشاہ اور خود کو ان کی رعایا تسلیم کرتے ہیں۔
6	فریقین جیکب آباد جا کر انگریزی حکومت کے نمائندے کے روبرو مندرجہ ذیل بالا صلح نامہ کی تصدیق کریں گے(59)۔

محمد خان وکیل اور سردار ملا محمد رئیسانی نے اس صلح نامہ کے نقول اپنے دستخطوں سے خان کو بمقام قلات اور میر یویدر کمشنر سندھ کو بمقام جیکب آباد روانہ کر دیا۔ (60)۔

اخبار الابرار (فارسی) میں آخوند محمد صدیق لکھتے ہیں !''کہ میر خدائیداد خان محمد خان وکیل کی صلح جوئی سے بہت ناراض بلکہ تنفر ہوئے'' (61)۔ اور انہوں نے محمد خان وکیل کو لکھا کہ آپ میرے وکیل تھے اگر آپ لڑنا نہیں چاہتے تھے تو ایسی شرائط طے کرتے جو میری شان اور عزت کے مطابق ہوتی اور ان شرائط کی مجھ سے رائے لی ہوتی انہوں نے یہ بھی لکھا کہ انگریزی حکومت بھی ان شرائط پر خوش نہں ہے اور انہوں نے بھی اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے۔ خان کا خط پہنچنے سے قبل محمد خان وکیل کمشنر سندھ میر یویدر سے ملنے جیکب آباد روانہ ہو چکا تھا لیکن میر یویدر جو اصولی طور پر سرداروں کے خلاف تھا اس نے محمد خان وکیل اور سرداروں سے ملنے سے انکار کیا مجبوراً سرداروں نے حاجی شہر اور مٹھڑی میں فیصلہ کن جنگ لڑنے کا ارادہ کیا محمد خان وکیل کو بھی کمشنر سندھ نے سختی سے تنبیع کیا اور بعد آزاں کچھی روانہ کیا دوسری طرف میر یویدر نے خان خدائیداد خان کو لکھا کہ محمد خان وکیل کی بجائے شاغاسی ولی محمد کو مزید گفتگو کی خاطر اس کے پاس روانہ کریں (62)۔ ایک طرف میر یویدر کمشنر سندھ خان خدائیداد خان کی حمایت کر کے سرداروں کو کچلانا چاہتا تھا۔ دوسری طرف سرہنری گرین اور اس کے ہمنوا عدم مداخلت کی طے شدہ پالیسی کے خلاف بلوچستان کے معاملات میں براہ راست مداخلت کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اور خان خدائیداد خان کے لئے طرح طرح کی مشکلات پیدا کر رہے تھے۔ عالی خان کی فراری انہی افسروں کی سازش تھی۔

بہرحال 1869ء میں انگریزی حکومت کی ایما پر جام میر خان کو حیدر آباد سندھ کے مقام پر معہ اہل وعیال کے نظر بند کر رکھا تھا جہاں پر خان نے اسے نظر بندی کے

دوران آٹھ ہزار روپے سالانہ اس شرط پر دینا منظور کر لیا تھا کہ جام میر خان انگریزی حکومت کی حدود کے اندر رہے گا اور بلوچستان کے معاملات میں دخل نہیں دے گا اور خان کے خلاف سازش نہیں کرے گا جام میر خان نے نہ تو اس نے الاؤنس کو قبول کیا اور نہ ہی اپنی سازشوں سے باز آیا یہاں پر بھی اس کا ایک خفیہ خط حکومت سندھ کے آفسروں کے ہاتھ لگا جس میں ان شرائط کی خلاف ورزی پائی جاتی تھی جس کے تحت اسے پورے مراعات دے کر نظر بند رکھا گیا تھا چنانچہ اس عہد شکنی کی پاداش میں اسے حیدر آباد سندھ سے پونا منتقل کر دیا گیا لیکن اس کے اہل وعیال کو اس کے بڑے لڑکے عالی خان کے ساتھ حیدر آباد میں ہی رکھا گیا 1872ء میں اچانک ایک دن عالی خان حیدر آباد سے فرار ہر کر جھالاوان اور لسبیلہ سے ملحقہ کوہستان میں جا پہنچا اور لشکر جمع کرنے میں مصروف ہو گیا انگریز حکومت کی طرف سے نہ تو اس کا تعاقب کیا گیا بلکہ اس سلسلے میں خان نے بھی قلات میں تعینات انگریزی نمائندوں کو ایک احتجاجی مراسلہ لکھا اور عالی خان کی فرار ہونے کو بعض انگریز افسروں کی سازش پر محمول کیا سردار نور دین مینگل بھی ان دنوں قندھار سے واپس آ کر وڈھ میں موجود تھا عالی خان کی آمد کی خبر سن کر اس نے بھی مینگلوں کا لشکر جمع کرنا شروع کر دیا (63)۔ اسکے بعد جام عالی خان اور سردار نور دین مینگل نے آگے بڑھ کر بیلہ میں خان کے نائب شاغاسی غلام جان اور کیپٹن حسن خان کو شکست دے کر بیلہ پر قبضہ کر لیا ان بغاوتوں کی اطلاع جب مکران کے باشندوں کو ملی تو میر بھائی خان گچکی اور ملا رحمت اللہ ذگری نے بغاوت کی اور بلیدہ تمپ، ناصر آباد دشت اور ملائچ کے علاقہ جات سے لشکر جمع کر کے سردار بائیان گچکی کے پاس تمپ میں جمع ہوئے (64)۔

کیچ میں بغاوت کی وجوہات

کیچ کی بغاوت کی مندرجہ ذیل وجوہات تھیں۔

1	''سردار فقیر محمد بزنجو ایک مدبر اور دور اندیش شخص تھا سردار فقیر محمد نے کچکیوں کو اپنے حسن سلوک سے خوش کیا تھا اور ان کے ساتھ رشتہ دار قائم کر کے حکومت قلات کے لئے میدان ہموار کر لیا چنانچہ اس کے بعد تقریباً چالیس سال تک وہ مکران کے ناظم رہے اور سارے مکران پر خان قلات کی ایک مضبوط حکومت قائم ہوگئی'' (65)۔
2	داروغہ عطا محمد نے کیچ پہنچتے ہی یہاں کے معتبرین اور عوام کے ساتھ سخت گیری شروع کی جس سے سردار فقیر محمد ناراض ہو گئے اور انہوں نے کیچ چھوڑ دیا ان کی غیر موجودگی میں داروغہ عطا محمد کو کیچ میں مزید من مانی کرنے کا موقع ہاتھ آیا جس سے کیچ کے باشندے اس کے خلاف ہو گئے اور سردار فقیر کو پھر کیچ کی نائبی پر بحال کرانے کے درپے ہوئے (66)۔
3	داروغہ عطا محمد نے کیچ کے زمینداروں سے بقایہ مالیہ جبراً وصول کرنا شروع کیا۔
4	اور اس نے مزید نخل خرما (کھجوروں کے باغات) پر ٹیکس کی رقم بڑھا دی جسے کیچ کے باشندوں نے قبول نہیں کیا۔ لہٰذا ان وجوہات کی بناء پر کیچ کے باشندوں نے درپردہ داروغہ عطا محمد کے خلاف ایک مہم تیار کی۔(67)۔

داروغہ عطا محمد کو جب شاہی تمپ کے مقام پر کیچ کے باشندوں کے اجتماع کا علم ہوا تو 8 مئی کو آدھی رات کو پلٹن کو ساتھ لے کر شاہی تمپ پر شب خون مارنے کی غرض سے نکلا باغیوں کو اس کے ارادے کی اطلاع قبل از وقت مل چکی تھی اور وہ داروغہ کے انتظار میں قلعہ بائیاں اور قلعہ گشتنک کے درمیان کاریزوں میں چھپے بیٹھے تھے جس کا داروغہ کو علم نہ تھا بے خبری کے عالم میں اس پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی گئی لیکن داروغہ نے جلد سنبھل کر مورچہ سنبھال لئے تمام رات فریقین کے درمیان گولیاں چلتی رہیں صبح کے

وقت باغیوں نے اپنے لشکر کو دو حصوں میں بانٹ دیا ایک حصہ ڈٹ کر داروغہ کا مقابلہ کرتا رہا اور دوسرا حصہ مہر اللہ نوشیروانی کی سرکردگی میں قلعہ تربت کی طرف بڑھا جہاں پر داروغہ عطا محمد کے اہل وعیال اور نائب علی جان بقایا سپاہ کے ساتھ مقیم تھا نائب علی جان نے قلعہ کے دروازے بند کر کے مقابلہ کیا۔ اس کے دوطرفہ حملہ سے داروغہ عطا محمد کو سخت پریشانی ہوئی چنانچہ اس نے پلٹ کر میر اللہ کے لشکر پر حملہ کیا مہر اللہ کا لشکر کھجوروں کے جھنڈ میں چھپا ہوا تھا داروغہ عطا محمد کے آدمیوں نے ان پر بے تحاشا گولیاں برسائیں باغی لشکر مقابلے کی تاب نہ لا سکا داروغہ عطا محمد کو قلعہ تربت میں داخل ہونے کا راستہ مل گیا چنانچہ وہ قلعہ میں داخل ہو کر محصور ہو گیا (68)۔

الغرض باغیوں نے ایک بڑے لشکر کے ساتھ قلعہ تربت کا محاصرہ کیا داروغہ عطا محمد کو قلعے سے باہر نکل کر معذرت پیش کرنے کی ہمت نہ ہوئی اور وہ فصیلوں پر سے ہی باغیوں کا مقابلہ کرتا رہا۔ 25 پچیس دن تک لڑائی جاری رہی ۔ اسی دوران میر عیسیٰ گچکی گورنر پنجگور بھی تربت پہنچ گیا اور داروغہ عطا محمد کو امداد دینے کی بجائے اس نے باغیوں اور ان کے درمیان سمجھوتہ کرانے کی کوشش کی اور شرط یہ پیش کی کہ داروغہ عطا محمد کیچ خالی کر کے واپس قلات چلا جائے اس صورت میں اسے بحفاظت قلات تک پہنچا دیا جائیگا داروغہ عطا محمد نے اس ذلت آمیز شرط کو قبول کرنے سے انکار کر دیا (69)۔

داروغہ عطا محمد نے خان خدائیداد خان سے فوجی امداد کی درخواست کی تھی چونکہ خان سراوان کے باغیوں سے الجھ چکا تھا امداد روانہ کرنے کی بجائے اسے حکم دیا کہ کیچ کی نیابت سردار بائیاں گچکی کے حوالے کر کے خود معہ سپاہ قلات آ جاؤ اور اس طرح داروغہ عطا محمد نے کیچ کی نیابت سردار بائیاں کے حوالے کر کے خود بمعہ سپاہ کے ہمراہ قلات آ گئے۔

صلح نامہ جلال خان کے بعد خان خدائیداد خان کا ردِ عمل

محمد خان وکیل جس کا ذکر صلح نامہ جلال خان میں ہو چکا ہے وہ اب تک جیکب آباد میں تھا کے سرداروں کے ساتھ اس کی طے شدہ شرائط کو ٹھکرا کر خان خدائیداد خان نے کمانی شکر خان جو اس وقت بھاگ میں تھا باغیوں کے تعاقب کو جاری رکھا باغی سردار جن کو صلح نامہ جلال خان کی نامنظوری اور خان خدائیداد خان کے ارادوں کی اطلاع مل چکی تھی مھڑی میں جمع تھے کمانی شکر خان کی پیش قدمی کی اطلاع پا کر مٹھڑی سے آگے بڑھ کر حاجی شہر کے مقام پر ڈیرہ ڈال دیا (70)۔ کمانی شکر خان نے آگے بڑھ کر ٹوک کے مقام پر باغیوں پر حملہ کیا اور انہیں شکست دے کر مٹھڑی کی جانب پسپا کیا اسکے بعد کمانی شکر خان نے مٹھڑی کے مقام پر باغیوں پر حملہ کیا یہاں بھی باغیوں کو شکست ہوئی اور اس کے نتیجے میں کمانی شکر خان نے مٹھڑی پر قبضہ کر لیا گو کہ ساراوان کی بغاوت پر قابو پا لیا گیا تھا لیکن اسکے باوجود بلوچستان کے اطراف میں بغاوتیں جنم لے رہی تھیں ان حالات کا سدباب کرنا مشکل تھا کیونکہ بلوچستان کے دونوں اطراف میں بغاوت کی آگ تیزی سے بھڑک رہی تھی گزشتہ دو سالوں کی خانہ جنگی اور لوٹ مار قتل و غارت سے تنگ آ کر خان خدائیداد خان نے انگریزی حکومت سے کمشنر سندھ میریویدر کے توسط سے امداد کی درخواست کی لیکن انگریزی حکومت نے اس درخوواست کو ٹھکرا دیا (71)۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ حکومت برطانیہ خان کی امداد کرتا وہ تو خان اور سرداروں کے مابین چپقلش کو بڑھا کر خان کی مرکزی حاکمیت کو کمزور کر دینا چاہتے تھے تاکہ آئندہ کوئی خان بھی ان کے لئے محراب خان ثابت نہ ہو سکے۔ انگریزی حکومت خود ان دوریوں کو مزید بڑھا کر اختلافات اور چپقلش کا آغاز کرتے اور پھر انہی دشمنیوں کو ختم کرنے کے نام پر ہی خود ثالث مقرر کرتے اور فیصلہ کرتے آہستہ آہستہ صورت حال یہ ہو گئی کہ تمام معاملات میں برطانوی

ریذیڈنٹ کا کردار ایک اہم مسلط کنندہ اور ثالث کار کی حیثیت سے سامنے آیا جس نے نہ صرف انگریزوں کی عزت و وقار میں اضافہ کیا بلکہ ان دونوں حیثیتوں میں انہوں نے اپنے فیصلے بھی مسلط کرنا شروع کر دیئے۔ الغرض حکومت ہند نے تو خان کی کوئی مدد نہ کی بلکہ کمشنر سندھ نے ثالث کا کردار ادا کرتے ہوئے یہ مناسب خیال کیا کہ باغی سرداروں اور خان خدائیداد کے درمیان مصلحت کرائی جائے خان بھی میر یویدر کی اس تجویز سے متفق تھا۔

بقول میر گل خان نصیر کہ!

''میر خدائیداد خان نے خود ہی اپنی نادانشمندی سے انگریزی حکومت کو اپنے اور سرداروں کے درمیان ایک طرح واحد ثالث بلکہ حاکم فیصلہ کنندہ تسلیم کر لیا'' (72)۔

الغرض مارچ 1872ء کو سر ڈبلیو، ایل میر یویدر کمشنر سندھ کی زیر صدارت خان کے نمائندہ شاغاسی ولی محمد اور سراوان کے باغی سرداروں جن میں سردار ملا محمد رئیسانی، میر جھنڈا خان سربراہ سردار شاہوانی، سردار شادی خان بنگلزئی، سردار سید خان محمد شہی، سردار دوست محمد خان لہڑی اور سردار اللہ ڈنہ کرد وغیرہ شامل تھے کے درمیان ایک کانفرنس منعقد ہوئی جو دو تین دن تک مسلسل جاری رہی۔ بالآخر کمشنر سندھ نے یہ معلوم کر لیا کہ باغی سردار غلطی پر تھے ان کے پاس خان کے خلاف کوئی ٹھوس شکایات نہ تھی۔ چنانچہ میر یویدر نے باغی سرداروں سے وعدہ کیا کہ وہ خان کو اس بات پر رضامند کریں گے کہ وہ ان کی تمام ضبط شدہ اراضیات اور جائیدادیں واپس کردے بشرطیکہ یہ آئندہ کے لئے باغی سردار اپنے حکمران کے فرمانبردار رہیں گے اور وہ تمام مال جو انہوں نے اس بغاوت کے دوران میں بلوچستان کے باشندوں کا یا کاروانوں کا لوٹ لیا ہے ان کے مالکوں کو واپس کر دیں گے نیز حکومت میں سرداروں کو شریک کرنے یا حصہ دینے کے متعلق کمشنر سندھ نے رائے دی کہ اس وقت یہ نہ صرف مشکل ہے بلکہ خطرناک بھی ہے البتہ اس نے سرداروں کو تسلی دی کہ انگریزی نمائندے یہ کوشش کریں گے کہ خان کے سرداروں کو اپنے قریب لانے پر رضامند کریں (73)۔

سمجھوتہ جیکب آباد مارچ 1872ء

الغرض مختصر الفاظ میں خان کے نمائندہ شاغاسی ولی محمد اور ساراوان کے باغی سرداروں کے درمیان مندرجہ ذیل شرائط پر سمجھوتہ ہوا۔

1	''امیر سرداروں کو ان تمام مراعات وظائف اور خلعت وغیرہ جو نصیر خان ثانی کے وقت میں ملتے تھے بحال کر دیئے جائیں۔
2	قافلوں سے جس قدر مال لوٹا گیا ہے۔ سردار اس مال کو ان کے مالکوں کو واپس لوٹا دیں گے۔
3	بغاوت کے دوران بلوچستان کے باشندوں کا جس قدر مال کچھی یا خراسان میں لوٹا گیا ہے سردار وہ تمام لوٹا ہوا مال واپس کرینگے۔
4	امیر کا جس قدر مال لوٹا گیا ہے ان کے لئے امیر سرداروں سے کوئی معاوضہ طلب نہیں کریں گے شاغاسی ولی محمد نے خان کی طرف سے اور باغی سرداروں نے اپنے اپنے ساتھیوں اور قبائلیوں کی طرف سے متفقہ طور پر کمشنر سندھ کے روبرو ان شرائط کو منظور کر کے دستخط کئے'' (74)۔

اس سمجھوتے کے اعلان پر خان خدائیداد خان میں ایک تبدیلی دیکھی گئی گو کہ شروع میں اس نے کمشنر سندھ کو اپنا کل مختار بنا دیا تھا لیکن وہ اس معاہدے کے نتیجہ پر بالکل مطمئن نہ تھا۔ حالانکہ وہ اس کے حق میں تھا۔ خدائیداد خان نے اپنے قابل وزیر شاغاسی ولی محمد سے واضح ناراضگی کا اظہار کرنے لگا۔ اور قلات میں پولیٹیکل ایجنٹ میجر ہیریسن کے ساتھ بھی اس کا رویہ بالکل بدل گیا۔ (75) اس کی وجہ یہ تھی کہ خان خدائیداد خان نہیں چاہتا تھا۔ کہ قبائلی سردار حکومت کے کاروبار میں مداخلت کرے اور نہ ہی وہ سرداروں کے مشورے کو پسند کرتا تھا۔ لہذا خان کا ردعمل یہ ہوا۔ کہ شاغاسی ولی محمد کو

وزارت سے علیحدہ کر دیا۔اسی دوران کچھ ایسے واقعات پیش آئے کہ جن کی وجہ سے خدائیداد خان شاغاسی ولی محمد سے بدظن ہو گئے۔ کیونکہ انہیں شک تھا کہ شاغاسی ولی محمد انگریزوں کا آلہ کار بنا ہوا ہے۔اس کے علاوہ خان کا کم سن بیٹا جو تاج محمد زرک زئی کی بٹی کے بدطن سے تھا اچانک فوت ہوا شاغاسی ولی محمد کے مخالفین نے خان خدائیداد خان کو یقین دلایا کہ شاغاسی ولی محمد نے اسے زہر دے دیا ہے۔ (76) ان دنوں کمانڈر شکر خان، منشی صالح محمد اور منشی گل محمد ہی زیادہ تر خان خدائیداد خان کے منظور نظر تھے۔ کمانڈر شیر خان کو شاغاسی ولی محمد سے ذاتی عداوت تھی دونوں منشی اپنے ادنیٰ مرتبہ کی وجہ سے اس قابل ہی نہیں تھے۔ کہ وہ ان نازک حالات میں کوئی مفید مشورہ دے سکے (77)۔لہذا ان حالات کو دیکھ کر شاغاسی ولی محمد خان کے انتقام کے خوف سے پناہ کی خاطر میجر ہیریسن کے کیمپ میں جا پہنچا اس واقعہ سے حالات مزید بگڑ گئے۔ہیریسن نے اس واقعہ کی اطلاع کمشنر سندھ کو دی اور ساتھ ہی ہیریسن نے خان سے ملاقات کی انہیں یقین دلایا کہ شاغاسی ولی محمد غدار نہیں اور ساتھ ہی انگریزوں نے شکر خان اور دونوں منشیوں کو اس فتنہ وفساد کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ (78) الغرض 15 دسمبر 1872ء کو میجر ہیریسن پولیٹیکل ایجنٹ خان قلات سے ملاقات کے بعد خان کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اس نے دوبارہ شاغاسی ولی محمد کو بحال کر دیا۔ (79) شاغاسی کو دوبارہ وزارت کے عہدے پر بحال کرنے کے بعد انگریزوں نے شکر خان اور دونوں منشیوں کو جو اس وقت خان کے منظور نظر تھے گرفتار کر کے ضلع عمر کوٹ میں قید کر دیا۔ (80) انگریزی حکومت کو سندھ اور پنجاب کی سرحد پر قیام امن کے مسئلہ سے گہری دلچسپی تھی اور انہیں بلوچوں سے کوئی سروکار نہ تھا وہ صرف اور صرف امن چاہتے تھے لیکن یہ بدامنیاں جو کہ بلوچستان میں ایک معمول کی بات بن گئی تھیں درحقیقت تجارتی کاروانوں کی آمدورفت میں رکاوٹ پیدا کر رہی تھیں اور اس بدامنی کا اثر سندھ اور پنجاب پر بھی پڑ رہا تھا۔ لہذا یہ امر پریشان کن تھا۔ بہرحال معاہدہ

جیکب آباد کے بعد بھی حالت ساز گار نہ رہے۔ سمجھوتہ جیکب آباد کے دو ماہ بعد درہ بولان میں لوٹ مار پھر شروع ہوئی۔(81) ''چند سالانی مینگلوں نے اسی درہ میں کچھ مزارانی مریوں پر اچانک حملہ کردیا۔ جو وہاں آباد تھے قوی شبہ تھا کہ مذکورہ حملے پر خان نے دیدہ و دانستہ چشم پوشی اختیار کی ہے تاکہ وہ سمجھوتہ جیکب آباد میں اس کی طرف سے طے کی گئی شرائط سے پہلو تہی کا جواز نکال سکے''۔(82) اسی دوران سردار نورالدین مینگل نے خان کی اطاعت قبول کی۔ سردار نورالدین ذاتی طور پر خان میر خدائیداد خان کے خلاف تھا لیکن اس کے باوجود وہ خان خدائیداد خان کا احترام کرتا تھا۔ سردار نورالدین مینگل میں ایک خوبی تھی کہ وہ کبھی بھی انگریزوں کو خان پر ترجیح نہیں دیتا تھا۔ جب بھی سرداروں نے خان کے خلاف انگریزی حکومت کی مدد چاہی سردار نورالدین ان سے علیحدہ اور کنارہ کش رہا۔ چنانچہ اس دفعہ بھی جب سردار انگریز حکومت کے بلاوے پر جیکب آباد گئے تو سردار نورالدین مینگل نے اپنا ایک علیحدہ راستہ اختیار کیا اور براہ راست خان کے سامنے ہتھیار ڈال دینے کو مناسب خیال کیا۔ لہذا اس نے خان کی اطاعت قبول کی۔(83)

اگست 1872ء میں نوشکی کے رخشانی سردار علم خان نے خان کے خلاف بغاوت کردی لیکن خان نے جوابی حملہ کر کے اسے افغانستان کی جانب بھگا دیا۔(84)

''فروری 1872ء میں سر میر یویدر نے ایک طے شدہ پروگرام کے مطابق خان خدائیداد سے شاہ پور (کچھی) میں ملا۔ اس موقع پر سردار ملا محمد رئیسانی اور چند دوسرے سرداروں کے علاوہ شاغاسی ولی محمد بھی موجود تھے اس ملاقات کا اہم مقصد یہ تھا۔ کہ 1871ء کی مٹھن کوٹ کانفرنس کے فیصلوں کو عملی جامعہ پہنایا جائے۔ لیکن خان کو اصل مسئلہ سے کوئی دلچسپی نہیں تھی اس ملاقات میں اس نے کمانی شکر خان اور اپنے دونوں منشیوں کی رہائی پر زور دیا خان اور کمشنر کی یہ ملاقات ناکام ہوگئی''۔(85) لہذا اس دوران ملک کے حالات مزید خراب ہوگئے اور پورے ملک میں افراتفری اور لوٹ مار کا سماں تھا

جس کی وجہ سے انگریزوں نے اپنے نمائندہ قلات سے واپس بلا لیا اور 1854ء کے معاہدے کے تحت خان کو ملنے والی 50 ہزار روپے کی امدادی رقم بند کر دی۔(86)" اسی دوران شاہ غاسی ولی محمد نے بھی اپنے عہدے سے استعفیٰ دے کر جیکب آباد میں مستقل سکونت اختیار کر لی سراوان، جھالاوان، مکران، کچھی اور لسبیلہ میں بے چینی اضطراب اور کہیں شورشوں کا سلسلہ برابر جاری تھا ستمبر 1874ء میں خان خدائیداد خان نے داروغہ گل محمد کے بیٹے عطا محمد کو وزارت کے عہدے پر مقرر کیا ابھی اس عہدے پر کام کرتے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ لسبیلہ کے رہنے والے چند ڈاکوؤں نے سندھ کے سرحدی علاقہ میں ڈاکہ ڈالا۔ کمشنر سندھ کے دباؤ کے تحت خان نے داروغہ عطا محمد کو ان ڈاکوؤں کی گرفتاری کے لئے بیلہ روانہ کیا اور ساتھ ہی اسے ہدایت کر دی کہ وہ جام علی خان کو بھی گرفتار کر کے اپنے ساتھ قلات لے آئے داروغہ عطا محمد جب بیلہ پہنچا تو جام ولی خان نے بڑی خیر سگالی کا مظاہرہ کر کے ڈاکوؤں کو سندھ پولیس افسروں کے حوالے کر دیا اس بنا پر داروغہ عطا محمد نے جام علی خان کو گرفتار کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی لیکن جب وہ واپس قلات آیا تو خان اس معاملہ میں سخت ناراض ہوا اور اسے وزارت کے عہدے سے برطرف کر دیا" (87) الغرض 1875ء تک حالات بالکل خراب ہو چکے تھے یہ حالات دراصل انگریزوں کی سازش کا نتیجہ تھا کیونکہ وہ Divide and Rule کی مشہور پالیسی پر عمل پیرا تھے اور اس بہانے بلوچستان میں مداخلت کا راستہ تلاش کر رہے تھے۔ جواب ان کو مل چکا تھا۔ انگریزوں میں موجود دو مختلف نظریے رکھنے والے اپنی نقطہ نگاہ سے بلوچستان کو دیکھ رہے تھے ان میں سے ایک گروپ بلوچستان میں عدم مداخلت کی پالیسی کا حامی تھا جبکہ دوسرا گروپ فارورڈ پالیسی یا توسیع پسندانہ پالیسی کا حامی تھا۔ عدم مداخلت کی پالیسی اب ناکام ہو چکی تھی۔ چنانچہ ان حالات سے متاثر ہو کر 16 اکتوبر 1875ء کو حکومت ہند نے عدم مداخلت کی پالیسی کو پس پشت ڈال کر کپتان

سنڈیمن کو ہدایت کردی کہ انگریز سرحدات سے اطلاع پاکر بلوچستان سے متعلق مندرجہ ذیل معلومات بہم پہنچائے۔

(1)	مری، بگٹی قبائل کے باہمی تنازعات اور جھگڑوں، ان کے اور پٹھان قبائل کے درمیان جھگڑوں اور نیز یہ کہ ان کے سراوانی قبائل کے درمیان تنازعات کی اصل وجوہات کیا ہیں۔
(2)	جہاں تک ممکن ہوسکے ان کے باہمی تنازعات کا پر امن طریقوں سے تصفیہ کرانے کی مناسب صورت پیدا کرے۔
(3)	ایسے تنازعات جن کو وہ حل یا تصفیہ نہ کرسکے اپنی رپورٹ کے ساتھ حکومت ہند کے پاس بھیج دے۔
(4)	خان اور مری وبگٹی قبائل کے متعلق رپورٹ کرے۔
(5)	ایسے ذرائع معلوم کرے جن میں سے بولان میں سے تجارت کی حفاظت ہو اور دیکھے کہ جولوگ اس وقت درہ بولان کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں ان کے ساتھ سنگ کی رقم مقرر کرنے کی صورت کیا ہوسکتی ہے۔
(6)	معلوم کرے کہ آیا خان انگریزی حکومت کے ساتھ تعاون کرنے اور صحیح راستہ اختیار کرنے پر کسی صورت سے رضا مند ہوسکتا ہے۔

حکومت ہند کی خوشی ہوگی اگر خان اپنے گزشتہ رویہ پر اظہار افسوس کرے تاکہ ان کی امدادی رقم جاری کردی جائے اور ان کے ساتھ پرانے تعلقات کو پھر استوار کیا جائے۔(88)

رابرٹ سنڈیمن کی بلوچستان آمد

COL SIR ROBERT GROVES SANDEMAN

1875ء تک بلوچستان کے اندرونی معاملات نے ایک ایسی سنگین صورت اختیار کرلی تھی کہ جس نے برطانوی حکومت کو پریشان کر کے رکھ دیا تھا انگریز یہ بات بخوبی جانتے تھے کہ اگر حالات مزید اس طرح رہے تو ملک میں خانہ جنگی پر قابو پانا ناممکن ہو جائے گا اس دوران حالات کچھ یوں تھے کہ خدائیداد خان جو اپنے آپ کو قلات کا حاکم سمجھتا تھا اسکی حکومت قلات کی ''میری'' تک محدود تھی اور باقی تمام ملک انتشار اور بدنظمی کی وجہ سے تباہ و برباد ہو چکا تھا خان خدائیداد خان ان حالت پر قابو پانے کے قابل نہ تھا اور اس وقت بلوچستان کے عوام کی آنکھیں آسمان کی طرف اٹھی ہوئی تھیں اور وہ اللہ تعالیٰ سے کسی نجات دہندہ کے لئے دعا کر رہے تھے لیکن شاید انھیں ابھی تک مزید آزمائشوں سے گزرنا تھا الغرض بلوچستان کی چار دیواری کے اندر کوئی بھی محفوظ نہ تھا پورے ماحول پر ایک سحرزدہ خاموشی چھائی ہوتی تھی ایسے میں رابرٹ سنڈیمن بلوچ عوام پر عذاب الہیٰ بن کر نازل ہوا اور اسکے بعد غلامی اور ابتری کا ایک ایسا دور شروع ہوا کہ جس نے حاکم کو محکوم بنا دیا اقامت پذیر کو اجنبی بنا دیا۔ ابتلا اور مایوسی کا یہ دور طویل سے طویل تر ہوتا گیا بلوچ جانباز صبح کی امید کی خاطر انفرادی طور پر لڑتے رہے لیکن صبح بہت دور تھی۔ خان معظم میر احمد یار خان ان حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہے کہ ''1875ء میں بلوچستان کے طول وعرض میں جو شورش اور گھما گھمی شروع ہوگئی اور سیاسی حالت نے جس طرح ناقابل برداشت اور ایسی انتہائی سنگین صورت

اختیار کرلیں کہ انگریز استعماریوں کو بھی فکر واندیشہ لاحق ہوگیا چنانچہ اس خانہ جنگی اور ہمہ گیر شورش کے پیش نظر ان کو اپنے اقتدار کے لالے پڑ گئے تھے انہوں نے شاطرانہ چال چل کر کیپٹن سر رابرٹ سنڈیمن کو حالات پر قابو پانے کے لئے بلوچستان روانہ کیا(89)۔

سر رابرٹ سنڈیمن کے حالات زندگی

جدید بلوچستان کی تاریخ رقم کرتے وقت ایک ایسی شخصیت کا تذکرہ لازمی ہے جو خود تو بلوچ نہ تھا لیکن اس نے بلوچوں کی جدید معاشرتی اور سماجی ساخت میں بنیادی کردار ادا کیا بلوچستان کی موجودہ سیاسی وجغرافیائی شکل اسی کی قائم کردہ ہے بلوچستان میں قبائلی اور سرداری نظام کے بارے میں جس قسم کی باتیں کی جاتی ہیں وہ اسی کی تشکیل کردہ ہیں وہ شخصیت ہے رابرٹ سنڈیمن ’’رابرٹ سنڈیمن کا پورا نام رابرٹ گروز سنڈیمن تھا۔رابرٹ سنڈیمن 25 فروری 1835ء کو پرتھ (Perth) کے مقام پر پیدا ہوا (90)۔انہوں نے ابتدائی تعلیم سینٹ انڈریوز اور پرتھ میں حاصل کی انکے والد رابرٹ ٹرن سنڈیمن ایسٹ انڈیا کمپنی میں فوجی تھے جو بعد ازاں میجر جنرل کے عہد تک ترقی کر گئے تھے۔ (91)۔’’رابرٹ سنڈیمن نے 1856ء جنگ آزادی میں نمایاں خدمات انجام دیں اور دو مرتبہ شدید زخمی بھی ہوئے تو یہ افواہ پھیل گئی کہ وہ فوت ہو گئے ہیں چنانچہ ان کی جگہ کسی اور کی تقرری کر دی گئی تھی مگر جب وہ صحت یاب ہوکر واپس ملازمت پر آئے تو شاید ان کے لئے کوئی موزوں عہدہ موجود نہ تھا یا پھر وہ خود ہی فوجی ملازمت سے تنگ آچکے تھے یا شاید ان کے والد کی ہی خواہش تھی کہ وہ فوجی ملازمت ترک کر کے سول ملازمت اختیار کرلیں بہرحال وجہ جو بھی رہی ہو 1859ء میں انہوں نے فوجی ملازمت ترک کر دی‘‘ (92)۔فوجی ملازمت ترک کرنے کے بعد پنجاب میں بطور اسسٹنٹ کمشنر ڈیرہ غازی خان مقرر کر دیا گیا اور بعد میں ڈپٹی کمشنر ہو گئے (93)۔

یہیں سے ان کی زندگی کے کارہائے نمایاں کا آغاز ہوا۔ اس ضمن میں عزیز محمد بگٹی لکھتے ہیں کہ ''سنڈیمن کو شہرت اس وقت حاصل ہوئی جب ان کو بلوچستان سے متصل ضلع ڈیرہ غازی خان میں بحیثیت ڈپٹی کمشنر تعینات کیا گیا'' (94)۔

اور بعدازاں وہ بلوچستان میں انگریزوں کا نمائندہ بن کر آیا بلوچستان میں اس کی آمد سے انگریزوں کے حوصلے بلند ہوئے لیکن درحقیقت اس شخص کو فاتح بلوچستان کہا جائے تو بے جانہ ہوگا کیونکہ اس نے فوج اور لشکر کی بجائے بظاہر دوستی اور احترام کا لبادہ اوڑھ کر بلوچستان کے قبائلی سرداروں کو اپنا گرویدہ بنالیا تھا اس نے سب سے پہلے ڈیرہ غازی کے سرداروں کو اپنا ہم خیال بنایا پھر سیاسی چال چلتے ہوئے تمنداران مری بگٹی کو ڈیرہ غازی خان کے سرداروں کے ذریعے اپنے دام سیاست میں اسیر کرلیا یہ سب کچھ کرگزرنے کے بعد اس نے ایک اور خطرناک سیاسی روش شروع کردی اور یہاں تک کے بلوچستان کے گردو نواح میں دورہ کرکے لوگوں میں روپیہ، ہتھیار اور تحائف وغیرہ مفت تقسیم کیا کرتا تھا۔

بقول احمد یار بلوچ ''کہ وہ بلوچوں کی نفسیات کا زبردست ماہر تھا اس نے بلوچوں کی سماجی کمزوریوں اور اقتصادی بدحالی سے خوب فائدہ اٹھایا اوا سے زبردست کامیابی حاصل ہوئی'' (95)۔

اس نے روپیہ پانی کی طرح بہایا یہاں تک کہ بلوچستان کے طول وعرض میں جہاں جہاں سے اس کا کیمپ گزرتا تھا راستے میں چینی، چاول اور آٹا وغیرہ اجناس بوریوں کے حساب سے پھینکے جاتے تھے تاکہ لوگ اٹھا کر اپنے اپنے گھروں کو لے جائیں کہتے ہیں کہ کسی نے مفت خیرات اور نذرانے کی وجہ پوچھی تو اس نے جواب میں کہا'' کہ میں بلوچستان کے طول وعرض میں تخم ریزی کررہا ہوں۔ اس کاشت کی پیداوار کوئی حصہ زیادہ کی صورت میں حاصل کروں گا میں کسی مناسب وقت پر کٹائی کے لئے خود آؤں گا اس وقت تمام فصل میری اور صرف میری ہوگی''

چنانچہ اس سازشی انگریز نے ایک قلیل سے عرصے میں اپنے اثر و رسوخ کو اس قدر بڑھا دیا کہ وہ جہاں جہاں پہنچتا تمام بڑے قبائی سردار اس کے ہم راہ ہوتے تھے وہ ہر قبائلی علاقے میں پہنچ کر باقاعدہ طور پر دربار منعقد کرتا تھا سرداروں کو الاؤنس دیا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ ان کے نوکروں کے لئے بھی الاؤنس اور ان کے جانوروں کے لئے راشن تحفے تحائف وغیرہ یعنی ''انگریزوں کا روپیہ بے دریغ طور پر صرف ہو رہا تھا'' (96)۔

سنڈیمن کی فارورڈ پالیسی

شروع میں انگریزوں کی پالیسی برائے بلوچستان عدم مداخلت کی تھی مگر بعدازاں اس پالیسی کو ترک کر کے فارووڈ پالیسی ('توسیع پسندانہ پالیسی) کو اپنایا گیا۔ فارورڈ پالیسی اختیار کرنے پر مقامی انگریز حکمران دو واضح نظریات کے حامل تھے صورت حال یہ تھی کہ بلوچستان کا انتظام وانصرام حکومت سندھ کے سپرد تھا لیکن ڈیرہ غازی خان اور اس سے ملحقہ مری بگٹی علاقے حکومت پنجاب کے سپرد تھے حکومت سندھ کا موقف تھا کہ خان قلات سے کئے ہوئے سابقہ معاہدوں کی روشنی میں عدم مداخلت کی پالیسی کو جاری رکھا جائے اور کسی قسم کی پیش قدمی نہ کی جائے لیکن حکومت پنجاب کے مقرر کردہ ڈپٹی کمشنر ڈیرہ غازی خان سر رابرٹ سنڈیمن فارورڈ پالیسی کے حامی تھے۔

اس ضمن میں میر گل خان نصیر لکھتے ہیں کہ

''سنڈیمن کمشنر سندھ کی ہدایات اور مٹھن کوٹ کانفرنس کے واضح فیصلوں کے خلاف بلوچستان کے اندرونی معاملات میں ٹانگ اڑا رہا تھا اور بلوچستان کے معاملات عدم مداخلت کی پالیسی کو ناکام ثابت کرنے پر تلا ہوا تھا اس نے خان کے ماتحت مری اور بگٹی قبائل کے ساتھ براہ راست تعلقات پیدا کئے جو کہ بلوچستان کے اندرونی معاملات میں نہ صرف بے جا مداخلت کرتے تھے بلکہ سرداروں کو خان کے خلاف بغاوت پر

اکسانے اور باغیوں کی اخلاقی امداد اور تنظیم سے بھی نہیں ہچکچاتے تھے'' (97)۔

ابھی یہ کشمکش جاری تھی کہ اسی دوران انگلستان میں حکومت تبدیل ہوگئی ڈسرائیلی وزیراعظم مقرر ہوئے اور لارڈ سالسبری وزیرامور ہندوستان، یہ دونوں فارورڈ پالیسی کے حامی تھے 1876ء میں انہوں نے فارورڈ پالیسی کے ایک اور زبردست حامی لارڈلٹن کو ہندوستان کا واسرائے مقرر کردیا لارڈلٹن نے بلوچستان کے معاملے میں رابرٹ سنڈیمن کی رائے کو زیادہ صائب قرار دیا۔''ان کے ذہن میں پورے ہندوستان کا دفاع تھا اور اس مقصد کے لئے بے قرار تھے کہ روس کی ملکی ہوس گیری کو روکنے کے لئے خان قلات کی مدد سے آگے کی طرف مورچہ قائم کیا جائے نہ کہ دریائے سندھ کے کنارے تک پیچھے ہٹ کر روس کے حملے کا انتظار کیا جائے'' (98)۔

اس میں شک نہیں کہ روسی حملے کا خطرہ ہندوستان کے سر پر منڈلا رہا تھا اگرچہ روس اور برطانیہ دونوں اپنے اپنے مقبوضات کی حدود کو دن بدن وسیع تر کرتے چلے جارہے تھے مگر روس زیادہ تیزی کا مظاہرہ کررہا تھا اور وہ وسط ایشیاء کے وسیع علاقوں پر قابض ہوچکا تھا اور اس طرح اس کی سرحدیں افغانستان تک پہنچ چکی تھیں حکومت ہند کے لئے یہ وقت بہت نازک تھا چنانچہ انہوں نے اپنی فارورڈ پالیسی کو بروئے کار لاتے ہوئے سر رابرٹ سنڈیمن کو خان قلات سے مذاکرات کرنے کے لئے نامزد کیا۔

رابرٹ سنڈیمن کا دورہ بلوچستان 1875ء

''رابرٹ سنڈیمن 19 نومبر 1875ء کو پہلے سیاسی مشن پر روانہ ہوا اس نے 17 دنوں میں 724 میل کی مسافت طے کرنے کے بعد 8 دسمبر 1875ء کے دن سبی پہنچا'' (90)۔''اس کے ساتھ غلام حیدر گورشانی، میرن خان دریشک، غلام حیدر لُنڈ، امام بخش مزاری، مسو خان نھکانی، سکندر خان کھوسہ، مزا خان لنڈ، جمال لغاری، مہر اللہ خان

مری، قادر بخش کھیتران تھے دفتری کارروائی کے لئے منشی ہتورام اور گھنٹر یٹر (گپت رائے) ساتھ تھے" (100) سررابرٹ سنڈیمن مزید آگے کوئٹہ کی جانب اپنا سفر جاری رکھتے ہوئے مختلف علاقوں سے گزر کر براستہ بولان، بی بی نانی سے ہوتے ہوئے کوئٹہ کی جانب بڑھتے رہے اور آخر کار 20 دسمبر 1875ء کو کوئٹہ پہنچ گئے نائب قلعہ کوئٹہ عبدالطیف نے ان کا استقبال کیا (101)۔ جب وہ کوئٹہ پہنچے تو اسے خان آف قلات کا مراسلہ موصول ہوا جس میں خان نے یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ وہ اس سے جہاں چاہے ملنے کے لئے بتادیں اور خان نے اس بات کا بھی اظہار کیا کہ سرداروں کے ساتھ نصیر خان اول کے قائم کردہ اصولوں پر فیصلہ کرنے میں انہیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا سنڈیمن نے اس دعوت سے فائدہ اٹھانے میں وقت ضائع نہیں کیا وہ فوراً ہی قلات کے لئے روانہ ہوا (102)۔ "31 دسمبر 1875ء کو وہ قلات پہنچا" خان نے بھرپور انداز سے اس کا استقبال کیا رابرٹ سنڈیمن نے بلوچستان کے حالات پر خان خدائیداد خان سے گفت شنید کی لیکن اس گفتگو کا کوئی خاص نتیجہ برآمد نہ ہوا البتہ سنڈیمن پر یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ قیام امن کے سلسلے میں خان کے ساتھ رابطہ پیدا کرنے سے کوئی مسئلہ حل نہیں ہوگا اور نہ ہی اس سے کوئی مدد ملے گی (103)۔ الغرض سنڈیمن دو تین دن قلات میں رہا لیکن اسے اپنے مشن میں کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوئی اور وہ ناکام قلات سے واپس ہوا۔ سنڈیمن کے قلات سے چلے جانے کے بعد جنوری 1876ء میں خان خدائیداد خان نے داروغہ عطا محمد کے توسط سے سردار نوردین کو قلات آنے کی دعوت دی اور سردار نورالدین داروغہ عطا محمد کی یقین دہانی پر کہ خان خدائیداد اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا داروغہ کے ساتھ قلات چلا آیا اور داروغہ کے مکان میں ٹھہر گیا۔ خان خدائیداد خان نے داروغہ عطا محمد کے مکان پر حملہ کرا کے سردار نوردین کو اس بہانے سے قتل کرا دیا کہ وہ اور داروغہ مل کر خان کو قتل کرنے کی سازش میں ملوث تھے (104)۔ حالانکہ یہ محض بے سروپا بات

تھی بہر حال خان خدائیداد خان کے اس فعل نے خان اور اس سرداروں کے درمیان خلیج کو اور بھی وسیع کر دیا۔ (105) لہذا ملک کے طول وعرض میں جو شورش اور بغاوت برپا ہوئی ان پر قابو پانا اب خان کے لئے ناممکن تھا۔ چنانچہ سرداروں نے انگریزوں سے خان کی اس زیادتی کی اطلاع دی اور خان کے خلاف نئے سرے سے بغاوت کی تیاریاں شروع کر دی اور کئی مقامات پر خان کے نائبوں کو قتل کر دیا گیا انہی دنوں کمشنر سندھ سر میریویدر جو عدم مداخلت کی پالیسی پر کاربند تھا اور سرداروں کے مقابلے میں خان کا طرفدار تھا ان کا تبادلہ ہوگا اور اس کے بجائے لیفٹیننٹ کرنل منرو نے 12 فروری 1876ء کمشنر سندھ کے عہدے کا چارج لیا۔ میریویدر کے تبادلے سے سارا وان کے باغی سرداروں کے حوصلے بڑھ گئے چنانچہ ان سرداروں نے ایک مراسلے کے ذریعے تمام حالات لکھ کر بھیج دیئے کہ خان خدائیداد خان سرداروں کو قتل کر کے ان کی جائیداد پر قبضہ کرنا چاہتا ہے اور انگریز حکومت نے خان کو جو اسلحہ دیا ہے وہ تمام ہمارے خلاف استعمال کر رہا ہے۔ اور اسی دوران سراوان کے سرداروں اور خان کے درمیان جھوک قاسم شاہ کوٹڑوا اور دیگر مقامات پر جھڑپیں ہوئیں گوہر خان کا درہ ءمولا پر قبضہ اور ناکہ بندی اس کے علاوہ قندھار سے آنے والے دو کاروانوں کو بھی لوٹ لیا۔ (106)۔ چنانچہ اب بلوچستان کے حالات دن بدن بگڑتے رہے امن وامان کی صورت حال نے سنگین صورت اختیار کر لی تھی اور یہ حالات انگریزی حکومت کے لئے باعث تشویش تھے لہذا اس ضمن میں سید محمود شاہ بخاری رقمطراز ہیں کہ ''حکومت ہند نے اس قصے کو معرض التوا میں ڈالنا نامناسب سمجھتے ہوئے میجر سنڈیمن کو دوسرے مشن پر بھیجنے کا فیصلہ کر لیا'' (107)۔

سنڈیمن کی دوسرا مشن 1876ء اور معاہدات

4 اپریل 1876ء کو لارڈ لیٹن جواب لارڈ نارتھ بروک کی بجائے ہندوستان کا وائسرا مقرر

ہوکر آیا تھا۔ ان کا خط لے کر رابرٹ سنڈیمن خان کے ساتھ بات چیت کی غرض سے بلوچستان روانہ ہوا۔

کپتان سنڈیمن کے بلوچستان پہنچنے سے پہلے جیکب آباد کے مقام پر سندھ سرحد کے انگریزی افسروں نے اپنی ایک میٹنگ میں یہ طے کرلیا تھا مستونگ کے مقام پر کثیر جمع مجمع کے لئے رہائش، خوراک اور ان کے جانوروں کے لئے چارہ کا آسانی سے انتظام ہوسکتا ہے۔ لہٰذا ایک فیصلہ ہوا کہ مستونگ میں ایک دربار منعقد کرکے اس میں خان اور باغی سرداروں کی ملاقات کا انتظام کیا جائے۔ قلات سے باہر دربار منعقد کرانے سے انگریزوں کا اصل مدعا یہ تھا کہ اس طرح خان آسانی سے ان کی شرائط قبول کرنے پر رضامند ہوجائے گا۔ چنانچہ اس فیصلے کی اطلاع خان کو بھی دیدی گئی۔ اور سرداروں کو بھی دربار میں شمولیت کرنے کے لئے مستونگ میں جمع ہونے کی ہدایت کی گئی تھی کپتان سنڈیمن 28 اپریل 1876ء کو مستونگ پہنچا (108)۔ اگرچہ خان نے اس دربار میں شامل ہونے سے انکار تو نہیں کیا لیکن ان کے جواب سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ اس دربار میں شمولیت کرنے پر بخوشی رضامند نہیں تھے اسکی تین وجوہات تھی ان وجوہات کے بارے میں میر گل خان نصیر لکھتے ہیں کہ:۔

"1۔ خان اسے پسند نہیں کرتے تھے کہ انگریزوں کے زیر اقتدار اپنے باغی سرداروں سے ملیں۔

2۔ خان کو اس دربار میں سرداروں کی کسی گہری سازش کا خوف تھا۔

3۔ خان کو انگریزی حکومت پر اعتماد نہ تھا بالخصوص سنڈیمن کی نیت پر شک تھا" (109)۔

خان کے اس جواب سے سنڈیمن کو حالات کا اندازہ ہوا اور انہوں نے وائسرائے ہند کا خط کپتان ویلی (Wylie) کے ذریعے خان کے پاس قلات بھجوا دیا اس خط کے پڑھنے کے بعد خان کو اطمینان ہوا۔ اور اس نے دربار میں شرکت کرنے پر رضامند ہوگئے (110)۔ خان کی رضامندی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اب خان کے لئے

اپنے سرداروں کے ساتھ مصالحت کے بغیر کوئی چارہ کار باقی نہیں رہا تھا کیونکہ اس نے اپنی سخت گیر پالیسی کی وجہ سے ان سرداروں کے ہاتھوں پوری طرح شکست کھائی تھی سردار تو پہلے ہی سے مصالحت کے لئے تیار بیٹھے تھے اور خان کو موجودہ حالات نے فیصلہ کرنے پر مجبور کردیا جس کی وجہ سے خانی فیصلے کے لئے تیار ہوگیا۔ اور" 31 مئی 1876ء کے دن وہ مستونگ پہنچ گیا"۔ (111)

سنڈیمن نے خان کے مشورہ اور منظوری سے باغی سرداروں اور خان کے درمیان تنازعہ مسائل کو طے کرنے کے لئے ایک تعیناتی کمیٹی قائم کی جس میں فریقین کو تین نمائندے نامزد کرنے کی ہدایت کی گئی چنانچہ خان نے اپنی طرف سے نواب محمد خان وکیل، مستوفی فقیر محمد اور ملا عبداللہ جان کو نمائندہ مقرر کیا اور باغی سرداروں نے اپنی طرف سے سردار امام بخش مزاری، سردار جمال خان لغاری اور سردار ملا محمد رئیسانی کو نمائندہ مقرر کیا ہتورام کو جو سنڈیمن کے دفتر کا سپرنٹنڈنٹ تھا اس کمیٹی کا سیکرٹری نامزد کیا گیا" (112)۔

خان کی شرائط صلح

تعیناتی کمیٹی نے خان اور باغی سرداروں سے ان کی شکایات مطالبات کی تحریری فہرست طلب کی خان اور باغی سرداروں کے ساتھ صلح کرنے کے لئے 6 جون 1876ء کے دن مندرجہ ذیل شرائط کمیٹی کے سامنے رکھیں۔

1	حکومت برطانیہ قندھار کے تاجروں اور قافلوں کو عوضانہ دلانے کا بندوبست کرے جن کو مولا ناکری اور گزگ کے راستوں میں جھالاوانی قبائل نے لوٹا اور ان سے محصول (سنگ) وصول کیا۔
2	سرولیم میریویدر کے صلاح ومشورہ کے مطابق ہم نے علاقہ لسبیلہ پر قبضہ کیا اور بڑے نقصان برداشت کیے ہیں۔ یہ علاقہ ہمیں دیا جائے یا اگر اسے برطانوی ہند میں شامل کیا جاتا ہے تو حکومت برطانیہ ہمیں وہ تمام اخراجات اور نقصانات ادا کرے جو جام کے خلاف لڑائیوں میں ہمیں برداشت کرنے پڑے ہیں۔

3	اگر مندرجہ بالا تجاویز میں سے کسی پر عمل درآمد ممکن ہو تو جام میر خان جو اس وقت برطانوی ہند کے علاقہ بمبئی میں قید ہے اس شرط پر کہ وہ ہماری حکومت کا اسطرح سے ماتحت ہو جیسا اس کے آباواجداد سابق امیران بلوچستان کے ماتحت رہے ہیں بیلہ کا جام مقرر کیا جائے ہم اپنی طرف سے اس کے جائز حقوق اور مراعات کو نظر انداز نہیں کریں گے۔
4	سردار ہمارے سابق وزیر عطا محمد کو جو ہمارے ملازم نواب محمد خان وکیل کی ضمانت کا خیال نہ کرتے ہوئے غداری کر کے قلات سے بھاگ نکلا ملک سے باہر نکال دیں ہم اسکے اہل وعیال کو جو قلات میں ہیں اس کے ساتھ جانے کی اجازت دیں گے۔
5	سر ولیم میر یویدر کمشنر سندھ کے 1872ء کے سمجھوتہ کی رو سے یہ طے پایا تھا کہ سراوان کے سردار ان تمام قافلوں کو عوضانہ ادا کر دیں گے جن کو انہوں نے درہ بولان میں لوٹا ہے یہ عوضانہ وہ اب تک ادا نہیں کر سکے اور ہم نوے ہزار روپے سوداگروں کو ادا کر چکے ہیں یہ رقم ان کو ادا کرنی تھی ادا نہ کر سکے اور ہم نے ادا کر دی یہ رقم ہمیں دلائی جائے۔
6	حکومت برطانیہ کی طرف سے ہم کو پچاس ہزار روپے سالانہ کی جو امدادی رقم ملتی تھی جو گزشتہ تین سال سے روک دی گئی ہے بحال کر دی جائے۔
7	ہمارے کمانی شکر خان، منشی صالح محمد اور منشی گل محمد کو جن کے باز وہم سے لے کر حکومت برطانیہ کے نمائندوں نے ان کو بلا کسی وجہ اور جرم کے قید کر رکھا ہے رہا کر دی جائے نواب محمد خان وکیل کو ہم اپنا نمائندہ مقرر کرتے ہیں جو سنڈیمن کے ساتھ گفت وشنید کرے گا۔
8	گزشتہ دستور کے مطابق سرداروں کو سنگ وصول کے جو حقوق حاصل ہیں اور جن کا فیصلہ سر میری ویدر کمشنر سندھ کر چکے ہیں وہ جاری رہیں گے۔
9	ہم حکومت برطانیہ کو ثالث تسلیم کرتے ہیں جو فیصلہ وہ ہمارے اور سرداروں کے درمیان کرے گی وہ ہمیں منظور ہوگا۔(113)۔

ہم سرداران سراوان وجھالاوان کوان کی آبائی میراث جائیداد واپس کردیں گے۔	الف
اگر سردار آئندہ کبھی شرائط صلح کی خلاف ورزی کریں تو ان کو کسی قسم کی سزا دینے سے پہلے ہم انگریزی نمائندہ متعین قلات کے ذریعے حکومت برطانیہ کے پاس اس کی رپورٹ کریں گے اور اسکی منظوری کے بعد ان کو سزا دیں گے۔	ب۔
اگر ہم ان کے ساتھ کوئی بے انصافی کریں تو ہمیں خوشی ہوگی کہ سردار برطانوی نمائندہ متعینہ قلات کے توسط سے حکومت برطانیہ کو ہمارے خلاف اپیل کریں۔	ج۔
سردار گزشتہ دستور اور رواج کے مطابق ہمارے احکام کی تعمیل اور ہماری خدمت کریں گے تو ہم اپنی طرف سے ان پر ایسی مہربانیاں کیا کریں گے جو ہمارے آباؤ اجداد ان کے ساتھ کرتے ہیں۔	10
حکومت برطانیہ ہماری ان شرائط کو جو اوپر بیان ہوئی ہیں منظور کرے گی تب ہماری حکومت بولان، مولہ راج راہ کیچ، مکران اور خراسان کے دوسرے تمام دروں کی حفاظت کی ذمہ دار ہوگی (114)۔	11

9 سے 11 جولائی تین دن تعیناتی کمیٹی کے اجلاس ہوتے رہے جن میں سرداروں کی شکایات اور خان کی پیش کردہ شرائط پر تفصیلی غور وخوض کیا جاتا رہا آخر کار ایک سمجھوتہ کی صورت پیدا کی گئی جسے خان اور باغی سرداروں نے منظور کرلیا اس ضمن میں سید محمود شاہ بخاری لکھتے ہیں کہ ”14 جولائی 1876ء کو مستونگ میں ایک بڑا دربار ضمنی فیصلہ کرنے کے لئے منعقد کیا گیا جس میں خان قلات و جام آف لسبیلہ میر خان، حاکم خاران آزاد خان اور دیگر تمام قابل ذکر بلوچستانی سردار موجود تھے سب ایک دوسرے کے دشمن تھے لیکن خان قلات ان سب کا مشترکہ دشمن تھا“ (115)۔ الغرض دربار میں بحث ومباحثے کے بعد آخر بلوچستان کے اس وقت کے حاکم خان خدائیداد خان اور مستقبل کے حاکم مسٹر سنڈیمن کے درمیان ایک معاہدہ طے ہوا۔ جس کی شرائط حسب ذیل ہیں۔

معاہدہ مستونگ 13 جولائی 1876ء

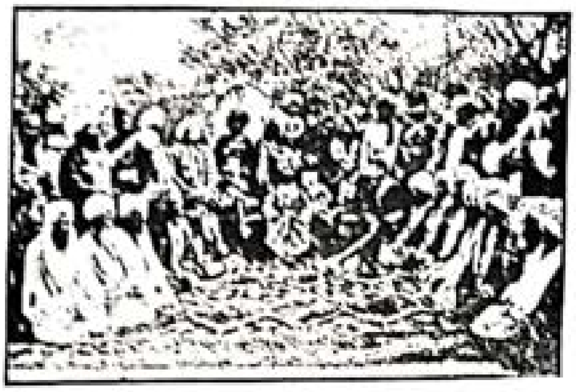

1	''سرداروں نے پرانے اصول وروایات کے مطابق خان کی اطاعت فرمانبرداری کا اعلان کیا اور خان نے ان کے پرانے حقوق بحال کر دیئے۔
2	خان نے سردار ملا محمد رئیسانی کی بجائے اس کے بیٹے اور سردار تاج محمد زرک زئی کی بجائے گوہر خان کو اور سردار نوردین مینگل کی بجائے اس کے خوردسال بیٹے شکر خان کو متعلقہ قبائل کا سردار تسلیم کر لیا۔
3	خان نے جام میر خان کی رہائی کی سفارش کی۔
4	منضبط جائیدادوں کی متعلق سرداروں نے خان کے فیصلے کو تسلیم کیا۔
5	سرداروں نے بولان کے متعلق سنڈیمن کے ساتھ خان کے کیئے ہوئے فیصلے کو قبول کیا۔
6	خان نے سرداروں کے وراثتی حقوق اور مراتب کی نگرانی کا وعدہ کیا۔
7	ان تمام متنازعہ امور کے تنبیہ کے لئے خان اور سرداروں نے آئندہ انگریزی حکومت کو واحد ثالث قبول کیا'' (116)۔

بہرحال عہدنامہ مکمل ہوجانے کے بعد انگریزوں کا بلوچستان کے طول وعرض پر قبضہ ہوگیا اور وہ یہاں کے ہر سیاہ وسفید کے مالک بن گئے بدقسمتی سے اور شاہ شجاع کی بے وفائی سے انگریز 1839ء میں سرزمین بلوچستان میں داخل ہو گئے تھے۔ لہذا 1876ء اور مستونگ کنونشن نے ان کے قدموں کو اور بھی زیادہ جمنے میں خاطر خواہ مدد دی۔

معاہدہ مستونگ کے اسباب

خان خدائیداد خان 1857ء میں برسر اقتدار آیا اور سمجھوتہ مستونگ 1876ء میں طے پایا اس طرح تقریباً 20 سال کا عرصہ گزرا اور اس تمام عرصے میں بلوچستان میں خانہ جنگی ہوتی رہی اور اس خانہ جنگی میں انگریزوں کا سب سے بڑا ہاتھ تھا انہوں نے خان اور اس کے قبائلی سرداروں کے خلاف شکوک وشبہات پیدا کر کے انھیں آپس میں 19 سال تک لڑاتا رہا۔ سردار اور خان ایک ہی سرزمین سے تعلق رکھنے کے باوجود ایک دوسرے سے بیگانہ ہو چکے تھے اور ایک دوسرے سے خوف کھاتے تھے باغی سردار علاقہ غیر پہاڑوں اور صحراؤں میں روپوش ہو چکے تھے اور خان قلات اپنی میری تک محدود تھا۔ ملک میں مکمل لاقانونیت تھی لوٹ مار فساد بدامنی اور قتل وغارت گری عام تھی زمیندار اور کاشت کار طبقہ اس خانہ جنگی اور بدامنی کی وجہ سے معاشی طور پر تباہ اور برباد ہو چکے تھے اور ان کی ایک بڑی تعداد ملک چھوڑ چکی تھی زرخیز اور شاداب ارضیات بنجر وویران ہو چکے تھے کاروانوں کی آمدورفت نہ ہونے کے برابر ہوگئی تھی آمدنی کے تمام ذرائع محدود ہو چکے تھے خان کا خزانہ بھی اپنی خانہ جنگی کی نظر ہو چکا تھا سپاہیوں کی کئی کئی مہینوں سے تنخواہیں نہیں ملی تھیں لہذا بہت سے سپاہی خان کی ملازمت چھوڑ کر جام لسبیلہ کی ملازمت میں جارہے تھے۔

دربار اور حکومتی امور پر خانہ زاد غلاموں اور غیر ملکی اکابرین کا قبضہ تھا جو قلات اور ملک کے دیگر باشندوں سے انتہائی ناروا سلوک کرتے تھے اور خان کو انتہائی غلط مشورے دیکر ملک کو تباہی کی طرف لے جا چکے تھے۔

سرکاری ملازمتوں میں کوئی بھی ملکی باشندہ نہیں تھا نہ ہی سول اداروں میں نہ ہی فوج میں اس لئے باغی سرداروں کو بھی اس سے تقویت مل رہی تھی اور قبائل کی ہمدردی سرداروں کے ساتھ مضبوط ہوتی جارہی تھی۔

مندرجہ ذیل بالا تمام اسباب کے علاوہ سمجھوتہ مستونگ کا سب سے بڑا سبب انگریزوں کی سازشیں تھیں جو سندھ و پنجاب کی سرحدوں پر بیٹھ کر بلوچستان میں ہنگاموں کا بازار گرم کر رہے تھے اور برطانیہ کی بلوچستان پر مکمل قبضے کے لئے راستہ ہموار کر رہے تھے۔ (117)

معاہدہ مستونگ کے اثرات اور تنقیدی جائزہ

خان خدائیداد خان نے نہ چاہتے ہوئے بھی سمجھوتہ مستونگ کو مان لیا تھا بقول میر گل خان نصیر "یہ دور غلامی کی نوید لے کر آیا تھا" (118) اس معاہدے کے جو اثرات ملک پر مرتب ہوئے ان سے اس بات کی غمازی ہوتی ہے کہ برطانیہ نے کتنی چالاکی سے اپنی توسیع پسندانہ پالیسی کو آہستہ آہستہ نقطہ انجام تک پہنچایا اس معاہدہ کے ذریعے وہ خواب جزوی طور پر پورا ہو گیا جو فارورڈ پالیسی کے حامیوں نے روس کی پیش قدمی کو روکنے کے لئے دیکھا تھا اس خواب کی یہ جزوی تعبیر مستقبل میں انگریزوں کے لئے پورے بلوچستان پر حکومت کرنے کا مژدہ جان فضاء ثابت ہو سکتی تھی اور ساتھ ہی ساتھ وہ بوقت ضرورت براستہ قندھار اور افغانستان پر بھی حملہ آور ہو سکتے تھے چنانچہ رابرٹ سنڈیمن نے آہستہ آہستہ پورے بلوچستان پر حکمرانی کرنے کے خواب کی تکمیل شروع کر دی نوبت یہاں تک آئی کہ اب خان کی بجائے انگریز حکومت کے نمائندے یعنی اے، جی، جی (ایجنٹ گورنر جنرل) کو بلوچستان کے بااختیار سربراہ کی حیثیت حاصل ہو گئی۔

معاہدہ مستونگ 1876ء دراصل برطانوی فارورڈ پالیسی کا حصہ تھا جسکا آغاز 20 ویں صدی کی ابتداء میں ہی ہو چکا تھا۔ روس کی فارورڈ پالیسی برائے افغانستان و ہندوستان نے برطانوی مفادات کو غیر محفوظ بنا دیا تھا۔ روس افغانستان میں اپنا اثر و نفوذ بڑھا رہا تھا۔ اور وہ افغانستان کے راستے دو اطراف سے ہندوستان پر اثر انداز ہونا چاہتا تھا۔ ایک راستہ تو کابل سے پشاور اور پھر وہاں سے اندرون ہندوستان اور دوسرا راستہ

بلوچستان کا تھا جو کہ زیادہ اہمیت کا حامل تھا۔ کیونکہ نہ صرف یہ کہ بلوچستان سے بذریعہ خشکی صرف دو راستوں مولہ اور بولان سے ہندوستان میں داخل ہوا جاسکتا تھا بلکہ بلوچستان کا طویل گرم ساحل سمندر اپنی تجارتی اور فوجی نقطے کے پیش نظر زیادہ اہمیت کا حامل تھا۔ روس کی کوشش یہی تھی کہ بلوچستان کے گرم سمندروں پر قبضہ کر کے بحر ہند کی تجارت پر اپنی اجارہ داری قائم کی جاسکے اور ہندوستان میں قائم برطانوی اڈوں پر ضرب کاری لگائی جاسکے۔ افغانستان میں رجعت پسند اور قدامت پرست مذہبی طبقے کی مخالف کی وجہ سے روس کو اپنے عزائم میں کامیابی نہیں ہو رہی تھی وہ اگر چاہتا تو بلوچستان کے خوانین اور قبائلی سرداروں کے ساتھ روابط بڑھا کر اپنے مفادات حاصل کرسکتا تھا لیکن روسیوں نے یہاں کے خوانین اور قبائلی سرداروں سے تعلق قائم، کیے بغیر ساحل مکران پر قبضے کی منصوبہ بندی کر رہے تھے جسکا کامیاب ہونا ممکن نہ تھا۔ دوسری طرف برطانیہ روسی عزائم سے مکمل طور پر آگاہ و آشنا تھا اور اس مستقبل کے خطرے کو ٹالنے یا ختم کرنے کے لئے وہ بھی منصوبہ بندی کر رہا تھا۔ برطانوی احکام نے روسیوں کے برعکس پہلے پہل بلوچستان کی سیاسی، جغرافیائی، معاشی، معاشرتی اور فوجی حالات سے مکمل آگاہی حاصل کی اور ان مقاصد اور معلومات کے حصول کی خاطر مختلف مہمات بلوچستان روانہ کیے۔ ان مہمات میں برطانوی فوجی افسروں نے حقیقی معنوں میں ایک اہم ترین معرکہ مارا کہ انہوں نے بلوچستان اور بلوچ قوم کے بارے میں ہر طرح کی معلومات اعلیٰ برطانوی سول و فوجی حکام کو باہم پہنچائیں اور اپنی رپورٹس میں ان برطانوی مہم جو فوجی افسروں نے وہ نقشہ (Road Map) بھی ترتیب دیا۔ جو برطانیہ کی فارورڈ پالیسی کے مختلف Phases پر مشتمل تھا اور اسی نقشہ کے مطابق برطانیہ نے اپنی فارورڈ پالیسی پر عملدرآمد شروع کیا۔ برطانیہ نے شروع میں بات چیت کے ذریعے بلوچستان پر کنٹرول حاصل کرنے کا آغاز کیا لیکن جب پہلے اینگلو

افغان جنگ میں برطانیہ کی شکست نے برطانوی خوابوں کو چکنا چور کیا تو برطانوی حکام نے بذریعہ طاقت بلوچستان پر قبضہ کرنیکا فیصلہ کیا 1839ء میں قلات پر قبضہ اور بعدازاں میر نصیر خان ثانی اور میر خدائیداد خان سے مختلف معاہدات کے ذریعے برطانیہ نے بلوچستان میں اپنا اثر ونفوذ قائم کیا۔ جب بلوچستان میں برطانیہ کی علمداری زیادہ ہو گئی تو انہوں نے اپنی سازشوں کے ذریعے بلوچستان میں خانہ جنگی کی آگ بھڑکادی اس کی دو وجوہات تھیں پہلی وجہ تو یہ تھی کہ انگریزوں کے مستقبل میں افغانستان پر حملے کی صورت میں بلوچ قبائل میں اتنی طاقت نہ ہو کہ وہ ماضی کی طرح انگریزی افواج پر حملہ کر سکیں اور انھیں نقصان پہنچا سکیں اور دوسری وجہ یہ تھی کہ بلوچستان کے قبائلی سرداروں اور خوانین کے درمیان خانہ جنگی کروا کر انگریز بذات خود دونوں کے درمیان فریق بننا چاہتا تھا۔

آنے والے دور میں انگریزوں کی یہ پالیسی نہ صرف کامیابی سے ہمکنار ہوئی بلکہ 1876ء میں فارورڈ پالیسی کا سرگرم حامی کیپٹن سر رابرٹ سنڈیمن نے معاہدہ مستونگ کے ذریعے ایک ثالث کی حیثیت سے بلوچستان کے قبائلی سرداروں اور خان قلات کی وطن پر برطانوی قبضے کی تکمیل کر دی۔ معاہدہ مستونگ 1876ء حقیقی معنوں میں غلامی کی نوید لے کر آیا۔ خان بلوچ اور اسکے قبائلی سردار گوکہ انگریزوں کی ثالثی سے خوش نہ تھے۔ لیکن وہ مجبور تھے انہوں نے 21 سال ایک دوسرے کو انگریزوں کے ایما پر مار مار کر ادھ مواء کر کے رکھ دیا تھا اب ان کے لئے کوئی دوسرا راستہ نہ تھا ماسوائے انگریزوں کی غلامی قبول کرنے کے لہذا بادل نخواستہ انہوں نے انگریزوں کو ثالث قبول کیا درحقیقت سنڈیمن نے گولی چلائے بغیر حقیقی معنوں میں سنڈیمن نے بلوچستان فتح کر لیا تھا۔

جیکب آباد میں وائسرائے سے ملاقات اور معاہدہ 1876ء

افغانستان میں سیاسی حالات جس تیزی سے انگریزوں کے خلاف تبدیل ہورہے تھے یہ صورت حال انگریزوں کے لئے باعث تشویش تھی چنانچہ ان حالات کے پیش نظر حکومت ہند نے اپنی سرحدوں اور بالخصوص بلوچستان میں حالات کو اپنے حق میں ساز گار رکھنا چاہتی تھی اس غرض کے لئے لارڈ لیٹن وائسرائے ہند خود جیکب آباد آ کر سرحد پر حالات کا ذاتی طور پر جائزہ لیا بعد ازاں میجر سنڈیمن کی طرف سے بلوچستان سے متعلق جو رپورٹ پہنچی تھی وہ ان کے لئے حیران کن تھی انہیں یقین نہیں آتا تھا کہ خان اور اُن کے سردار اپنی منشا اور خوشی سے اپنے تمام حقوق و مفادات حکومت برطانیہ کے سپرد کر چکے ہیں۔

وائسرائے ہند لارڈ لیٹن کی حیرانگی بلاوجہ نہیں تھی اسے واقعی یقین نہیں آرہا تھا کہ وہ کام جس کے لئے حکومت برطانیہ پچھلے کئی سالوں سے سرگرم تھا سر رابرٹ سنڈیمن نے اسے تین 3 دن میں سرانجام دیگا لہذا اس معاہدے کی تصدیق اور تجدید کے لئے لارڈ لیٹن نے کرنل کوہلی کو 1876ء قلات بھیجا کرنل کوہلی 4 اکتوبر کو قلات پہنچا اور 18اکتوبر کو قلات میں خان بلوچستان نے ایک دربار منعقد کیا جسمیں کرنل کوہلی نے خان کے نام وائسرائے ہند کا مراسلہ اور اس کی نقل پیش کی جس میں حکومت برطانیہ کی طرف سے خان خدائیداد خان کو دعوت دی گئی تھی کہ وہ جیکب آباد میں وائسرائے ہند سے آ کر ملیں اور معائدہ پر دستخط کرے جسے خان نے بلا غور و فکر اور بلا اعتراض منظور کر لیا۔ کرنل کوہلی اور سنڈیمن کے قلات سے واپس چلے جانے پر خان نے سفر کی تیاریاں شروع کیں ان کے ساتھ تمام قبائلی سردار اور معتبرین بھی تھے جن میں مکران، خاران، لسبیلہ، مری، بگٹی، کھیتران، باروزئی، لونی اور کاکڑ وغیرہ کے معتبرین شامل تھے گنداوہ کے مقام

پر کرنل کو بلی او سنڈیمن خان قلات سے پھر آ کر ملے اور ان کے ساتھ میں جیکب آباد کی طرف روانہ ہوئے۔(119)

7 دسمبر کو لارڈ لٹن وائسرائے ہند اور ان کی بیوی جیکب آباد پہنچ گئے دوسرے دن 3 بجے سہ پہر وائسرائے کی طرف سے دربار منعقد ہوا۔ خان اپنے تمام سرداروں اور معتبرین ومعززین کے ساتھ شامل ہوئے اور دربار میں حکومت برطانیہ کے نمائندہ لارڈ لٹن کے ساتھ معاہدہ پر اپنی تجدیدی مہر ثبت کی۔

معاہدہ جیکب آباد 1876ء کی شرائط مندرجہ ذیل تھیں۔

1۔ ''خان خدائیداد خان انگریز کے دشمن کو اپنا دشمن تصور کرے گا۔

3۔ خان برطانیہ کی ماتحتی مانے گا۔

4۔ انگریز کی اجازت کے بغیر ریاست کے باہر کوئی خط وکتاب نہیں کرے گا۔

(ا)۔ برطانوی حکومت قلات کی خودمختاری تسلیم کرتا ہے اور۔

(ب)۔ بیرونی حملے کی صورت میں خان کے اقتدار کی حفاظت کے لئے مناسب مدد کرے گا''(120)۔

معاہدے کے بعد وائسرائے ہند نے خان کو تین (3) لاکھ روپے امداد پیش کی اور خان صاحب نے مہمان نوازی کے جوش میں آ کر پورا خان گڑھ اسے بخش دیا لارڈ لٹن نے سنڈیمن کو اس کے Agent to the Governer General مقرر کیا 21 فروری 1877ء کو گورنمنٹ آف برٹش انڈیا نے بلوچستان ایجنسی قائم کرنے کا اعلان کر دیا اور اس کے لئے تین پولیٹکل ایجنٹ اور ایک میڈیکل آفیسر پر مشتمل اسٹاف کا تقرر کیا رچرڈ اسحاق بروس اسکا سیکرٹری اور کوئٹہ کا پولیٹکل ایجنٹ اے نالڈ Raynald ڈپٹی سیکرٹری کو جیکب آباد اور کیپٹن والی اسٹنٹ ڈپٹی سیکرٹری کو خان قلات کے دربار میں متعین کر دیا ڈیوک Duke بطور میڈیکل افیسر مقرر ہوا۔(121)۔

درحقیقت انگریزوں نے مختلف حلیوں بہانوں سے بلوچستان کے بعض علاقے برائے نام اجارے پر خان سے ہتھیا لئے دراصل انگریز اپنے مفادات کے حصول کی خاطر بلوچستان پر اپنی گرفت مضبوط کرنا چاہتے تھے کیونکہ ان کا اصل مقصد اپنے ہندوستانی مفادات کا تحفظ تھا لہٰذا انگریز جواب بلوچستان پر پوری طرح قابض ہو چکے تھے۔ اور یہاں کی دولت اور پیداواری وسائل سے خوب استفادہ کر رہے تھے وہ نہیں چاہتے تھے کہ کوئی اور ان کے ان مفادات کے لئے کوئی خطرناک صورت حال پیدا کرے چونکہ شمال کی طرف سے افغانستان اور بلوچستان کے راستے روسی خطرہ موجود تھا اور وہ کبھی بھی کوئی سخت خطرناک صورحال پیدا کر سکتا تھا جس سے انگریزوں کے ہندوستانی مقبوضات اور معاشی، تجارتی اور فوجی مفادات کو تباہ کر سکتا تھا برطانیہ بھی اس خطرے سے آگاہ تھا اور اس کا سدباب کرنا چاہتا تھا کیونکہ اسے اپنی ہندوستانی مفادات آزاد اور خود مختار اقوام کی نسبت زیادہ عزیز تھے اسے سندھ اور بلوچستان کی غلامی اور تباہی سے کوئی سروکار نہیں تھا بلکہ وہ روسی خطرے کے پیش نظر بلوچستان، افغانستان اور سندھ پر اپنا قبضہ مزید مستحکم کرنا ضروری سمجھتا تھا لہٰذا اپنے مفادات کے تحفظ کی خاطر برطانیہ ان تمام آزاد اور خود مختار قومی ریاستوں کو اپنی نوآبادیاتی نظام کے ماتحت کردی اور وہاں کے نامزد کردہ حکمران نام نہاد حکمرانی کرتے تھے۔

الغرض انگریز اپنی فارورڈ پالیسی کو کامیابی سے آگے بڑھائے رہے یہاں تک کہ 1876ء کا معاہدہ مستونگ طے کر کر کے حقیقی معنوں میں انگریزوں نے اپنی فارورڈ پالیسی کو کامیابی سے ہمکنار کرتے ہوئے افغانستان کی سرحدوں تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔

لہٰذا بلوچستان پر قبضہ افغانستان کے حکمران کے لئے ایک چیلنج تھا کیونکہ جہاں وہ روس سے خوفزدہ تھے وہاں انھیں انگریزوں کی قربت بھی گوارا نہ تھی لہٰذا انگریزوں کو بلوچ افغانی سرحد تک پہنچ جانا افغانوں کے لئے خطرے کی گھنٹی سے کم نہ تھا اس خطرے کو محسوس کرتے ہوئے افغان حکمران نے روس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا نتیجتاً دوسری اینگلو افغان جنگ ہوئی۔

افغانستان کی دوسری لڑائی 1878ء

''افغانستان کی دوسری لڑائی 1878ء سے قبل حکومت برطانیہ اور امیر کابل کے درمیان ایک معاہدہ طے پایا تھا یہ معاہدہ 1873ء میں ہوا تھا اس معاہدہ کے رو سے امیر کابل اس بات کا پابند تھا کہ وہ حکومت برطانیہ کے مشورہ اور منظوری کے بغیر روس سے کسی قسم کے تعلق قائم نہیں کرے گا۔ لیکن 31 جولائی 1873ء کو حکومت برطانیہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ حکومت افغان حکمران امیر شیر علی نے روس کی طرف دوستی بڑھایا ہے تو انگریزی حکومت نے یہ فیصلہ کیا کہ امیر کابل کے خلاف سخت قدم اٹھایا جائے کیونکہ اس نے معاہدہ کی صریحاً خلاف ورزی کی ہے'' (122)۔ حکومت ہندوستان نے سرنیول چیمبرلین کی زیر قیادت برطانوی اور مقامی ہندوستانی افسروں کی ایک جماعت کو افغانستان بھیجنے کی تیاری مکمل کر لی گئی۔ لیکن امیر افغانستان کے حکم سے المسجد کے مقام پر امیر کے افسروں نے برطانوی سفیر کو درہ خیبر سے گزرنے کی اجازت نہیں دی برطانیہ نے شیر علی خان امیر افغانستان کو یہ الٹی میٹم دے دیا کہ وہ 20 نومبر 1876ء تک برطانیہ کے مطالبات تسلیم نہیں کرتا تو اس کے خلاف جنگ کی جائے گی۔ مقررہ تاریخ تک امیر شیر علی خان نے اس الٹی میٹم کا کوئی جواب نہیں دیا (123)۔ چنانچہ لارڈ لٹن نے اسے اپنی فارورڈ پالیسی کو بروئے کار لانے کا ایک نادر موقع تصور کرتے ہوئے افغانستان کے خلاف اعلان جنگ کر دیا اور برطانوی دستے تین دروں بولان، خیبر اور کرم کے راستے افغانستان کی طرف بڑھے۔ افغان سپاہ مقابلہ میں پسپا ہو گئے اور برطانوی فوج نے کابل پر قبضہ کر لیا (124)۔ شیر علی خان 10 دسمبر 1876ء کو کابل سے فرار ہوا۔ 21 فروری کو شیر علی، مرزا شریف کے مقام پر انتقال کر گیا اس کی جگہ اس کے بیٹے یعقوب خان کو 1879ء میں امیر افغانستان مقرر کیا گیا۔ (125)

معاہدہ گنڈامک

1879ء یہ معاہدہ امیر کابل یعقوب خان اور برطانوی حکومت کے درمیان 26 مئی 1879ء کو گنڈامک کے مقام پر طے پایا۔ (126) اسی لئے اسے تاریخ میں معاہدہ گنڈامک سے یاد کیا جاتا ہے افغانستان کی طرف سے امیر کابل اور اس کے ماتحت افسران جبکہ حکومت برطانیہ کی طرف سے پی ایل این کو ویزی جو کہ سی۔ ایس آئی سپیشل ڈیوٹی آفیسر تھانے نمائندگی کی اس نے ایڈورڈ رابرٹ لٹن۔ ہلوری لٹن۔ بیرون لٹن، گرینڈ ماسٹر۔ نائٹ گرینڈ ماسٹر روائسرائے اور انڈیا کے گورنر جنرل سے لے گئے اختیارات کو برائے کار لاتے ہوئے گنڈامک کا معاہدہ طے کیا۔

معاہدہ گنڈامک کی شرائط حسب ذیل تھیں:۔

شق نمبر 1

موجودہ معاہدہ کی تصدیق کے دن سے وہاں دائمی امن اور برطانوی حکومت اور عزت مآب امیر افغانستان اور اسکی رعایا اور اسکے گدی نشینوں کے درمیان دوستی ہوگی۔

شق نمبر 2

عزت مآب امیر افغانستان اور اسکے ماتحت افسران معاہدہ کی رو سے پابند ہیں کہ جنگ کے دوران برطانوی فوجیوں کے ساتھ روابط رکھنے اور اپنے علاقوں میں ان کو تحفظ فراہم کرنے کے ذمہ دار ہونگے امیر افغانستان اس سلسلے میں غفلت برتنے اور برطانوی افواج کو تنگ کرنے والوں کے لئے ممکنہ سزاؤں کی تشہیر کریں۔

شق نمبر 3

عزب مآب جناب امیر افغانستان اور اسکے ماتحت اس بات پر رضامند ہوئے کہ بیرونی ممالک سے روابط برطانوی حکومت کی خواہش اور مشورے کے مطابق کی

جائے گی عزت مآب امیر اس معاہدے کی رو سے اس بات کے پابند ہونگے اب وہ کسی بیرونی ملک سے معاہدہ نہیں کریں گے اور کسی بھی بیرونی ملک پر برطانوی حکومت کی رضامندی کے بغیر ہتھیار نہیں اٹھائیں گے ان شرائط کی بنیاد پر برطانوی حکومت افغانستان کو کسی بھی بیرونی حملے اور جارحیت کی صورت میں مالی، فوجی اور ہتھیاروں سے مدد کریگا۔ اور جس حد تک ممکن ہوگا بیرونی جارحانہ عزائم کا مقابلہ کیا جائے گا۔

شق نمبر 4

برطانوی حکومت اور امیر افغانستان کے درمیان قائم ہونے والے براہ راست اور گہرے تعلقات کو قائم رکھنے اور اسکے زیر تسلط علاقوں کی سرحدوں کی حفاظت کے لئے یہ بات طے پائی کہ برطانوی نمائندہ کابل میں رہائش اختیار کرے گا اور اسکے ساتھ حفاظتی دستے متعین ہونگے جو اسکے عہد و وقار کے مطابق ہونگے یہ بھی طے پایا کہ برطانوی حکومت اور افغان حکومت دونوں اپنے مفادات کے تحفظ کی خاطر سرحدوں پر اپنے نمائندے بھیجتے رہیں گے۔ جو براہ راست امیر کابل اور وائسرائے ہند سے ملاقات کر سکیں گے اور حکومت برطانوی بھی اسے بہتر سمجھتی ہے۔

شق نمبر 5۔

امیر افغانستان اور اسکے ماتحتوں نے اپنے زیر اثر علاقے میں برطانوی تحفظ اور ان کے ساتھ معقول سلوک کی ضمانت دی اور دوسری طرف برطانوی حکومت نے وعدہ کیا کہ (افغانستان) کہ انکے ایجنٹوں کو انکے علاقوں میں یہی مراعات حاصل ہونگے اور برطانوی ایجنٹ افغانستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہیں کریں گے۔

شق نمبر 6۔

امیر افغانستان اس کے ماتحت افسران اور اسکے نائبین یہ ذاتی ذمہ داری اٹھائیں گے کہ برطانوی حکومت کی اجازت سے برطانوی تجارت جہاں تک بھی ہو اسکی راہ میں کوئی

رکاوٹ نہیں ڈالی جائے گی۔ اور معاہدے کے اس شق کی وقتاً فوقتاً تجدید کی جائے گی۔

شق نمبر 7۔

عہد نامے کے مطابق امیر افغانستان اور برطانوی حکومت ہند کے درمیان طے پایا کہ ہندوستان اور افغانستان کے درمیان تجارتی راستے بغیر کسی رکاوٹ کے کھول دیئے جائیں امیر افغانستان اس بات پر راضی ہوا کہ وہ اپنی تمام تر کوششیں تاجروں کے تحفظ کے لئے صرف کریگا اور افغانستان کے راستے ہونے والی تجارت کو علاقے میں مکمل مراعات دیئے جائیں گے دونوں حکومتوں کے درمیان طے پایا کہ تجارتی مقاصد کی خاطر استعمال ہونے والی سڑکوں کو بہتر اور قابل استعمال بنانے کے لئے دونوں حکومتیں تمام تر اخراجات برداشت کریں گے۔ دونوں ممالک کے درمیان یہ بھی طے پایا کہ تجارتی کاروانوں سے جو سنگ لیا جائیگا وہ امیر افغانستان کے لئے ہونگے جن میں سے کچھ رقم وہ سڑکوں کی تعمیر تجارت کی بحالی اور تحفظ پر خرچ کرے گا اس مقصد کے لئے علیحدہ معاہدہ اس معاہدے کی تجدید کی غرض سے لے لیا جائیگا۔

شق نمبر 8۔

متحدہ حکومت کے درمیان رسل ورسائل کا نظام آسان بنانے اور دونوں ممالک کے درمیان تجارتی تعلقات کو مضبوط بنانے پر اتفاق رائے قائم کی گئی اور یہ بھی طے پایا کہ سے کابل تک ٹیلیگراف لائینز کو خاص تحفظ فراہم کیا جائے گا۔

شق نمبر 9۔

دوستی کے اس معاہدے کے طے پانے کے بعد برطانوی حکومت نے امیر افغانستان اور انکے ماتحتوں کو قندھار اور جلال آباد کے ساتھ تمام علاقے جو کہ اب برطانوی حکومت کے قبضے میں ہیں واپس کر دیئے سوائے ضلع، پشین اور سبی کے امیر افغانستان اور اس کے ماتحت اس بات پر راضی ہوگئے کہ معاہدے کی اس شق کے مطابق بیان

کردہ شرائط پر پشین، کوئٹہ سبی اور قرم کے علاقے برطانوی کنٹرول میں ہونگے اور درج بالا علاقے مستقبل طور پر برطانیہ کے زیر اثر نہیں دیں گے بلکہ مناسب وقت پر واپس کر دیئے جائیں گے ان علاقوں کی آمدنی ضروری کٹوتی کے بعد امیر افغانستان کو دیئے جائیں گے۔

برطانوی حکومت خیبر اور ایجنسی اضلاع جو کہ پشاور اور جلال آباد کے درمیان واقع ہے ان کا کنٹرول برطانوی حکومت کے ہاتھ میں رہے گا اور ان میں آباد آزاد قبائل کے تعلقات براہ راست برطانیہ سے رہیں گے۔

شق 10۔

قانونی اختیار کی بازیابی اور بحالی کے لئے مزید رقم دی جائے گی کہ امیر اور اسکے گدی نشینوں کو سالانہ 6 لاکھ روپے کی امداد فراہم کی جائے گی۔ (127) بعدازاں امیر یعقوب خان نے 26 مئی 1879ء کو سمجھوتے پر برطانوی کیمپ میں دستخط کئے اور 4 روز بعد یعنی 30 مئی 1879ء وائسرائے ہند نے اس سمجھوتے کی توثیق کر دی۔ (128)۔ 1880ء میں ہرات کا افغان گورنر سردار ایوب خان نے برطانوی جنرل بروس کے ایک فوجی دستے کو خونریز جھڑپ کے بعد میوند کے مقام پر شکست دی (129)۔ اس لڑائی میں انگریزوں کو شکست فاش ہوئی ان کے کئی سپاہی اور آفیسر میدان جنگ میں کام آئے ان کا اسلحہ گولہ بارود اور راشن افغان غازیوں کے ہاتھ لگا انگریزوں پر فتح یاب ہونے کے بعد سردار ایوب خان نے خان قلات میر خدائیداد خان کے پاس اپنا قاصد بھیجا تا کہ خان اس جہاد میں شامل ہو جائیں لیکن خان خدائیداد خان نے انگریزوں کے خلاف لڑنے سے انکار کر دیا۔ ''خان خدائیداد خان کی فوج جو زیادہ تر پشین اور قندھار کے پٹھانوں پر مشتمل تھی خان کی اس انکار سے مشتعل ہو گئی اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ بلوچستان میں لوٹ مار اور فساد پھیلانے کے بعد قندھار فرار ہو گئے''۔ (130)۔ اسی دوران میں مریوں نے بھی انگریزوں کے خلاف بھی بغاوت کی۔ (131)

سردار گوہر خان زرکزئی کی بغاوت

سردار تاج محمد زرکزئی کے مرنے کے بعد قبیلہ زہری میں اب تک کوئی سردار مقرر نہیں ہوا تھا۔ سردار تاج محمد زہری کی بیٹی بی بی جان بی بی کے بطن سے خدائیداد خان کا ایک بیٹا مصطفیٰ نامی پیدا ہوا تھا۔ خان خدائیداد خان چاہتا تھا کہ اپنے اس بیٹے کو قبیلہ زہری کا سردار مقرر کریں مگر مصطفیٰ خان چونکہ صغیر سن تھا۔ اس لئے قبیلہ زہری کی سرداری کا مسئلہ دن بدن الجھتا جارہا تھا۔ (132) گوہر خان زرکزئی جو سردار تاج محمد کا بھتیجا تھا اس نے دسمبر 1871ء میں زہری قبیلے کی سرداری کا اعلان کر دیا۔ جسے خدائیداد خان نے نہ صرف قبول نہیں کیا بلکہ سردار رحمٰن خان ذگر مینگل کے زیر سر کردگی اس کے خلاف لشکر بھیج کر اسے زہری چھوڑنے پر مجبور کیا۔ خان کا بیٹا میر مصطفیٰ خان اچانک فوت ہوا۔ چنانچہ 1874ء میں مائی نور بی بی جو کہ سردار تاج محمد زرکزئی کی ماں تھی کے کہنے پر خدائیداد خان نے میر سعادت خان زرکزئی کو قبیلہ زہری کا سردار مقرر کیا۔ میر گوہر خان نے اس فیصلے کو ماننے سے انکار کرتے ہوئے نورگامہ میں خان کے انباروں کو لوٹا اور خان کے خلاف بغاوت کی (133)۔ انگریزوں نے بہت کوشش کی کہ گوہر خان انکی زیر اثر آئے لیکن گوہر خان نے انگریزوں کی ہر پیش کش کو ٹھکرایا جس کی وجہ سے انگریزوں نے اسکے بھائی پسند خان کو اپنے ساتھ ملا لیا لیکن بات پھر بھی نہ بن سکی لہذا مجبور ہو کر دوبارہ گوہر خان کی سرداری کو بحال کر دیا اور اس کے بیٹے میر یوسف خان کو تعلیم کے لئے علی گڑھ بھیجوادیا۔ (134)۔

خان قلات میر خدائیداد خان سے ایجنٹ گورنر جنرل بلوچستان کی ریذیڈنسی کی تعمیر کے لئے کوئٹہ میں قطعہ زمین حاصل کر کے انگریزوں نے ایک قلعہ بنوانا شروع کیا۔ اس قلعے میں کام کرنے والے تین مزدور جو کہ نسلاً پٹھان تھے انہوں نے برطانوی

لیفٹیننٹ میوسن کو قتل کر کے ایک دوسرے لیفٹیننٹ کہنارٹ کو شدید زخمی کر دیا اس واقع کے بعد انگریزوں نے کوئٹہ کے قلعے کے انتظامات کو اپنی تحویل میں لے لیا۔ اس طرح بعد ازاں 8 جون 1883ء کو حکومت برطانیہ نے کوئٹہ اور بولان کا علاقہ خان سے 55 ہزار روپے سالانہ کے عوض اجارے پر حاصل کر لیا۔ (135)۔

یعنی معاہدہ مستونگ 1876ء کے طے پا جانے اور اس پر عملدرامد شروع ہونے کے بعد انگریز مکمل اختیارت کے مالک بن چکے تھے۔ افغانستان پر جارحیت کے دروازے کھول دیئے گئے۔ بلوچوں کی اراضیات پر آہستہ آہستہ انگریز مختلف حلیوں بہانوں اور سودا بازیوں کے ذریعے قابض ہوتے جا رہے تھے۔ خان گڑھ (جیکب آباد) سے خدائیداد خان پہلے ہی محروم ہو چکا تھا اور معاہدہ گنڈامک کے طے ہونے کے بعد اس کے تباہ کن اثرات بلوچستان پر مرتب ہوئے کیونکہ معاہدہ گنڈامک کے بعد سرڈیورنڈ نے افغان برطانیہ اور بلوچستان کی حدبندیوں کے لئے جو لائن کھینچی تھی بلوچ اور افغان علاقے براہ راست اسکی زدد میں آئے اور انگریزوں کی اس چال نے دونوں بردار اقوام میں اختلافات اور دشمنی کے بیج بو دیئے اور نتیجاً افغان اور بلوچ اپنے بیشتر علاقوں سے محروم ہو گئے۔ ان علاقوں کو انگریز قریباً کئی سالوں تک اپنے فوجی اور کچھ تجارتی مقاصد کے لئے استعمال کرتے رہے۔ معاہدہ مستونگ کے تباہ کن اثرات میں یہ بھی شامل تھا کہ نصیر آباد نوشکی، بولان بوستان، مری، بگٹی اور بہت سارے علاقے عملاً انگریزوں کے ہاتھوں میں چلے گئے جو انگریزوں نے معمولی معاوضے کے عوض اجارے پر حاصل کر لئے اور انہیں اپنے فوجی اور تجارتی اڈوں میں تبدیل کر دیا۔ جن علاقوں کو انگریزوں نے معاہدہ مستونگ کے بعد چھوٹے چھوٹے معاہدات کے ذریعے حاصل آتا گیا ان میں انہوں نے ریلوے لائن بچھادی جسکے ذریعے انگریز ایران اور افغان سرحد کے ساتھ منسلک ہو گئے اور اب ان کے لئے ایران اور افغانستان کی جانب پیش قدمی کرنا پہلے کی نسبت زیادہ

آسان اور پر سکون ہوا۔ اسی طرح سڑکوں کے ذریعے بھی اپنی سرحدیں انہوں نے ایران اور افغانستان کے ساتھ ملا کر یہ خطے فوجی اور تجارتی حوالے سے سبقت حاصل کی۔

دراصل معاہدہ مستونگ بلوچستان کی تقسیم در تقسیم کا سبب بنا اور انگریز اپنے مفادات کے حصول اور تحفظ کی خاطر بلوچستان کو پولینڈ کی طرح وقتاً فوقتاً تقسیم کرتے رہے تاکہ ایک طرف ایران اور افغانستان کی حکومتوں کی ہمدردیاں انگریزوں کو حاصل ہوں اور دوسری طرف خان آف قلات کی طاقت اس حد تک کمزور ہو کہ وہ نہ تو انگریزوں کے خلاف کوئی اقدام کر سکے اور نہ ہی انگریزی امداد کے بغیر اپنی کوئی حکومت عملی وضع کر سکے لہذا معاہدہ مستونگ 1876ء کو انگریزوں کا بلوچستان پر عملاً قبضہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔

برٹش بلوچستان کا قیام

"1887ء میں برٹش بلوچستان کے نام سے ایک الگ صوبہ قائم کیا گیا یہ گویا بلوچوں کے بلوچستان کے مقابلے میں انگریزوں کا بلوچستان تھا" (136)۔ معاہدہ گنڈمک کی رو سے سبی اور پشین کے علاقے برطانوی حکومت نے حاصل کر کے ان کے ساتھ مری بگٹی اور کھیتران علاقے بھی شامل کر لئے گئے بعد ازاں ژوب، لورلائی اور سنجرانی کے علاقے شامل کر دیئے گئے کوئٹہ اور درہ بولان خان قلات سے پٹہ پر حاصل کر لئے گئے ان تمام علاقوں کو ملا کر برٹش بلوچستان کا نام دے دیا گیا اور یہ پورا صوبہ ایجنٹ ٹو دی گورنر جنرل (اے، جی، جی) کے ماتحت تھا۔ (137)۔ بعدازاں یکم نومبر 1887ء کو حکومت ہند کے ایک قرار داد کے ذریعے برطانوی ہند میں شامل کرنے کا اعلان کر دیا۔ اور اس پر مکمل کنٹرول اب حکومت ہند کا تھا۔ اب بلوچستان میں عملاً انگریز کا تسلط قائم ہو گیا تھا اور ان کی دیرینہ مقاصد کی تکمیل ہوئی اس کامیابی کا سہرا سر رابرٹ سنڈیمن کے سر بندھتا ہے ایک طرف اس نے برٹش بلوچستان کے نام صوبہ قائم کر کے

افغانستان تک برطانوی حکومت کی سرحدوں کو وسیع کر دیا اور بلوچ ریاست کا اب اصل مختیار خان کی بجائے ایجنٹ ٹو گورنر جنرل تھا جسے خود اسکے سرداروں نے بخوشی تسلیم کر لیا تھا اس طرح بڑے جدوجہد کے بعد بلوچستان میں انگریزوں کی گرفت اور حاکمیت مکمل ہو گئی۔ گوکہ انگریزوں نے بلوچستان میں خود کو مضبوط کرنے کے علاوہ خان قلات اور اس کے زیر تسلط علاقوں کے جاگیردار سرداروں کو اپنے ماتحت کر چکے تھے مگر وہ بلوچستان میں امن قائم نہ رکھ سکے۔ میر عبدالرحمٰن خان اور میر خدائیداد خان کے درمیان ذاتی تعلقات اور دشمنی حد سے زیادہ بڑھ چکی تھی۔ اس دشمنی کی وجہ یہ تھی کہ میر عبدالرحمٰن خان کابل کی حکومت پر قبضہ کرنے سے پہلے جب ایک مفرور کی حیثیت سے بلوچستان میں داخل ہوا۔ تو میر خدائیداد خان احمد شاہ ابدالی اور میر نصیر خان اول کے عہد میں کیے ہوئے معاہدے کے مطابق ان کو پناہ دینے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ امیر عبدالرحمٰن خان چاغی سے ہوتے ہوئے ایران چلے گئے تھے۔ اور یہی بات ان کے درمیان دشمنی کا باعث بنی(138) "1888ء میں امیر کابل میر عبدالرحمٰن نے چاغی پر قبضہ کر لیا"(139)۔

اسی دوران جام میر خان سردار لسبیلہ کے بیٹوں میں عداوت چلی۔ اس کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ اس دن سے جب کہ جام میر خان پونا وستارہ سے واپس بیلے میں آیا تھا۔ جام علی خان اپنے دوست محمد بندو اور حاجی ہوشیار کے صلاح ومشوروں میں آکر اپنے باپ کی دشمنی پر آمادہ ہو چکا تھا اور وہ چاہتا تھا کہ اس کو درمیان سے ہٹا کر لسبیلہ کی حکومت پر خود قابض ہو جائے جلد ہی جام علی خان کی یہ دشمنی ظاہر ہو گئی باوجود یہ کہ اس نے بہت بڑا جرم کیا تھا باپ نے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ البتہ اسے اپنے سے دور رکھنا ضروری سمجھا۔(140) چنانچہ انگریزوں نے بروقت میر عالی خان کو گرفتار کر کے سبی میں نظر بند کر دیا نظر بندی کے دوران وہ سبی سے فرار ہوا لیکن جلد ہی گرفتار ہو کر کوئٹہ قلعہ میں قید ہوا(141)۔ بعد ازاں 1888ء کے ابتدائی ہفتہ میں سنڈیمن چند دن کی چھٹیوں

پر انگلستان گیا ہوا تھا سرینٹ جان جو کہ بلوچستان میں قائم مقام گورنر تھا اسی دوران جام میر خان سردار لسبیلہ کی وفات ہوئی ان کی وفات کے بعد سرینٹ نے جام میر خان کی ہندوستانی بیوی کے بڑے بیٹے میر یعقوب خان کی سرداری کی سفارش کی مگر سنڈیمن نے اس رائے سے اتفاق نہیں کیا کیونکہ لسبیلہ کے عوام اور جاموٹ قبیلہ میر عالی خان کے حق میں تھا کیونکہ اس کی والدہ ایک بلوچ حکمران سردار نور دین مینگل کی بہن تھی جبکہ یعقوب خان اور مقبول خان ایک غیر بلوچ کے بطن سے تھے لہذا سنڈیمن کو حالات نے مجبور کیا کہ میر عالی خان کے حق میں فیصلہ دیا۔ لہذا 21 جنوری 1889ء کو میر عالی خان کو بیلہ کا جام مقرر کیا گیا۔ (142)

وائسرائے ہند کی بلوچستان میں آمد

"17 نومبر 1889ء کو لارڈ لینسڈون وائسرائے ہند اور لیڈی لینسڈون کوئٹہ آئے" (143)۔ ان کے استقبال کے لئے ایجنٹ گورنر جنرل، خان قلات میر خدائیداد خان اور دیگر قبائلی سرداروں اور معتبرین اسٹیشن پر موجود تھے ان کا شاندار استقبال کیا گیا۔

انہوں نے 20 نومبر کو کوئٹہ میں ایک دربار منعقد کروایا جس میں خان خدائیداد خان اور بلوچستان کے تمام سرداروں نے شمولیت کی اس دربار سے خطاب کرنے کے بعد وائسرائے ہند نے خان کے ساتھ دوستی برقرار رکھنے کی تجدید کی۔ اسی دوران خان خدائیداد خان نے میر عیسیٰ خان گچکی کو نیابتی سے ہٹا دیا اور ان کی بجائے سردار میر گاجیان کو پنجگور کا نائب مقرر کیا خان کے اس سلوک سے میر عیسیٰ خان بدظن ہوا اور میر آزاد خان نوشیروانی سے امداد کی گزارش کی۔ آزاد خان نے اپنے بیٹے نوروز خان کو اس کی مدد کے لئے لشکر دے کر بھیجا جنہوں نے پنجگور میں لوٹ مار مچائی میر گاجیان اس کی تعاقب کو نکلا اور دشت کھور کے مقام پر لڑائی ہوا اور اس لڑائی میں میر گاجیان قتل ہوا جب

خان خدائیداد خان کو اس حملے کی اطلاع ملی تو وہ غصے میں آ کر انگریزی حکومت کی اطلاع کے بغیر سردار آزاد خان نوشیروانی کی جاگیر واقعہ خداباداں پر قبضہ کرلیا جو کہ معاہدہ مستونگ 1876ء کی خلاف ورزی تھی انگریزوں نے خان کی اس حرکت کے خلاف ناراضگی ظاہر کی اور اس مسئلے کے حل کے لئے میجر سنڈیمن نے 1890ء میں پہلی بار مکران کا دورہ کیا اس دورہ کا مقصد خان خدائیداد خان اور آزاد خان نوشیروانی کے تنازعات اور گاجیان گچکی کے قتل کے تصفیہ کا فیصلہ کرنا تھا۔ میجر سنڈیمن جب مکران سے واپس ہوا تو اس نے کرنل میسور کو سابق نائب مکران میر شاہداد گچکی کی تحقیقات کی خاطر مکران میں چھوڑ دیا۔ تحقیقات کے دوران کرنل میسور نے میر شاہداد خان کی تذلیل کی جس سے وہ مشتعل ہوا اور موقع پا کر میسور پر قاتلانہ حملہ کیا جس سے کرنل میسور زخمی ہوا اور اس کا ایک ساتھی مارا گیا میر شاہداد خان فرار ہوکر ایران چلا گیا اور کئی سال بعد میر محراب خان گچکی کی ضمانت پر اس نے اپنے آپ کو برطانوی حکومت کے حوالے کیا شاہی جرگے نے اسے سات سال کی قید کی سزا دی۔ (144)

ریاست قلات کی سیاسی حالات اور خان کے برائے نام اختیارات

1876ء کے معاہدہ کی رو سے سردار عملاً خان کے دائرہ اختیار سے آزاد ہوگئے اب خان کی حاکمیت براہ راست اس کے مالیہ دہ علاقوں تک محدود ہوگئی خان اب ملکی معاملات کو اپنی خواہش اور مرضی کے مطابق چلانے کی پوزیشن میں نہیں رہا قلات کی ''میری'' (وہ جگہ جائے پر سردار یا خان آف قلات کی نشست ہوتی تھی) کی بجائے کوئٹہ کی ریذیڈنسی کی اہمیت بڑھ چکی تھی خان خدائیداد خان کی یہ حالت تھی کہ وہ انگریزی تسلط سے آزاد رہنے کی خواہش کے باوجود اس سے ٹکرانے کی قوت نہیں رکھتا تھا اس کی قوت کو جو بلوچ قبائل پر مشتمل تھی ان کی ہمدردیاں اب خان کے ساتھ نہیں تھی خان کو یہ اندازہ

ہوگیا تھا کہ وہ اپنا سب کچھ کھو چکا تھا اور بلوچستان کی حکومت اس سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چھن چکی تھی۔ بقول گل خان نصیر کہ ''خان کا تاج انگریزی حکومت کے سیاسی شعبدہ بازوں کے قدموں کے نیچے پڑا تھا'' (145) البتہ سر رابرٹ سنڈیمن کی زندگی میں خان کو اتنی عزت ضرور حاصل تھی جتنی طاقتور برطانوی عہد میں ایک کمزور سربراہ ریاست کو حاصل ہونی چاہئے لیکن اصل اختیارات کے مالک انگریز تھے خان کی حیثیت صرف ایک کٹھ پتلی حکمران کی تھی اب ان تمام حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے خان خدائیداد خان کی دانشمندی اسی میں تھی کہ کوئی مناسب وقت آنے تک خاموشی سے حکومت برطانیہ کا دم برتا اور قبائلی سرداروں کے ساتھ شفقت سے پیش آکر ان کو اپنے قابو میں کرلیتا تاکہ مناسبت وقت اور موقع پر اپنے کھوئے ہوئے اقتدار کو حاصل کرلیتا۔ لیکن اس کے دل میں جو انتقام کی آگ سلگ رہی تھی اس آگ کو بجھانا آسان کام نہیں تھی اس لئے نہ اس نے وقت کا انتظار کیا اور نہ ہی موقع کا اس نے جلد بازی میں آکر پہلا قدم دہلی دربار سے واپسی پر ہی اٹھایا اور حکومت برطانیہ سے ایک لاکھ روپے کی سالانہ امداد جو معاہدہ 1876ء کے تحت ان کو دینا تھا جسے لینے سے انکار کردیا کیونکہ یہ رقم ان فرائض سے خاطر خواہ طور پر عہدہ برا ہونے کے لئے بہت کم ہے لیکن بعد میں سر رابرٹ سنڈیمن کے سمجھانے پر خان نے یہ رقم لے لی (146)۔ اسی دوران خان نے انگریزی حکومت کے نمائندہ سے مشورہ کئے بغیر حاکم بھاگ کے ذریعے سرداروں کی بہت سی اراضیات ضبط کرلی خان کے خیال میں سراوان کے سرداروں نے کچھی کی بیشتر سرکاری اراضیات پر غاصبانہ قبضہ کرکے ان کو اپنی انعامی جاگیروں میں شامل کرلیا ہے۔ خان کی اس حرکت سے متعلقہ سردار پھر بگڑ گئے سردار اسد خان رئیسانی جو وقت اپنے باپ کی جگہ رئیسانی قبیلہ کا سردار تھا سنڈیمن سے خان کے اس اقدام کی شکایت کی سنڈیمن جو ذاتی طور پر ایک بزم رو پالیسی کا حامل آفیسر تھا وہ 8 جون 1891ء کو قلات آیا خان سے ملاقات کی

اور طے پایا کہ سمجھوتہ مستونگ کے تحت چار افراد کی ایک کمیٹی تشکیل دی جائے جس میں دو نمائندے خان قلات کی طرف سے اور دو نمائندے انگریزی حکومت کی طرف سے اس کمیٹی میں شامل کردیئے جائیں انکوائری کے بعد فیصلہ کریں چنانچہ میجر کیپٹن پولیٹیکل ایجنٹ قلات اور رائے بہادر ہتو رام حکومت برطانیہ کی طرف سے اور مستوفی فقیر محمد اور ایک اہل کار خان کی طرف سے ممبران کمیٹی مقرر کئے گئے یہ طے پایا کہ یہ کمیٹی بمقام کچھی میں بیٹھ کر اپنی کاروائی شروع کرے گی سنڈیمن کا یہ فیصلہ سراوان کے سرداروں کے خلاف تھا سردار اس کمیٹی کے فیصلے پر بہت پریشان ہوئے کیونکہ وہ یہ بات بخوبی جانتے تھے کہ کچھی کے جن اراضیات پر ان کا قبضہ ہے دستاویزات کے حوالے سے ان کا بیشتر حصہ ان کے ہاتھوں سے نکل جائے گا چنانچہ اب سردار اسد خان نے اس معاملے کو ٹالنے کی کوشش شروع کردی متوفی فقیر محمد جس نے خان کا بہت سا مال و دولت غضب کیا ہوا تھا جس کے متعلق رابرٹ سنڈیمن نے ایک دفعہ خان کو اشارتاً کہہ دیا تھا کہ یہ شخص ایک دن تمہارے گھر میں آگ لگا دے گا۔ لیکن خان پھر بھی نہ سمجھ سکا لہٰذا اب وہ خان کی گرفت سے خائف رہتا تھا اور سرداروں کے ساتھ میل ملاپ رکھ کر ان کو اپنا ہم خیال بنا چاہتا تھا خان کی طرف سے کمیٹی کا ممبر مقرر ہونے سے اسے یہ نادر موقع ہاتھ آیا چنانچہ سردار اسد خان نے تمام سرداروں سے ایک ایک لاکھ جمع کر کے متوفی فقیر محمد کو بطور رشوت دے دیا انگریزوں کی طرف سے کمیٹی کا ممبر ہتو رام پہلے ہی سے سرداروں کے حق میں تھا متوفی فقیر محمد نے رشوت لے کر سرداروں کی طرف داری کرنے لگا لہٰذا انہوں نے ساتھ مل کر میجر ٹمپل کو اس بات پر رضا مند کرلیا کہ اس وقت کچھی کا موسم سرما قریب اختتام ہے اور سرداروں واپس سراوان جارہے ہیں اس لئے یہ بہتر ہوگا کہ یہ کام آئندہ سال موسم سرما سے شروع کیا جائے ان کی اس تجویز سے سنڈیمن نے بھی اتفاق کیا اور اس طرح کچھی کی اراضیات کا مسئلہ التواء میں پڑھ گیا۔(147)

سنڈیمن کی موت اور اُسکے اوصاف واصول

''سررابرٹ سنڈیمن ایجنٹ گورنر جنرل مکران کا دورہ کرتے ہوئے لسبیلہ پہنچا مگر وہاں اسے نمونیہ ہوا اور 29 جنوری 1892ء میں فوت ہوگیا انہیں بیلہ ہی میں دفن کیا گیا''(148)۔ سررابرٹ سنڈیمن فی الحقیقت ایک شخصیت ہی نہیں ایک عہد کا نام تھا وہ انگریزی استعمار کا ایک نمائندہ ہی سہی مگر بے پناہ خوبیوں کا مالک تھا۔ یہ صرف اسی کا ہی کمال تھا کہ اس نے بلوچستان جیسے حساس حصے کو اپنی صلاحیتوں سے کچھ اس طرح زیر کیا کہ پورا بلوچستان بغیر کسی مزاحمت کے برطانوی حکومت کی مٹھی میں آگیا لہذا ''برطانوی حکومت نے اس گراں قدر خدمات کے لئے اسے 'سر' کا خطاب دیا اور انگریزی حکومت کے بعض افسروں اسے فاتح بلوچستان کا خطاب بھی دیا''(149)۔ سنڈیمن نے بلوچستان کے قبائل کو مضبوط حکومتی گرفت میں رکھنے کے لئے نہ تو وہاں فوجی چھاؤنیاں تعمیر کیں اور نہ ہی پولیس اسٹیشن قائم کیے غرضیکہ اس نے گولی چلائے بغیر بلوچستان کو انگریزوں کے لئے فتح کیا یہ اس کی خوبی تھی کہ اس نے خان اور سرداروں کو عزت دی اور اپنے مفادات کو حاصل کرتا رہا اس نے بلوچستان میں ایک نظام متعارف کروایا جس کے اصولوں کا جائزہ درج ذیل میں لیا جارہا ہے۔

سنڈیمن نظام کے اصول

(1)	کسی مخالف قبیلہ کے بارے میں یہ رائے نہ بناؤ کہ وہ غلطی پر ہے جب تک کہ پرسکون دل اور انصاف کے ساتھ اچھی طرح یقین نہ کرلو تحقیق کرنے سے عموماً معلوم ہوتا ہے کہ ان کی بہت سے باتیں برحق ہیں ان کی حق رسی کرو اور ان سے اچھا سلوک کرو۔
(2)	قبائل بلا معاوضہ آپ کی خدمت نہیں کریں گے اپنے ہاتھ ان کے سرداروں کو پیسہ دینے کے لئے کھلے رکھو۔

(3)	قبائلی افراد، سرداروں اور معتبروں کی عزت کرو اور ان کے سارے معاملات کو جرگہ سے حل کرو۔
(4)	جب تک ممکن ہو اپنا اثر و رسوخ استعمال کرو اثر ڈالنے کی کوشش کرو مداخلت کی کوشش نہ کرو۔
(5)	خان کے مالیہ دینے والے علاقوں میں مداخلت نہ کرو۔
(6)	ہر سردار کو اس کے قبیلہ کے اندرونی معاملات میں آزاد چھوڑ دو لیکن سردار کو اس کے قبائلی افراد کے برے کاموں کا ذمہ دار بناؤ۔
(7)	خان کے مالیہ دینے والے افراد اور قبائلی آدمیوں کی آپسی جھگڑوں خان کے ملازم اور قبائلی افراد کے درمیان جھگڑوں کا فیصلہ سرداری جرگوں سے کراؤ۔
(8)	سردار رئیسانی کو سر سراوان سراوان اور سردار سردار زرک زئی کو سر سرداران جھالاوان کے عہدوں پر قائم رکھوں'' (150)

سنڈیمن کے نظام کے متعارف ہو جانے سے بلوچستان نے ایک قومی وحدت کے بجائے انگریز حکومت کی ایک انتظامی وحدت کی شکل اختیار کرلی جس میں ہر قبائلی علاقے کو ایک خودمختار یونٹ کی حیثیت حاصل ہوگئی۔

جنرل سر جیمز براؤن کی بلوچستان آمد

سنڈیمن کی وفات کے بعد حکومت برطانوی ہند نے جنرل سر جیمز براؤن کو بلوچستان کا AGG (Agent to the Governor General) مقرر کیا۔ میر گل خان نصیر سر جیمز براؤن کے بارے میں لکھتے ہیں کہ: ''کہ جنرل براؤن ایک خودسر اور مغرور شخص تھا چنانچہ گورنر جنرل کے ایجنٹ مقرر ہوتے ہی اس کے اور خان کے درمیان چپقلش اور کشیدگی پیدا ہونی شروع ہوئی'' (151)۔

جس کی درج ذیل وجوہات ہیں۔

(1)	جنرل سر جیمز براؤن اپنے اس عہدے پر فائز ہونے کے بعد کوئٹہ آیا تو خان خدائیداد خان اس کے استقبال کے لئے کوئٹہ نہیں گئے اس کی وجہ یہ تھی کہ سنڈیمن نے ایک دستور قائم کیا تھا کہ وہ خود خان قلات سے ملنے قلات جایا کرتا تھا۔اس طرح خان خدائیداد کو بھی یہ توقع تھی کہ براؤن اسے سلام کرنے قلات آئے گا مگر براؤن جو خان قلات کو اپنا ماتحت سمجھتا تھا قلات نہیں گیا تو خان نے اسے اپنی بے عزتی اور توہین خیال کیا۔
(2)	سرداران سراوان جن کو کچھی کے متنازعہ اراضیات پر خان سے ڈر اور اختلاف پیدا ہوا وہ سنڈیمن کے طے کردہ تجویز کے مطابق اراضیات کچھی کا فیصلہ کرانا نہیں چاہتے تھے۔ یہ سرداران خان کے خلاف جیمز براؤن کے کان بھرتے تھے۔تاکہ یہ مسئلہ التواء میں پڑے جائے۔

اسی دوران خان کے کچھ غلام اور کنیزوں نے مل کر خان کی غیر موجودگی میں قلات کے خزانے سے 30 ہزار روپے چرائے اور عین موقع پر پکڑے گئے شہزادہ میر محمود خان نے سب کو تہ تیغ کر دیا۔اس حادثے سے جنرل براؤن سخت مشتعل ہوا اور تحقیقات کے لئے میجر ٹمپل پولیٹیکل ایجنٹ کو قلات روانہ کیا خان خدائیداد نے اسے اپنے اندرونی خانگی معاملہ تصور کر کے اس میں مداخلت کو برا منایا اور اس طرح جیمز براؤن اور خان خدائیداد کے درمیان شدید اختلاف اور کشیدگی کی بنیاد پڑ گئی۔(152)لہذا ابتداء ہی میں خان خدائیداد خان اور جنرل براؤن میں چپقلش کا آغاز ہوا اب ایک میان میں دو تلواریں نہیں رہ سکتی تھی لہذا سر جمیز براؤن نے اپنا رنگ دکھانا شروع کر دیے اس کا پہلا قدم حکومت برطانیہ کی منظوری سے بلوچستان میں خدائیداد خان کے اختیارات کو مزید کم کرنے کا فیصلہ کیا لیکن خدائیداد خان اس پر راضی نہ ہوا لہذا جنرل براؤن نے برطانیہ کی روایتی مکاری کو بروئے کار لاتے ہوئے خان کے دربار میں ایسے افراد کی تلاش شروع

کردی جنہیں وہ بروقت وہ خان کے خلاف استعمال کرسکتا چنانچہ متوفی فقیر محمد کے روپ میں جیمز براؤن کو بہت جلد ایک مہرہ مل گیا اس کے علاوہ شہزادہ اعظم خان کو بھی استعمال کرنا چاہا لیکن شہزادے نے انکار کیا لہذا مستوفی فقیر محمد کے ذریعے شہزادہ میر محمود خان کو اس مقصد کی کی خاطر آسانی کے ساتھ تیار کیا گیا اور انہیں یہ لالچ دیا گیا کہ آئندہ خان آف قلات آپ کو نامزدہ کیا جائے گا اس طرح وہ اس سازش میں ان کے ساتھ شامل ہوگیا اس پروگرام پر عمل کے دوران خان قلات پر اس سازش کا انکشاف ہوگیا فقیر محمد کے بیٹے غلام فاروق کو اے جی جی نے قلات ایجنسی میں پولیس انسپکٹر مقرر کردیا تھا وہ بی جانے سے قبل خان کو سلام کرنے کے لئے حاضر ہوا اور خان نے اسے بٹھالیا اور اس کے باپ فقیر محمد کو بلا بھیجا فقیر محمد جب آیا تو خان صاحب نے اس کی غداری اور جنرل براؤن سے سازباز کا ذکر کیا فقیر محمد کو اپنی موت سامنے نظر آنے لگی تو اس نے اپنے واسکٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا خوف سے اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے اور گولی وہ اپنے پستول میں ڈالنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اچانک پستول اس کے ہاتھ سے گرگئی اس کی اس حرکت پر خان نے اسے گرفتار کرنے کا حکم دیا اور اس حکم کے مطابق اسے اس کے بیٹے اور اس کے والد کے نائب عبدالعزیز اور اس کے مشیر کار حوالدار شیر داد خان کو پکڑ کر مقید کردیا گیا لہذا خان نے اس سلسلے میں مجلس مشاورت طلب کی ان کے شہزادے میر محمود خان کو خطرہ پیدا ہوا کہیں اس سازش میں ان کی ملی بھگت بھی ظاہر نہ ہوجائے اس لئے شہزادہ نے مختلف دلائل سے خان کو اس امر پر راضی کرلیا کہ ان چاروں کو فوراً موت کی سزا دی جائے چنانچہ اس رائے پر عمل کیا گیا۔ فقیر محمد اور اس کے خاندان کو برسرعام قتل کردیا گیا۔(153)

مستوفی فقیر محمد اور اس کے خاندان کے قتل کے بعد خان خدائیداد خان نے اس واقع کی اطلاع سر جیمز براؤن کو بیل پٹ کے ریلوے اسٹیشن سے بذریعہ تار دی۔ سر جیمز براؤن جو پہلے ہی خان میر خدائیداد خان کے اختیارات کو محدود یا بصورت دیگر اسے معزول

کرنے کی منظوری اپنی گزشتہ تجویز پر حکومت ہند سے حاصل کر چکا تھا۔ اب صرف خان پر ہاتھ ڈالنے کا مناسب موقع پر تلاش کر رہا تھا۔ بقول ''سردار خان کہ مستعفی اور اس کے بیٹوں کے بہانہ قتل نے انگریزوں کو خان سے تخت و تاج چھیننے کا ایک وزنی بہانہ تھا'' (154) چنانچہ انگریزوں افسر پہلے ہی سے بہانے کی تلاش میں تھے جیمز براؤن نے خان کو بیل پٹ طلب کیا خان کو معلوم تھا کہ سر براؤن نے اسے کس لئے اپنے پاس طلب کر رہا تھا۔ لیکن وہ حالات سے اس قدر دل شکستہ اور مایوس ہو چکا تھا کہ وہ مزاحمت کا خیال تک دل میں نہیں لا سکتا تھا۔

خان کے چھوٹے بیٹے میر اعظم خان نے اپنے والد کو مشورہ دیا کہ وہ یہ دعوت کر رد کر دیں اور اگر جانا ہی ہے تو اپنے ساتھ مضبوط دستہ لے کر جائیں لیکن نڈر خان نے یہ مشورہ قبول نہ کیا (155) لیکن تقدیر عین اپنے انجام کی طرف چلتی ہے خدائیداد خان تو بچپن سے ہی آزمائشوں اور طوفانوں سے نبرد آزمائیوں میں پلا بڑھا تھا۔ اس لئے اس نے شہزادہ کے اس دور اندیشانہ مشورے کو ٹھکرا دیا اور عام طریقہ سے بیل پٹ کی طرف روانہ ہوا ایجنٹ گورنر جنرل نے خان کا استقبال ایک ایسی جگہ پر کیا جس کے تین اطراف فوجیں متعین تھیں وہ بغیر کسی سلامی کے اس احاطہ میں داخل ہوا جس کے بعد فوج یک لخت ٹرن اباؤٹ ہو کر گھومی اور خان نے اپنے آپ کو حراست میں پایا۔ (156) اور اس طرح مارچ 1893ء میں خان کو گرفتار کیا گیا (157) وہ اس کے ساتھ شہزادہ محمود خان، شہزادہ میر شاہنواز خان، نواب بٹے خان، میر سمندر خان لہڑی، اور میر موسیٰ خان ریکی زئی کو بھی گرفتار کر کے کوئٹہ لا گیا جب جیمز براؤن نے کوئٹہ میں فقیر محمد کے قاتلوں کا مطالبہ کیا تو خان نے کہا کہ میں ان کا قاتل ہوں اس طرح دونوں کے درمیان تند و تیز الفاظ کا تبادلہ ہوا اور بعد میں میر محمود خان کے کہنے پر شہزادہ اعظم خان کو بھی گرفتار کیا گیا۔ جیمز براؤن نے خان خدائیداد خان کو اپنی ہی بنائے ہوئے ایک جرگے کے سامنے پیش کیا جرگے نے بہت کوشش کی کہ خان خدائیداد خان حکومت قلات سے دست بردار ہو جائیں لیکن خان نے

ایسا کرنے سے انکار کیا(158)۔ میر نصیر خان احمد زئی لکھتے ہیں کہ ''جب خان نے استعفیٰ دینے سے انکار کیا تو جیمز براؤن نے دھمکی آمیز اور ناشائستہ طریقے اختیار کرنے پر اتر آیا شہزادہ میر اعظم خان کو پولیس لائن میں لے جا کر علیحدہ نظر بند رکھا گیا جب کہ میر کے دوسرے خدمت گاروں اور معززین کو جوان کے ساتھ تھے، جیل بھیج دیا گیا۔ ایک دن سہ پہر کے وقت سر جیمز براؤن میجر ٹمپل پولیٹکل ایجنٹ قلات، مسٹر اسٹیٹ سیکرٹری سردار اسد خان رئیسانی، نیٹو اسسٹنٹ ہتورام، شہزادہ میر محمود خان، امیر خدائیداد خان سے ملنے گئے اور ان سے ان کے استعفیٰ نامے پر جبراً مہر لگوائی'' خان میر خدائیداد خان کی مہر ایک طلائی زنجیر ان کے گلے میں پڑے رہتی تھی ان تمام افسروں کی موجودگی میں بلکہ ان کی ایماء پر شہزادہ میر محمود خان نے اٹھ کر اپنے باپ یعنی خان خدائیداد کے گلے سے مہر نکالی اور ان کے استعفیٰ جسے براؤن نے اپنے منشا سے تحریر کیا تھا جس کا مضمون حسب ذیل تھا ثبت کر دیا۔

''میں میر خدائیداد خان، خان قلات، سلامتی ہوش و ہواس خمسہ و بلا جبر و اکراہ رو بروئے جنرل سر جیمز براؤن ایجنٹ ٹو دی گورنر جنرل نیٹو ہتورام سردار اسد خان رئیسانی سر سرداران سراوان اور شہزادہ میر محمود خان قلات کے تخت سے دستبردار ہوتا ہوں چونکہ میری عمر پچپن برس کو پہنچی ہے۔ میں بوڑھا اور حکومت کا بار گراں اٹھانے سے قاصر ہوں اور میری قوم بھی مجھ سے ناخوش ہے اس لئے میں بہ رضا و رغبت خود اپنے بڑے بیٹے اور سعید شہزادہ میر محمود خان کے حق میں تخت قلات سے دستبردار ہوتا ہوں۔(159)

خان میر خدائیداد خان نظر بندی اور وفات

''تخت قلات سے دستبرداری نامہ پر خان میر خدائیداد خان کی مہر ثبت کرانے کے بعد چند عرصے کے لئے انہیں کوئٹہ قلعے میں رکھا گیا اور پھر انہیں وہاں سے لورالائی بھیج دیا گیا بعد ازاں ان کو اپنے اہل و عیال کو بھی ساتھ رکھنے کی اجازت دے دی گئی۔

میر خدائیداد نے تقریباً سات 7 سال 1893ء سے 1900ء تک لورالائی میں نظر بند رہے"(160)۔ "چنانچہ اسی دوران میر خدائیداد خان کی بہن بی بی فتح خاتون نے دہلی جا کر وائسرائے ہند سے ملاقات کی اور اپنے نظر بند بھائی میر خدائیداد خان کی مراعات کے بارے میں گفت وشنید کی جسے وائسرائے ہند نے منظور کر لیا"(161)۔ "میر خدائیداد خان کو نظر بندی کی حالت میں لورالائی سے پشین لایا گیا حکومت قلات کے خرچ پر ان کے لئے معمولی سا رہائشی مکان تعمیر کرایا گیا اور ڈیڑھ ہزار روپے وظیفہ مقرر کیا گیا"(162)۔

"بالآخر 17 سال کی طویل مدت انگریزی حکومت کی قید میں بسر کرنے کے بعد 1909ء میں خان خدائیداد خان نے (انہتر) 69 برس کی عمر میں بمقام پشین میں داعی اجل کو لبیک کہا اور وصیت کے مطابق پشین ہی میں سپرد خاک کیا گیا(163)۔

خان خدائیداد خان کا کردار بحیثیت حکمران

"میر خدائیداد خان پست قد، آنکھیں سیاہ، رنگ گندمی اور بال گھنگریالے تھے اور بندھوں پر عموماً زری شال ڈالا کرتے تھے"(164)۔ "میر خدائیداد خان نے 37 سال بلوچستان پر حکمرانی کی"(165)۔ (لیکن اکثر مورخین میر خدائیداد خان کے دور حکمرانی کو لگ بھگ 36 سال بتاتے ہیں) انہیں اپنے دور حکومت میں چند سال ہی سکون کا سانس لینا نصیب ہوا کیونکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ خان خدائیداد خان شکی مزاج اور متذبذب الخیال تھا۔ خطا و انتقام میں سخت اور عدل و انصاف میں کمزور تھا۔ ایک دفعہ جب کسی شخص سے بگڑ جاتے پھر اس شخص کو کبھی معاف نہیں کرتے اس کی نفرت اور انتقام کے شدید جذبے نے اس کو کبھی بھی سرداروں سے نرم روی اختیار کرنے نہ دیا شکی مزاج اس حد تک تھا کہ شاغاسی ولی محمد جیسے قدیم ترین اور وفادار وزیر جس نے خان خدائیداد کی حکومت اور اقتدار کو بچانے میں ہر بار اپنی جان کی بازی تک لگائی اسے بھی معاف نہیں کیا(166)۔

خان خدائیداد خان کی طبیعت کی یہ کمزوریاں اس کی حکومت کی ناکامیوں کی وجہ بنی کیونکہ خان کی اندرونی پالیسی کی وجہ سے اکثر قبائل خان سے ناراض رہا کرتے تھے اور آئے دن کی بغاوتوں سے ملک کا نظم ونسق درہم برہم ہوگیا تھا اور اس کے اثرات انگریزوں کے سرحدی علاقوں پر پڑ رہے تھے نیز خان خدائیداد کی پالیسی سے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے قبائلی سردار بھی خان کے اس رویہ اور حکومت سے نجات حاصل کرنے کے لئے انگریزوں کی طرف دیکھتے تھے۔(167) اس ضمن میں سردار خان اپنی کتاب ''بلوچ قوم کی تاریخ میں نپولین کا ایک قول رقمطراز کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: نپولین نے کہا تھا'' جب ایک بادشاہ کو مہربان کہا جائے تو اس کی حکومت ناکام ہوجاتی ہے'' خان خدائیداد خان کو تو بالکل اس قول کے برعکس ثابت ہوئے کہ ایک سخت اور جابر حکمران بننا نہ صرف وجہ ناکامی ہے، بلکہ ایک قومی بدنصیبی بھی ہے خان خدائیداد خان میکاولی کے اس نظریہ کے مطابق حکومت کرتا تھا کہ انسان، انسان ہی ہے لہذا اسے قوانین کے ذریعے لگام دینے کی ضرورت ہے اور گاہے بگاہے بارود، گولی، تبر، پھندا اور کال کوٹھڑی کی صورت میں مضبوط دوا کی تیز خوراک کی بھی ضرورت ہے''(168)۔لیکن کب تک کوئی برداشت کرے یہ انسانی فطرت ہے کہ وہ افراتفری کی بجائے ایک منظم معاشرتی زندگی کا آغاز کرنا چاہتا ہے اور معاشرے میں نظم وضبط قائم رکھنے کے لئے اصول وضوابط اور ان کو نافذ کرنے کے لئے ایک قوت کی ضرورت محسوس کرتا ہے لہذا اس قوت کو حاصل کرنے کے لئے مخالفت سرداروں نے آپس میں اتحاد پیدا کر کے خان خدائیداد کے لئے مزید دشواریاں پیدا کردیں۔ اور خان خدائیداد خان تمام عمر ان سرداروں کے خلاف مصروف جہاد رہا۔ نہ خود سکون سے رہا نہ دوسروں کو سکون سے رہنے دیا'' خان خدائیداد خان اگر عسکری صلاحیتوں کے علاوہ مدبرانہ اوصاف کا مالک ہوتا تو وہ حالات پر جلد از جلد قابو پالیتا۔ لیکن ان اوصاف کے فقدان نے ریاست کو ایک بے لگام جنگل میں

بدل دیا لیکن اگر اس کی تلوار فیاضی سے مرصع ہوتی اور فیاضی انصاف سے مسلح ہوتی تو یقیناً ایک کامیاب و کامران فرمانروا ہوتا حالانکہ کہ اس وقت بالواسطہ یا بلاواسطہ اس کے دائرہ اختیار میں چھ بلوچ شیران وغا یعنی مری، بگٹی، ڈومکی، گمسی، مزاری اور لغاری سردار موجود تھے، اگر خان تھوڑے سے تدبر و فراست سے ان مذکورہ سرداروں کی قوت سے کام لیتا تو اس کا یہ عہد نصیر اعظم کے سبزی زمانہ کا حریف ہوتا'' (169)۔ لیکن خان خدائیداد خان نے تدبر اور صبر سے کام نہ لے کر بڑی سیاسی غلطی کی جس کا خمیازہ اسے بھگتنا پڑا اور انہی وجوہات کی بناء پر خان کو حکومت کے کاروبار خوش اسلوبی سے چلانے میں ناکامی ہوئی اور یہی وجوہات اس کی زوال کا باعث بن گئے۔ ان تمام خامیوں کے علاوہ خان خدائیداد خان میں ایک بڑی صفت یہ تھی کہ وہ آزادی خواہ اور خودار انسان تھا'' (170)۔ خان خدائیداد کو اپنے خاندان میں ایک بے نظیر مقام حاصل تھا وہ واحد خان تھا جس نے باقاعدہ فوج رکھی اور مرکزی خزانے کی ضرورت محسوس کی خان خدائیداد اپنے خاندان کا آخری حکمران تھا جس نے ایک آزاد حکمران کا شاہی تاج پہنا تھا۔ گوکہ وہ انگریزوں حکومت کی شاطرانہ چالوں کو پوری طرح سمجھ سکنے کا شعور نہیں رکھتا تھا اور اس کی وجہ سے اس نے سخت دھوکہ بھی کھایا تھا لیکن اس کے باوجود اپنے ملک کی آزادی خود اختیاری پر آخر دم تک قائم رہا۔ پس ہمیں نہایت عقیدت مندی اور اخلاص سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ خان خدائیداد خان ایک ایسا مجاہد تھا جنہوں نے خالی ہاتھ باغیوں اور غداروں کے گھیرے میں ہوتے ہوئے اپنے قوم و وطن اور آزادی کے لئے ایک مسلح اور باجروت دشمن کو للکارا اور اپنے قوم و وطن کے لئے جان تک دیدی (171)۔

خان خدائیداد خان اپنے والد خان محراب خان شہید کی پالیسی اختیار کرنا چاہتا تھا۔ وہ درحقیقت اپنے والد کی طرح بلوچستان کا ایک خودمختار حکمران بننا چاہتا تھا اور وہ یہ بات بھی بخوبی جانتا تھا کہ اس کے والد کی شکست و شہادت میں سرداروں کا دخل تھا لہذا

وہ ان قبائلی سرداروں کو ناپسند کرتا تھا اور ان سرداروں کو ایک مضبوط حکومت اور مستحکم ریاست کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ سمجھتا تھا اس لئے اس کی شروع دن سے یہی کوشش تھی کہ سرداروں کی طاقت کو کمزور کر کے مرکزی حاکمیت کو مستحکم کرے لیکن ایسا ممکن نہ تھا نتیجہ یہ ہوا باغی سردار ہمیشہ خان کے خلاف رہے ان کی مخالفت کی وجہ سے نتیجہ یہ نکلا کہ پورا بلوچستان برطانیہ کے قبضے میں چلا گیا اور انگریزی حکومت کی انتظامیہ قائم ہوجانے کے بعد بلوچستان کے کچھ علاقے اس انتظامیہ کے تحت برٹش بلوچستان بن جانے کے بعد خان کی حکمرانی کی بات محض رسمی روایات بن گئی بلکہ عملاً پورا بلوچستان انگریز کے قبضے میں چلا گیا۔ الغرض اقتدار کی اس جنگ میں نہ تو سرداروں کو کامیابی ہوئی اور نہ ہی خان خدائیداد خان کو دور حکمرانی میں سکون نصیب ہوا بلکہ اقتدار انگریزی حکومت میں منتقل ہوا بہر حال ''خان خدائیداد بلوچ حکمرانی کا آخری نشان تھا وہ کتنا ہی کمزور اور بے دست و پا ہی سہی مگر پھر بھی انگریزوں سے متنفر تھا۔ وہ اپنی ریاست اور خود کو زیاں سے تو نہ بچا سکا مگر اسے اس بات کا شدید احساس ضرور تھا جس کی تلافی کے لئے وہ حتی الوسع کوشاں بھی رہا مگر اس سے نہ اپنوں نے وفا کی نہ ہی بیگانوں نے بلکہ خود اس کی اپنی سخت گیر پالیسیوں نے بھی اسے چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ بقول پروفیسر عزیز محمد بگٹی کہ: ''1893ء میں خان خدائیداد خان کی گرفتاری اور معزولی کے بعد بلوچستان کی آزادی کی ظاہری علامت بھی ختم ہوگئی'' (172)۔ مایوسی اور جلاوطنی میں خان خدائیداد خان اکثر کہا کرتا تھا ''جو ہوا قلات سے آتی ہے وہ میرے لئے نفرت کے سوا اور کچھ نہیں لاتی اور میری مایوسی میں غم والم کے علاوہ اور کوئی اضافہ نہیں کرتی'' (173)۔ میر خدائیداد خان کے ساتھ آخری دنوں میں چند براہوئی سرداروں نے ملاقات کی خان خدائیداد خان نے ان سے پوچھا آپ لوگ بروہی یا بلوچ؟ ایک سردار نے جواب میں کہا ''حضور آپ اپنے سلسلہ نسب سے اچھی طرح واقف ہیں خان بولا ''میں تو بلوچ ہوں'' خدا مجھے معاف کرے اگر میں خود کو بروہی کہوں مجھے اگر جنت میں بروہی کے ساتھ رہنا پڑا تو میں اس کو بہتر

سمجھوں گا کہ جنم میں چلا جاؤں۔ دوسرے سردار نے خان خدائیداد خان کو جواب دیا کہ جناب آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ ہر وہی جنت یا دوزخ میں اپنے اعمال کے مطابق داخل ہوگا اگر آپ کے ہی خیالات ہیں تو پھر دونوں میں سے کوئی بھی ٹھکانہ آپ کو نصیب نہ ہوگا یہ سن کر خان غضب ناک ہوگیا اور اٹھ کر چلا گیا'' (174)۔ خان خدائیداد کی شاہی انگشتری کا کتبہ تھا ''خدائیدادگان را خدا دادہ است'' اگرچہ اللہ تعالیٰ اسے بادشاہت دیدی تاہم اس کا تخت کانٹوں سے بھرا تھا اور یہ نعمت اس کے لئے یہ عذاب ثابت ہوئی(175)۔

شجرہ نسب

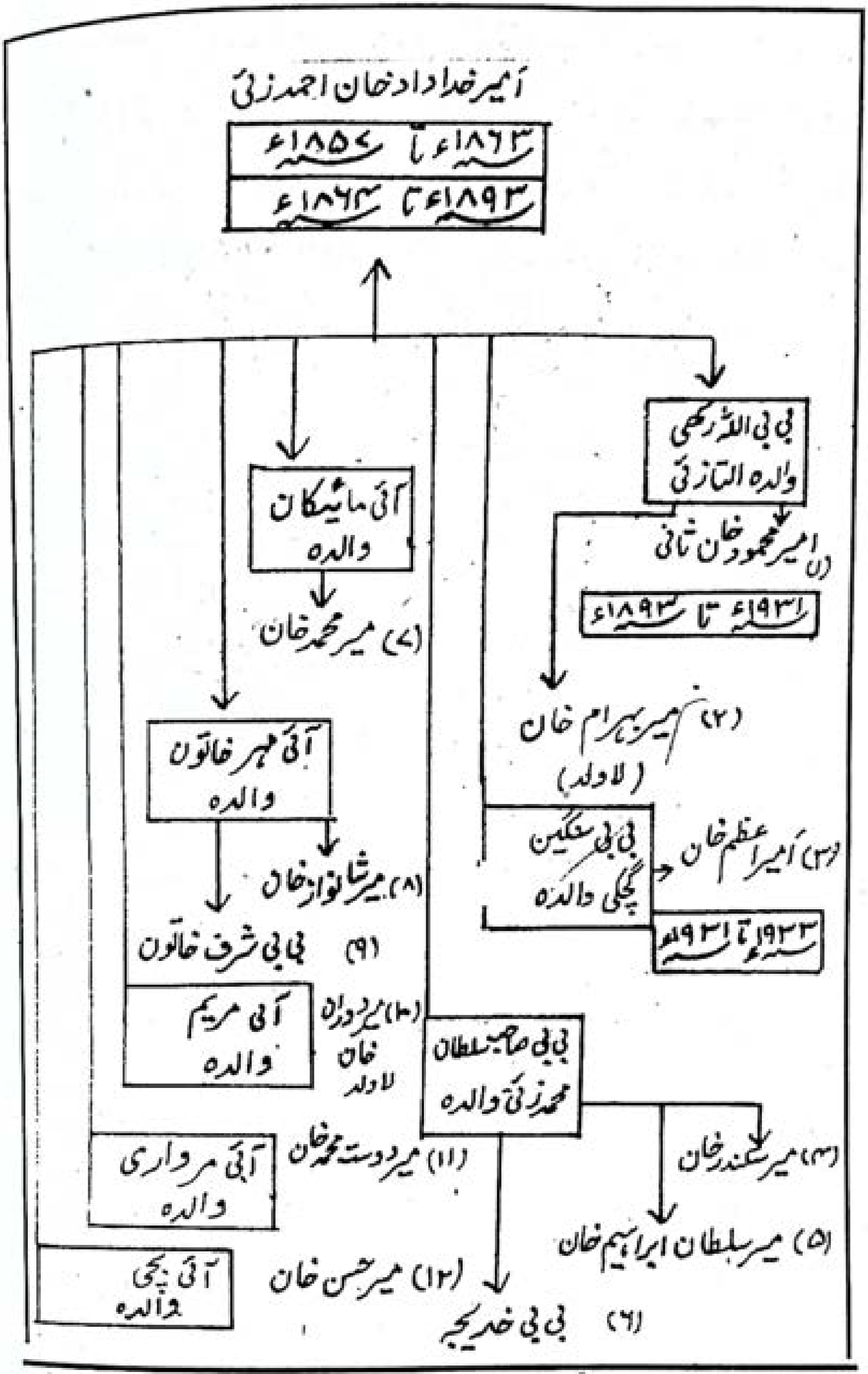
امیر خداداد خان احمدزئی
۱۸۶۳ء تا ۱۸۵۷ء
۱۸۹۳ء تا ۱۸۶۴ء
بی بی اللہ رکھی والدہ التازئی
(۱) امیر محمود خان ثانی
۱۹۳۱ء تا ۱۸۹۳ء
(۲) میر بہرام خان (لاولد)
بی بی سکین گچکی والدہ
(۳) امیر اعظم خان
۱۹۳۳ء تا ۱۹۳۱ء
آئی مائیکان والدہ
(۷) میر محمد خان
آئی مہر خاتون والدہ
(۸) میر شاہنواز خان
(۹) بی بی شرف خاتون
آئی مریم والدہ
(۱۰) میر دوداد خان لاولد
بی بی صاحب سلطان محمد زئی والدہ
(۴) میر سکندر خان
(۵) میر سلطان ابراہیم خان
(۶) بی بی خدیجہ
آئی مرواری والدہ
(۱۱) میر دوست محمد خان
آئی بچی والدہ
(۱۲) میر حسن خان

حواشی

-1	احمد یار بلوچ ''مختصر تاریخ قوم بلوچ و خوانین بلوچ'' ایوان قلات سریاب روڈ کوئٹہ صفحہ 61
-2	میر گل خان نصیر ''تاریخ بلوچستان'' جلد اول دوئم قلات پبلشرز کوئٹہ 1993ء صفحہ 205
-3	محمد سعید دہوار ''تاریخ بلوچستان'' نساء ٹریڈرز 1990ء ص نمبر 679
-4	پروفیسر ڈاکٹر اشرف شاہین ''بلوچستان تاریخ اور مذہب'' ادارہ تدریس 1994ء صفحہ 133
-5	پروفیسر ڈاکٹر اشرف شاہین ''تاریخ بلوچستان ایک تحقیقی جائزہ'' قاسم پرنٹرز کوئٹہ 1993ء صفحہ 111
-6	میر گل خان نصیر ''تاریخ بلوچستان'' جلد اوّل ، دوئم ، قلات پبلشرز کوئٹہ 1993ء صفحہ 207
-7	محمد سردار خان بلوچ ترجمہ پروفیسر ایم انور رومان ''بلوچ قوم کی تاریخ'' حصہ اول اصل کتاب History of Baluch Race & Balouchi اول 1958ء نساء ٹریڈرز 1980ء صفحہ 278
-8	میر گل خان نصیر ''تاریخ بلوچستان'' جلد اوّل، دوئم، قلات پبلشرز کوئٹہ 1993ء صفحہ 207
-9	ایضاً صفحہ 207

-10	میر نصیر خان احمد زئی ''تاریخ بلوچ و بلوچستان'' جلد ششم بلوچی اکیڈمی کوئٹہ 1995ء صفحہ 322
-11	ایضاً صفحہ 325-27
-12	میر گل خان نصیر ''تاریخ بلوچستان'' جلد اول دوئم، قلات پبلشرز کوئٹہ 1993ء صفحہ 208
-13	ایضاً صفحہ 208-09
-14	ڈاکٹر شاہ محمد مری ''بلوچ قوم قدیم عہد سے عصر حاضر تک'' تخلیقات لاہور 2002ء صفحہ 177
-15	بروس رچرڈ اسحاق " The Forward Policy and its Results" گوشہ ادب 1997ء صفحہ 62
-16	پروفیسر ڈاکٹر اشرف شاہین ''بلوچستان تاریخ اور مذہب'' ادارہ تدریس 1994ء صفحہ 133
-17	میر نصیر خان احمد زئی ''تاریخ بلوچ و بلوچستان'' جلد ششم بلوچی اکیڈمی کوئٹہ 1995ء صفحہ 330
-18	محمد سعید دہوار ''تاریخ بلوچستان'' نساء ٹریڈرز 1990ء صفحہ 680
-19	میر نصیر خان احمد زئی ''تاریخ بلوچستان جلد اول ، دوئم'' قلات پبلشرز کوئٹہ 1993ء صفحہ 331
-20	میر گل خان نصیر ''تاریخ بلوچستان'' جلد اوّل، دوئم قلات پبلشرز کوئٹہ 1993ء صفحہ 210
-21	ایضاً صفحہ 210-211

-22	میر عبدالقادر بلوچ خارانی ''مجموعہ بلوچ تاریخ خاران'' ادارہ اردو کوئٹہ، ندارد صفحہ 335
-23	میر گل خان نصیر ''تاریخ بلوچستان'' جلد اوّل، دوئم قلات پبلسرز کوئٹہ 1993ء صفحہ 12-211
-24	ایضاً ص 12-211
-25	میر نصیر خان احمدزئی ''تاریخ بلوچ و بلوچستان جلد ششم'' بلوچی اکیڈمی کوئٹہ 1995ء صفحہ 36-335
-26	محمد سعید دہوار ''تاریخ بلوچستان'' نساء ٹریڈرز 1990ء صفحہ 681
-27	میر گل خان نصیر ''تاریخ بلوچستان جلد اول دوئم'' قلات پبلشرز کوئٹہ 1993ء صفحہ 212
-28	میر نصیر خان احمد زئی ''تاریخ بلوچ و بلوچستان جلد ششم'' بلوچی اکیڈمی 1995ء صفحہ 38-337
-29	میر گل خان نصیر ''تاریخ بلوچستان'' جلد اول دوئم قلات پبلشرز کوئٹہ 1993ء صفحہ 14-313
-30	محمد سعید دہوار ''تاریخ بلوچستان'' نساء ٹریڈرز 1990ء صفحہ 681
-31	میر نصیر خان احمدزئی ''تاریخ بلوچ و بلوچستان'' جلد ششم بلوچی اکیڈمی کوئٹہ 1995ء ص 343-340
-32	محمد سعید دہوار ''تاریخ بلوچستان'' نساء ٹریڈرز 1990ء صفحہ 281
-33	میر گل خان نصیر ''تاریخ بلوچستان'' جلد اول دوئم قلات پبلشرز کوئٹہ 1993ء ص 218

-34	ایضاً 19-218
-35	میر نصیر خان احمد زئی ''تاریخ بلوچ و بلوچستان'' جلد ششم بلوچی اکیڈمی 1955ء صفحہ 56-355
-36	میر گل خان نصیر ''تاریخ بلوچستان جلد اول دوئم قلات پبلشرز کوئٹہ 1993ء صفحہ 221-220
-37	م۔ک۔ پیکولین ترجمہ ڈاکٹر شاہ محمد مری ''بلوچ'' تخلیقات 1995ء ص 34-133
-38	ملک محمد عمر مسعودی ''تاریخ مکران'' ندارہ صفحہ 38
-39	ڈاکٹر شاہ محمد مری ''بلوچ قوم قدیم عہد سے عصر حاضر تک'' تخلیقات لاہور 2002ء صفحہ 185
-40	ایضاً صفحہ 186-185
-41	م۔ک۔ پیکولین ترجمہ شاہ محمد مری ''بلوچ'' تخلیقات لاہور 1995ء صفحہ 134
-42	میر گل خان نصیر ''تاریخ بلوچستان'' جلد اول دوئم قلات پبلشرز کوئٹہ 1993ء ص -223
-43	پروفیسر محمد اشرف شاہین قیصرانی ''بلوچستان تاریخ اور مذاہب'' ادارہ تدریس کوئٹہ 1994ء ص 172
-44	Colonel Sir Roberat "Thomas Henry thornton" Gosha-e-Adab Quetta, 1977 P: 52-53
-45	میر گل خان نصیر ''تاریخ بلوچستان جلد اول دوئم، قلات پبلشرز کوئٹہ 1993ء ص 24-223

-46	پروفیسر محمد اشرف شاہین قیصرانی ''بلوچستان تاریخ اور مذاہب'' ادارہ تدریس کوئٹہ 1994ء ص172
-47	میر نصیر خان احمد زئی ''تاریخ بلوچ و بلوچستان جلد ششم ، بلوچی اکیڈمی کوئٹہ 1995 ص 72-371
-48	محمد سعید دہوار'' تاریخ بلوچستان'' نساء ٹریڈرز 1990ء ص83-682
-49	میر گل خان نصیر'' تاریخ بلوچستان جلد اول دوئم، قلات پبلشرز کوئٹہ 1993ء ص27
-50	ایضاً ص 27-26
-51	پروفیسر محمد اشرف شاہین قیصرانی ''بلوچستان تاریخ اور مذاہب'' ادارہ تدریس کوئٹہ 1994ء ص36-135
-52	میر گل خان نصیر'' تاریخ بلوچستان'' جلد اول دوئم قلات پبلشرز کوئٹہ 1993ء ص228
-53	اردو ترجمہ پروفیسر محمد رشید الحق ''قلات انیسویں صدی میں''1990ء نساء ٹریڈرز ص8-7
-54	میر گل خان نصیر'' تاریخ بلوچستان'' جلد اول دوئم قلات پبلشرز کوئٹہ 1993ء ص30-228
-55	ایضاً230
-56	میر نصیر خان احمد زئی'' تاریخ بلوچ و بلوچستان'' جلد ششم بلوچی اکیڈمی کوئٹہ 1995ص 85-383
-57	ایضاً386

58-	میر گل خان نصیر ''تاریخ بلوچستان'' جلد اول دوئم قلات پبلشرز کوئٹہ 1993ء صفحہ 33-232
59-	میر نصیر خان احمد زئی ''تاریخ بلوچ و بلوچستان'' جلد ششم بلوچی اکیڈمی کوئٹہ 1995ء ص 90-389
60-	میر گل خان نصیر ''تاریخ بلوچستان'' جلد اول دوئم قلات پبلشرز کوئٹہ 1993ء صفحہ 233
61-	اخوند محمد صدیق ترجمہ میر گل خان نصیر ''اخبار الابرار (فارسی) تاریخ احمد زئی خوانین قلات'' نساء ٹریڈرز 1984ء صفحہ 194
62-	میر گل خان نصیر ''تاریخ بلوچستان جلد اول دوئم'' قلات پبلشرز کوئٹہ 1993ء ص 35-234
63-	ایضاً ص 236
64-	میر نصیر خان احمد زئی ''تاریخ بلوچ و بلوچستان'' جلد ششم بلوچی اکیڈمی کوئٹہ 1995ء ص 404-401
65-	ملک محمد عمر مسعودی ''تاریخ مکران'' ندارد ص 72
66-	میر گل خان نصیر ''تاریخ بلوچستان جلد اول دوئم قلات پبلشرز کوئٹہ 1993ء ص 38-237
67-	میر نصیر خان احمد زئی ''تاریخ بلوچ و بلوچستان'' جلد ششم بلوچی اکیڈمی کوئٹہ 1995ء ص 405-404
68-	میر گل خان نصیر ''تاریخ بلوچستان جلد اول دوئم قلات پبلشرز کوئٹہ 1993ء ص 238

-69	ایضاً ص238
-70	ایضاً ص239
-71	ایضاً ص239
-72	ایضاً ص191
-73	میر نصیر خان احمد زئی ''تاریخ بلوچ و بلوچستان'' جلد ششم بلوچی اکیڈمی کوئٹہ 398-99
-74	ایضاً ص398-99
-75	ہائینس نواب بہادر میر اعظم خان بیگلو یادگار تاجپوشی قلات 1932ء ایوان قلات کوئٹہ صفحہ 32
-76	میر گل خان نصیر ''تاریخ بلوچستان'' جلد اول دوئم قلات پبلشرز 1993ء صفحہ 252-53
-77	محمد سعید دہوار ''تاریخ بلوچستان'' نساء ٹریڈرز کوئٹہ 1990ء صفحہ 685
-78	میر نصیر خان احمد زئی ''تاریخ بلوچ و بلوچستان'' بلوچی اکیڈمی کوئٹہ 1995ء جلد ششم صفحہ 414-15
-79	ہائینس نواب بہادر میر اعظم خان بیگلو یادگار تاجپوشی قلات 1932ء ایوان قلات کوئٹہ صفحہ 32
-80	اے ڈبلیو ہیوگز ترجمہ پروفیسر ایم انور رومان ''سرزمین بلوچستان'' نادر ٹریڈرز مستونگ ندارد صفحہ 297
-81	محمد سعید دہوار ''تاریخ بلوچستان'' نساء ٹریڈرز 1990ء صفحہ 685

82-	اے ڈبلیو ہیوگز ترجمہ پروفیسر ایم انور رومان ''سرزمین بلوچستان'' نادر ٹریڈرز مستونگ ندارد صفحہ 98-297
83-	میر گل خان نصیر ''تاریخ بلوچستان'' جلد اول دوئم قلات پبلشرز 1993ء، صفحہ 43-242
84-	اے ڈبلیو ہیوگز ترجمہ پروفیسر ایم انور رومان ''سرزمین بلوچستان'' نادر ٹریڈرز مستونگ ندارد صفحہ 299
85-	محمد سعید دہوار ''تاریخ بلوچستان'' نساء ٹریڈرز 1990ء صفحہ 686
86-	میر گل خان نصیر ''تاریخ بلوچستان'' جلد اول دوئم قلات پبلشرز 1993ء، صفحہ 50-249
87-	ایضاً ص 266
88-	احمد یار بلوچ ''مختصر تاریخ قوم بلوچ وخوانین بلوچ'' ایوان قلات کوئٹہ ندارد صفحہ 61
89-	Colonel Sir Robert Sandeman "Thomas Henry Thoyn" Gosha-e-Adab Quetta P: 1
90-	پروفیسر محمد اشرف شاہین قیصرانی ''تاریخ بلوچستان ایک تحقیقی جائزہ'' ادارہ تدریس کوئٹہ 1993ء صفحہ 177
91-	پروفیسر محمد اشرف شاہین قیصرانی ''بلوچستان تاریخ اور مذہب'' ادارہ تدریس کوئٹہ 1994 صفحہ 146
92-	میر گل خان نصیر ''تاریخ بلوچستان'' جلد اول دوئم قلات پبلشرز 1993ء صفحہ 326

-93	پروفیسر عزیز محمد بگٹی ''بلوچستان شخصیات کے آئینے میں'' فکشن ہاؤس 1996ء صفحہ 91
-94	احمد یار بلوچ ''مختصر تاریخ قوم بلوچ وخوانین بلوچ'' ایوان قلات کوئٹہ ندارد صفحہ 61
-95	زاہد چوہدری ''پاکستان کی سیاسی تاریخ'' جلد ہفتم ادارہ مطالعہ تاریخ لاہور 1994ء ص 34-33
-96	میر گل خان نصیر ''تاریخ بلوچستان'' جلد اول دوئم قلات پبلشرز 1993ء صفحہ 266
-97	سر اولف کیرو ''دی پٹھان'' آکسفورڈ کراچی 1985ء صفحہ 374
-98	ڈاکٹر انعام الحق کوثر کوئٹہ قلات کے براہوئی قریشی پبلی کیشنز کوئٹہ 1987ء صفحہ 132-131
-99	ڈاکٹر شاہ محمد مری ''بلوچ قوم قدیم عہد سے عصر حاضر تک'' تخلیقات لاہور 2002 صفحہ 191
-100	رائے بہادر ہتورام ''تاریخ بلوچستان'' صفحہ 75-270
-101	سید محمود شاہ بخاری ''تاریخ بلوچستان'' بک لینڈ کراچی 1985ء صفحہ 325
-102	میر نصیر خان احمد زئی ''تاریخ بلوچ و بلوچستان'' بلوچی اکیڈمی کوئٹہ 1995ء جلد ششم صفحہ 468
-103	محمد سعید دہوار ''تاریخ بلوچستان'' نساء ٹریڈرز 1990ء صفحہ 689
-104	ایضاً ص 689
105	اے ڈبلیو ہیوگز ترجمہ پروفیسر ایم انور رومان ''سرزمین بلوچستان'' نادر ٹریڈرز مستونگ ندارد صفحہ 302

-106	سید محمود شاہ بخاری ''تاریخ بلوچستان'' بک لینڈ کراچی 1985ء صفحہ 26-325
-107	میر نصیر خان احمد زئی ''تاریخ بلوچ و بلوچستان'' بلوچی اکیڈمی کوئٹہ 1995ء جلد ششم صفحہ 89-488
-108	میر گل خان نصیر ''تاریخ بلوچستان'' جلد اول دوئم قلات پبلشرز 1993ء صفحہ 281
109	ایضاً صفحہ 281
-110	میر نصیر خان احمد زئی ''تاریخ بلوچ و بلوچستان'' بلوچی اکیڈمی کوئٹہ 1995ء جلد ششم صفحہ 491
-111	پروفیسر محمد اشرف شاہین قیصرانی ''بلوچستان تاریخ اور مذہب'' ادارہ تدریس کوئٹہ 1994 صفحہ 137
-112	میر گل خان نصیر ''تاریخ بلوچستان'' جلد اول دوئم قلات پبلشرز 1993ء صفحہ 284
-113	ایضاً صفحہ 85-284
-114	میر نصیر خان احمد زئی ''تاریخ بلوچ و بلوچستان'' بلوچی اکیڈمی کوئٹہ 1995ء جلد ششم صفحہ 498
-115	محمود شاہ بخاری ''تاریخ بلوچستان'' بک لینڈ 1981ء صفحہ 326
-116	میر گل خان نصیر ''تاریخ بلوچستان'' جلد اول دوئم قلات پبلشرز 1993ء صفحہ 286
-117	ایضاً 89-288

-118	ایضاً ص 282
-119	ایضاً صفحہ 92-291
-120	میر نصیر خان احمد زئی ''تاریخ بلوچ و بلوچستان'' بلوچی اکیڈمی کوئٹہ 1995ء جلد ششم صفحہ 17-516
-121	ڈاکٹر شاہ محمد مری ''بلوچ قوم قدیم عہد سے عصر حاضر تک'' تخلیقات لاہور 2002 صفحہ 195
-122	میر گل خان نصیر ''تاریخ بلوچستان'' جلد اول دوئم قلات پبلشرز 1993ء صفحہ 295
-123	جی پی ٹیٹ ''ترجمہ ارشد عزیز خان ''سلطنت افغانستان'' 1990ء نساء ٹریڈز کوئٹہ صفحہ 36-335
-124	پروفیسر محمد اشرف شاہین قیصرانی ''بلوچستان تاریخ اور مذہب'' ادارہ تدریس کوئٹہ 1994ء صفحہ 182
-125	جی پی ٹیٹ ''ترجمہ ارشد عزیز خان ''سلطنت افغانستان'' 1990ء نساء ٹریڈز کوئٹہ صفحہ 36-335
-126	اولس یاد ''انگریزی استعمار او افغانستان'' 1973 تر 1898 ہندہ سیاسی خاکہ 1989 پشتو صفحہ 243
-127	Syed Iqbal Ahmed "Balochistan its-strategic Importance" Royal Book Company Karachi, 1992 P: 402-406
-128	جی پی ٹیٹ ''ترجمہ ارشد عزیز خان ''سلطنت افغانستان'' 1990ء نساء ٹریڈز کوئٹہ صفحہ 337

129-	ایضاً صفحہ 337
130-	میر گل خان نصیر ''تاریخ بلوچستان'' جلد اول دوئم قلات پبلشرز 1993ء صفحہ 296
131-	ایضاً صفحہ 297
132-	ایضاً ص232
133-	ایضاً صفحہ 54-253
134-	ایضاً صفحہ 254
135-	ایضاً ص300-299
136-	پروفیسر عزیز محمد بگٹی ''سیاسی کلچر اور قبائلی نظام'' فکشن ہاؤس 1995ء صفحہ 96
137-	ڈاکٹر انعام الحق کوثر ''جدوجہد آزادی میں بلوچستان کا کردار'' تخلیقات لاہور 1991ء صفحہ 2
138-	میر گل خان نصیر ''بلوچستان قدیم اور جدید تاریخ کی روشنی میں'' نساء ٹریڈرز 1982ء صفحہ 287
139-	میر گل خان نصیر ''تاریخ بلوچستان'' جلد اول قلات پبلشرز 1993ء صفحہ 302
140-	اخوند محمد صدیق ترجمہ میر گل خان نصیر ''اخبار الابرار'' (فارسی) تاریخ خوانین قلات 1982ء صفحہ 223
141-	میر گل خان نصیر ''تاریخ بلوچستان'' جلد اول قلات پبلشرز 1993ء صفحہ 303

-142	آغا نصیر خان احمد ”تاریخ بلوچستان جلد ششم“ بلوچی اکیڈمی کوئٹہ 1995 صفحہ 539
-143	میر گل خان نصیر ”تاریخ بلوچستان“ جلد اول قلات پبلشرز 1993ء صفحہ 304-05
-144	ایضاً صفحہ 304-06
-145	ایضاً صفحہ 307
-146	ایضاً ص 307
-147	ایضاً ص 307-08
-148	ملک محمد عمر مسعودی ”تاریخ مکران“ ندارد صفحہ 40
-149	پروفیسر محمد اشرف شاہین قیصرانی ”بلوچستان تاریخ اور مذہب“ ادارہ تدریس کوئٹہ 1994ء صفحہ 178
-150	ڈاکٹر شاہ محمد مری ”بلوچ قوم قدیم عہد سے عصر حاضر تک“ تخلیقات لاہور 2002ء صفحہ 184-85
-151	میر گل خان نصیر ”تاریخ بلوچستان“ جلد اول دوئم قلات پبلشرز 1993ء صفحہ 309
-152	میر نصیر خان احمد ”تاریخ بلوچستان“ قلات پبلشرز کوئٹہ 1993 صفحہ 550-51
-153	سید محمود شاہ بخاری ”تاریخ بلوچستان“ بک لینڈ کراچی 1981ء صفحہ 328-29
-154	محمد سردار بلوچ خان مترجم پروفیسر ایم انور رومان نادر ٹریڈرز ندارد صفحہ 303

-155	سید محمود شاہ بخاری ''تاریخ بلوچستان'' بک لینڈ کراچی 1981ء صفحہ 329
-156	محمد سردار بلوچ خان مترجم پروفیسر ایم انور رومان نادر ٹریڈرز ندارد صفحہ 304
-157	پروفیسر محمد اشرف شاہین قیصرانی ''بلوچستان تاریخ و مذہب'' ادارہ تدریس 1994ء صفحہ 138
-158	میر گل خان نصیر ''تاریخ بلوچستان'' جلد اول دوئم قلات پبلشرز 1993ء صفحہ 15-313
-159	میر نصیر خان احمدزئی ''تاریخ بلوچستان'' قلات پبلشرز کوئٹہ 1993 صفحہ 68-567
-160	ایضاً صفحہ 568
-161	ایضاً صفحہ 69-568
-162	میر گل خان نصیر ''تاریخ بلوچستان'' جلد اول دوئم قلات پبلشرز 1993ء صفحہ 315-316
-163	ایضاً صفحہ 316
-164	میر نصیر خان احمدزئی ''تاریخ بلوچستان'' قلات پبلشرز کوئٹہ 1993 صفحہ 570
-165	پروفیسر محمد اشرف شاہین قیصرانی ''بلوچستان تاریخ اور مذہب'' 1994ء ادارہ تدریس کوئٹہ صفحہ 138
-166	میر گل خان نصیر ''تاریخ بلوچستان'' جلد اول دوئم قلات پبلشرز 1993ء صفحہ 316
-167	محمد سعید دہوار ''تاریخ بلوچستان'' نساء ٹریڈرز 1990ء صفحہ 94-293
-168	محمد سردار بلوچ خان مترجم پروفیسر ایم انور رومان نادر ٹریڈرز ندارد صفحہ 79-278

-169	ایضاً صفحہ 08-307
-170	میر گل خان نصیر ''تاریخ بلوچستان'' جلد اول دوئم قلات پبلشرز 1993ء، صفحہ 316
-171	ایضاً صفحہ 316
-172	پروفیسر عزیز محمد بگٹی ''سیاسی کلچر اور قبائلی نظام'' فکشن ہاؤس 1995ء صفحہ 22
-173	سید محمود شاہ بخاری ''تاریخ بلوچستان'' بک لینڈ کراچی 1981ء صفحہ 130
-174	جسٹس میر خدا بخش بجارانی مری، ترجمہ پروفیسر احمد رفیق ''بلوچستان تاریخ کے آئینے میں'' نساء ٹریڈرز 1980ء صفحہ 401
-175	محمد سردار بلوچ خان مترجم پروفیسر ایم انور رومان نادر ٹریڈرز ندارد صفحہ 273
-176	آغا نصیر احمد زئی ''مکمل شجرہ طائفہ احمد قبیلہ کمبرانی براخوئی بلوچ'' چیئرمین نوری نصیر خان مرکز اشاعت 18اے سریاب روڈ کوئٹہ 1991ء صفحہ 21

میر خدائیداد خان کے دورِ حکومت اور پالیسیوں کا تنقیدی جائزہ

پس منظر۔

1839ء میں میر محراب خان دوئم کی شہادت کے بعد بلوچستان پر جب برطانوی اقتدار قائم ہوا تو بلوچستان کے عوام نے اس جابرانہ قبضے کو قبول نہیں کیا اور انہوں نے میر محراب خان شہید کے فرزند میر محمد حسن خان جو تاریخ میں نصیر خان ثانی کے نام سے جانا جاتا ہے، کی قیادت میں انگریزی اقتدار کے خلاف مسلح جدوجہد شروع کردی۔ انگریزوں نے اپنی طرف سے میر شاہنواز خان کو حاکم قلات بنا کر کیپٹن لوڈے کو اس کا معاون بنا دیا تھا لیکن نصیر خان کی مسلح کارروائیوں اور چھاپہ مار جنگوں نے انگریزوں کو اس بات پر مجبور کیا کہ وہ میر نصیر خان کو حاکم قلات مقرر کریں تاکہ بلوچستان کے اندر ہونے والے انتشار کو ختم کیا جاسکے۔

میر نصیر خان نے آخر کار جنگ جیت لی انگریزوں نے اس کی حق حاکمیت کو تسلیم کیا۔ میر شاہنواز خان فرار ہوا اور اس کا معاون لوڈے ان جھڑپوں کے دوران ہلاک ہوا جو نصیر خان ثانی اور انگریزوں کے درمیان ہوتے رہے تھے۔ بعدازاں انگریزوں نے نصیر خان ثانی سے معاہدات طے کر کے اپنے اصل مقاصد یعنی افغانستان تک رسائی اور روس کا راستہ روکنے کے لئے راستہ ہموار کیا۔ ''نصیر خان ثانی 1857ء میں فوت ہوا'' (1) تو اس کے بعد بلوچ قبائل نے کافی سوچ وبچار اور بحث وتکرار کے بعد میر خدائیداد خان کو خان آف قلات مقرر کیا۔

خان خدائیداد خان کے علاوہ تخت کے دو دعویدار اور بھی تھے یعنی خدائیداد خان کے چچا میر اعظم خان اور اسکا بیٹا میر شیر دل خان میر نصیر خان کی

والدہ جو خدائیداد خان کی سوتیلی والدہ جو ایک قابل، عقلمند اور لائق خاتون تھیں اور وہ ریاست کے اسرار و رموز سے اچھی طرح آگاہ تھیں جس کی وجہ سے تمام بلوچ قبائلی سردار ان کا احترام اور عزت کرتے تھے۔ انہی کوششوں سے قبائلی سردار خدائیداد خان کی تخت نشینی پر آمادہ ہوگئے اور اس طرح تقریباً1857ء میں خدائیداد خان سترہ برس کی عمر میں بلوچستان کے خان مقرر ہوئے''(2)۔

''بلوچ دربار نصیر خان اوّل کی وفات 1794ء کے بعد'' (3)۔ اپنا دبدبہ اور وقار قائم نہ رکھ سکا۔ بلوچ سردار جن کو نصیر خان اوّل نے بڑی بڑی مراعات دے رکھی تھیں اور بلوچ دربار میں بھی انہیں اعلیٰ مراتب و مقام حاصل تھا۔ ملکی سیاست میں ان کا مکمل عمل دخل تھا اور اس کی نظام حکومت خان اعظم بلوچ قبائلی سرداروں اور اعلیٰ ملکی عہدیداروں کے صلاح و مشورہ سے چلتا تھا نصیر خان اول نے ایک منظم و مربوط سیاسی نظام قائم کر رکھا تھا اور اپنی سیاسی فہم و فراست کو بروئے کار لاتے ہوئے ساراوان وجھالاوان کے اعلیٰ قبائلی سرداروں کی قبائلی فوجی طاقت سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور اسی فوجی طاقت کے بل بوتے پر ایک وسیع و عریض علاقوں کو فتح کیا اور یہی نہیں بلکہ اس قبائلی طاقت نے ایران، پنجاب، سندھ یہاں تک کہ ہندوستان میں بھی عظیم الشان فتوحات حاصل کیں تھیں۔

نصیر خان نے گو کہ قبائلی سرداروں کو اس فوجی خدمت کے عوض بڑی بڑی مراعات دے رکھے تھے اور انہیں جاگیروں کا مالک بنایا تھا اور اس طرح ملکی سیاست میں انہیں عمل دخل حاصل تھا لیکن انہوں نے کبھی ان سرداروں کو باغی ہونے نہیں دیا اور خود قبائلی نظام کے اندر ایسی اصلاحات نافذ کیں کہ جنکی وجہ سے قبائلی سردار بہت سے احکامات کے پابند ہوگئے۔ اس کے لئے انہیں اپنی سرداری بچانے کی خاطر اپنے قبیلے کا خدمت گزار ہونا پڑتا تھا ان کی معمولی سی زیادتی بھی ان کے زوال کا باعث بن سکتی تھی۔

اگر نصیر خان نے اسے سردار مقرر کیا تھا تو اس تقرری میں قبیلے کی مرضی و منشاء شامل ہوتی تھی اور ان کی مرضی و منشاء اور عدم اعتماد سے اسکی سرداری ختم بھی کی جاسکتی تھی۔ لہذا جہاں سردار اعلیٰ اختیارات رکھتا تھا اس پر قبیلے کی خدمت بھی فرض ہوتی تھی اس طرح باہمی اعتماد اور افہام و تفہیم کی فضا میں سیاست بلوچستان میں جدت آتی جا رہی تھی اور بلوچستان ترقی کی جانب گامزن تھا۔

نصیر خان کے انتقال کے بعد جب کمسن میر محمود خان برسر اقتدار آیا تو حکومت کے غیر ملکی ملازمین اور قبائلی سرداروں نے اپنے اختیارات کا ناجائز فائدہ اٹھایا جس کی وجہ سے نظام حکومت بگڑنے لگا اور ملک کی بنیادیں کھوکھلی ہونے لگیں آہستہ آہستہ ملکی سرحدیں ایک بار پھر خطرے سے دوچار ہونے لگے۔ ''اور اسی دوران 1795ء میں کراچی کی بندرگاہ پر تالپوروں نے قبضہ کرلیا'' (4)۔

خان کی حیثیت محض ایک کٹھ پتلی حکمران کی سی ہوکر رہ گئی تھی۔ میر محمود خان کی 22 سالہ عہد میں قبائلی سردار اور درباری ملازمین خاصی قوت حاصل کر چکے تھے لہذا جب میر محراب خان برسرِ اقتدار آیا تو اسے بیک وقت تین محاذوں پر لڑنا پڑا یعنی قبائلی سرداروں کے خلاف، درباری ملازمین کے خلاف اور بیرونی انگریز حملہ آوروں کے خلاف میر محراب خان بدقسمتی سے ان تینوں محاذوں پر ہار گیا انگریزوں نے اپنی دوہری پالیسیوں سے قبائلی سرداروں اور درباری ملازمین کو ان کے خلاف استعمال کیا۔ خان بھی اپنی جلد بازی اور جذباتیت کی وجہ سے انگریزوں کے شدید مخالف ہونے کے باوجود ان کی خواہشات کے مطابق استعمال ہوتے رہے آزادی ء وطن کے لئے اس پورے خطے میں سب سے زیادہ سرگرم مجاہد ہونے کے باوجود میر محراب خان مسلح محاذ پر اپنوں کی مفاد پرستی اور ملازمین کی غداری کی وجہ سے ناکام رہے لہذا قومی محاذ پر لڑتے ہوئے شہید ہوگئے ان کی شہادت اور وطن پر بیرونی اقتدار قائم ہونے کے باوجود قبائلی سردار یہ بات نہیں سمجھ

سکے بلکہ معمولی مراعات کے عوض انہوں نے غیروں کے تسلط کو قبول کیا غیر ملکی درباری دسرکاری ملازمین سے ویسے بھی وفاداری کی کوئی امید نہیں تھی اگر توقعات اور امیدیں قائم تھیں تو اپنی قبائلی سرداروں سے کہ جن کے اسلاف نے بلوچستان کے حدود کے تعین اپنی قومی بقاء و آزادی اور ننگ و ناموس کے لئے عظیم الشان قربانیاں دی تھیں اور وہ اپنے مفادات کی بات تو بلا روک ٹوک کہہ سکتے تھے لیکن جب بات قوم و وطن کی ہوتی تو وہ نہ صرف اپنے فرائض سے روگردانی کرتے بلکہ قوم و وطن کے نقصان کے لئے ہر جائز اقدام کرنے پر تیار و آمادہ نظر آتے تھے۔

میر محراب خان شہید نے اپنے دورِ اقتدار میں ان سرداروں اور غدار غیر ملکی ملازمین کی طاقت کو توڑنے کی بھرپور کوشش کی لیکن یہ اس کی سب سے بڑی غلطی ثابت ہوئی کیونکہ وہ اندازہ نہیں لگا سکا تھا کہ ان غداروں کی پہنچ برطانوی حکومت ہند (ایسٹ انڈیا کمپنی) کے نمائندوں تک ہے لہذا اپنے خلاف ہونے والے اقدامات کے نتیجے میں ان سرداروں اور غیر ملکی غدار سرکاری ملازمین نے برطانوی طوفان کو بلوچستان کا راستہ دکھایا اور اس طرح بلوچستان پر غلامی کے گھمبیر اندھیروں کے بادل چھا گئے۔ ''نصیر خان ثانی نے 1841ء میں اقتدار سنبھالتے ہی'' (5) دو اقدامات کئے اولاً یہ کہ وفادار ملازمین کو اپنے ارد گرد جمع کر لیا اور غدار ملازمین کو اقتدار سے محروم کر دیا اور دوئم یہ کہ براہ راست برطانوی حکام کے ساتھ معاہدات و مذاکرات کے ذریعے تعلقات قائم کر لئے اس طرح اس نے اپنی حکمت عملی سے سرداروں کی طاقت کو کمزور کرتے انہیں برطانوی حکام کی نظروں میں مشکوک اور موقع پرست ثابت کیا۔ مگر یہ نصیر خان ثانی کی بڑی سیاسی غلطی ثابت ہوئی کیونکہ برطانیہ کو نصیر خان اور اس کے قبائلی سرداروں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی انہیں صرف اپنے مفادات عزیز تھے وہ افغانستان کی جانب بڑھنا چاہتے تھے اس کے لئے انہیں محفوظ راستوں کی ضرورت تھی ان کی دلچسپی بلوچستان یا بلوچستان کے

حکمران اور بلوچ قبائلی سرداروں سے صرف اسی حد تک تھی کہ وہ دونوں فریق انڈس آرمی کو افغانستان کی جانب بڑھتے ہوئے کوئی تکلیف نہ دیں اور بلوچ قبائل انگریزوں کی راہ میں رکاوٹ نہ بنیں۔ بلکہ اگر سیاسی حوالوں سے تجزیہ کیا جائے تو نصیر خان کی قبائلی سرداروں کو بھرپور اعتماد میں لینے کے بجائے برطانیہ سے براہ راست معاہدہ کیا۔ جس کی وجہ سے قبائلی سردار ناراض ہو کر انگریزی حکومت کی ہر سازش کا حصہ بنے۔ نصیر خان ثانی کی موت بھی انہی کی سازشوں کے نتیجے کے طور پر واقع ہوئی۔ اپنے خانزادہ اور غیر ملکی ملازمین اور بلوچ قبائلی سرداروں نے نصیر خان ثانی کو زہر دیکر شہید کر دیا اور بعدازاں ان کے موت کی وجہ مثانے کی تکلیف کو قرار دیا۔

خان خدائیداد خان کا دور اوّل، حکمرانی کا تنقیدی جائزہ

''1857ء میں میر خدائیداد خان جب برسرِ اقتدار آیا'' (6) تو اسے بھی تین اطراف سے دشمنوں نے گھیر رکھا تھا۔ ایک طرف بلوچ قبائلی سردار تھے جن کو اپنے مفادات کی تکمیل سے بڑھ کر اور کوئی چیز عزیز نہیں تھی دوسری طرف وہ غدار درباری ملازمین تھے کہ جنکی نسلیں ریاست قلات کا نمک کھا کر جوان ہوئی تھیں۔ اور تیسری طرف وہ بیرونی حملہ آور تھے کہ جنہیں ہندوستان کی رنگ برنگی دنیا کو لوٹنے اور لمبے عرصے تک وہاں محفوظ رہنے کے علاوہ کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا وہ صرف روس کے بڑھتے ہوئے قدم روکنا چاہتے تھے تاکہ ان روسیوں کو بلوچ ساحلوں اور درہ بولان سے دور رکھا جاسکے تاکہ وہ ان راستوں کے ذریعے ہندوستان میں داخل نہ ہوسکیں اس مقصد کی خاطر انہیں بلوچ اور افغانوں کا ذبح ہونا بھی قبول تھا۔

بلوچستان میں انگریزوں نے اپنی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کا آغاز اٹھارویں صدی کے اواخر اور انیسویں صدی کے اوائل سے ہی شروع کیا جب ''1838ء میں پہلی

اینگلو افغان جنگ'' (7) میں انگریزوں کو ناکامی ہوئی تو اسکی تمام تر ذمہ داری بلوچ حکمران اور قبائل پر ڈالی گئی اور'' 1839ء میں چند غلط اور بے بنیاد الزامات کی بنیاد پر بلوچستان پر قبضہ کیا گیا'' (8)۔ یہیں سے انگریزوں نے بلوچ معاشرے کی کمزوریوں کو بھانپتے ہوئے اس سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ بلوچ معاشرے میں قبائل کی اہمیت اور قبائلی سرداروں کے اختیارات و طاقت کو انگریزوں نے خان بلوچ کے خلاف استعمال کیا اور اس خطے میں تمام اختیارات کا مالک بن بیٹھے۔ خدائیداد خان کے دورِ اقتدار تک بلوچستانی حکمران اور اس کے قبائلی سردار مکمل طور پر انگریزوں کی سازشوں میں پھنس چکے تھے بداعتمادی اور خوف و دہشت کی اس فضا اور ماحول کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ یہ حکمران کئی سالوں تک اپنے حرم سے باہر نہیں نکلے۔

خدائیداد خان نے جس وقت اقتدار سنبھالا تو اس کا ہر قدم انتہائی محب وطن تھا لیکن اس کے باوجود وہ انگریزی اقتدار سے شدید نفرت کرتا تھا۔ ابتدائی طور پر اس نے جو اقدامات کیے اس نے انگریزوں کو فوراً خبردار کیا اور انہیں خطرے کی گھنٹی سنائی دینے لگی یعنی خدائیداد خان نے اپنے والد محترم شہید میر محراب خان کے دور کے وفادار ملازمین اور محب وطن افراد کو اپنے اردگرد جمع کرنا شروع کیا ان وفاداروں میں شاغاسی ولی محمد، داروغہ گل محمد، دیوان گنگا رام، داروغہ عطا محمد، داروغہ محمد علی، ملا محمد حسن، ملا محمد خان وکیل وغیرہ شامل تھے ان وفاداروں کو انگریز سخت ناپسند کرتے تھے کیونکہ ان کی حب الوطنی انگریزوں پر بہت پہلے آشکار ہو چکی تھی لہذا انگریز ان کو اپنی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تصور کرتے تھے انگریزوں کو خدائیداد خان سے ان کی قربت اور ہم نشینی سخت ناپسند تھی وہ اس مخالف گروہ کو توڑنا ازحد ضروری سمجھتے تھے۔

انگریز اتنے چالاک تھے کہ اپنے مفادات کے حصول اور انکے تحفظ کی خاطر ظاہری طور پر وہ دو حصوں یعنی سندھ کیمپ اور پنجاب کیمپ میں تقسیم ہو گئے ان کے مقاصد

ایک تھے یعنی برطانوی مفادات کا تحفظ اور زیادہ سے زیادہ دولت کا حصول اس کے باوجود کہ وہ دونوں مختلف نظریاتی کیمپوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ''پنجاب کیمپ کے ارکان آزاد اور خود مختار ریاستوں میں براہ راست مداخلت کر کے انہیں اپنے قبضہ واختیار میں رکھنے کے حامی اور برطانیہ کی توسیع پسندانہ عزائم کی تکمیل کے لئے وہ طاقت کے استعمال کرنے کے بھی حق میں تھے۔ جبکہ سندھ کیمپ کے انگریز حکام عدم مداخلت کی پالیسی اور آزاد وخود مختار ریاستوں کے حکمرانوں سے پر امن معاہدات اور صلح ناموں کے ذریعے برطانیہ کی توسیع پسندانہ عزائم کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے حق میں تھی'' (9)۔ لیکن یہ سب کچھ دکھاوا تھا اور وہ اپنے عزائم کی تکمیل کی خاطر یہ گھناؤنا اور مکارانہ کھیل کھیل رہے تھے۔ لہذا پنجاب کیمپ سرداروں کی حمایت اور مدد کرتا رہا جبکہ سندھ کیمپ نے خان خدائیداد خان کی حمایت کی مگر اس کے باوجود انگریزوں کو خان کے ذاتی اثر ورسوخ اور قبائلی سرداروں کی طاقت اور جنگجویانہ پن سے خوف لاحق تھا لہذا اس قبائلی طاقت اور قبائلی جمہوری حکومت کو توڑنا اور انہیں باہم دست و گریبان کر کے انہیں کمزور کرنا انگریزوں کا اولین مقصد تھا۔ اسی مقصد کی تکمیل کی خاطر انگریزوں کے دونوں کیمپوں نے الگ الگ بلوچ گروہوں کی حمایت شروع کی اور ہر کیمپ اپنے حمایتی گروہ کو اسلحہ اور رقم سے مستفید کر کے دوسرے گروہ کے مدِ مقابل لانے لگا۔ اب انہیں باہم دست و گریباں کرنے اور انہیں بدترین خانہ جنگی میں مبتلا کرنے کی خاطر انگریزوں کو صرف ایک بہانے کی ضرورت تھی اور یہ بہانہ بدقسمتی سے میر خدائیداد خان نے اپنی جذباتی پن اور ناعاقبت اندیشی سے فوراً انگریزوں کو فراہم کیا اور انگریزوں کو جذباتی بلوچ قبائلی سرداروں کو خان کے خلاف بھڑکانے اور ہتھیار اٹھانے کے لئے ایک زریں موقع ہاتھ آیا۔ اور بعد ازاں انگریزوں کو عملاً بلوچستان کا وارث بننے میں آسانی مہیا کی۔

خدائیداد خان کی پالیسیاں جابرانہ تھیں اور وہ طاقت کے بل بوتے پر قبائلی

سرداروں اور انگریزوں کی ملی بھگت کو ختم کرنا چاہتا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ یہ قبائلی سردار جس طرح ماضی میں اس کے والد محترم میر محراب خان کے ساتھ دغا کر چکے تھے اسے بھی کسی نہ کسی موقع پر دھوکہ دیکر نقصان پہنچا سکتے تھے۔ خدائیداد خان کے ذہن میں ابھی تک ماضی کی تلخیاں باقی تھیں اور وہ سرداروں پر بالکل بھروسہ نہیں کرتا تھا۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ سردار برطانوی کیمپ سے تربیت وہدایات لے کر آتے ہیں اور دراصل اپنے مطالبات کی آڑ میں انگریزی مفادات کی تکمیل کر رہے ہیں۔ لہٰذا بجائے اس کے کہ وہ اپنی قومی اور قبائلی روایات کے مطابق ناراض قبائلی سرداروں کو مناتا اس نے اس کے برعکس اس نے ہمیشہ سرداروں کی توہین کیں نیز انہیں خوف ودہشت میں مبتلا رکھنے کی خاطر ان پر اپنی فوجی طاقت بھی استعمال کی۔ بلوچ قبائلی سردار خان سے عزت اور مرتبے کی توقع رکھتے تھے لیکن جب انہیں وہ عزت اور مرتبہ دربار قلات سے نہ مل سکا تو انہوں نے انتہائی ناعاقبت اندیشی اور جلدبازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ثالثی کیلئے انگریزوں کی طرف رجوع کیا اور برطانوی ایجنڈے کی تکمیل کردی۔ اگر میر خدائیداد خان سرداروں کے مطالبات پر غور وعمل کرتے تو شاید حالات زیادہ سنگین صورتحال اختیار نہ کرتے۔ گوکہ بقول مورخین وہ مطالبات سرداران بلوچ کے ذہنی اختراع نہ تھے لیکن ان میں کچھ مطالبات ایسے بھی تھے کہ جن میں سردار حق بجانب تھے مثلاً ''نصیر خانی دور کے آئین کی بحالی، سرکاری فوج کو توڑ کر قبائلی فوج کی ترتیب وتنظیم کرنا اور دربار میں مرتبہ اور مقام کی بخشش'' (10)۔ ان مطالبات کو اگر خدائیداد خان تسلیم کرتا اور ان پر عملدرآمد کرکے سرداروں کو عزت دیتا تو شاید حالات اتنے سنگین نہ ہوتے لیکن بدقسمتی سے خدائیداد خان نے ذاتی ملازمین کی باتوں میں آکر ان مطالبات کو ماننے سے انکار کیا اور انہیں انگریزوں کی سازش قرار دیا۔ بلوچ قبائلی سرداروں نے اسے اپنی توہین خیال کرتے ہوئے خدائیداد خان سے منہ موڑ لیا اور ناراض ہوگئے۔ خان اور سرداروں کی ناراضگی میں

بیرونی حملہ آوروں کو ذمہ دار ٹھہرانا بالکل غلط نہ ہوگا گو کہ یہ سازشیں برطانیہ کے ایماء پر ہو رہی تھیں۔ اور برطانوی ایجنڈے کا اہم ترین نقطہ بھی یہی تھا کہ بلوچ قبائل اور بلوچ وطن کو خاک وخون میں غلطاں و پیچاں کر دیا جائے اور انہیں اس حد تک لہولہان کیا جائے کہ وہ مستقبل میں برطانیہ کے بڑھتے ہوئے قدم روکنے کے قابل نہ رہیں۔ لہذا سرداروں کی ناراضگی اور خان خدائیداد خان کی طرف سے بے توجہی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے دونوں برطانوی کیمپ (سندھ و پنجاب کیمپ) برطانوی ایجنڈے کی تکمیل اور بلوچستان میں خاک وخون کا کھیل کھیلنے سرگرم ہو گئے۔ خدائیداد خان کے مزاج کی سب سے بڑی اور بنیادی کمزوری یہ تھی کہ وہ مستقل مزاج نہ تھا جذبات میں آ کر وہ کوئی قدم اٹھاتا لیکن بعد میں اپنی اس حرکت پر وہ بہت جلد پشیمان ہو جاتا۔ اسکی اس کمزوری کا سرداروں نے خوب فائدہ اٹھایا اور خدائیداد خان کے ملکی معاملات کو بگاڑنے میں مسلسل مصروف رہے۔ میر خدائیداد خان کا دورِ حکومت دو ادوار پر مشتمل ہے پہلا دور 6 سال اور دوسرا تقریباً 29 سالوں پر محیط ہے یہ ایک طویل عرصہ تھا۔ نصیر خان اعظم کے بعد میر خدائیداد خان دوسرا حکمران تھا کہ جس نے ایک لمبے عرصے تک حکومت کی مگر دونوں کی حکومتیں اور حکومتی پالیسیاں ایک دوسرے کے برعکس تھی۔ نصیر خان کا دور جہاں بلوچستان کی آزادی، خوشحالی اور وسعت پذیری کا دور تھا تو خدائیداد خان کا دور غلامی، بربادی اور سمٹاؤ کا دور تھا۔

تاریخ بلوچستان کو اگر بغور دیکھا جائے تو پوری بلوچ تاریخ میں بلوچ سیاست پر سرداروں کا غلبہ نظر آتا ہے۔ قلات، کچھی اور مکران پر سرداروں کی اجارہ داری قائم تھی۔ سرداروں کی مرضی و منشاء کے بغیر کوئی خان اقدام نہیں اٹھا سکتا جب خوانین قلات نے اپنی سیاسی بصیرت اور فوجی طاقت کے بل بوتے پر مقامی سرداری نظام کو ایک مرکز کے تابع کیا تب بھی علاقائی طور پر اکثر قبائلی معاملات اور قومی سیاست میں سرداروں کو مکمل دخل کیا۔ قلات کی تاریخ میں ایسی بے شمار مثالیں ملتی ہیں کہ جب کبھی کسی خان نے

سرداروں کو ناراض کیا اسے اپنے تخت و تاج سے محروم ہونا پڑا۔ مثال کے طور پر میر محبت خان اور میر اہلتاز خان پسران میر عبداللہ خان قہار، انہوں نے جب بھی قبائلی سرداروں اور خصوصاً سراوان اور جھالاوان کے مضبوط اور کثیر القبائلی سرداروں کو ناراض کیا تو انہیں تخت و تاج چھوڑنا پڑا(11)۔ جبکہ میر احمد خان اول سے میر عبداللہ خان قہار تک احمدزئی خوانین قلات نے انہی قبائلی سرداروں کے بل بوتے پر ایک عظیم الشان سلطنت قائم کی تھی انہی سرداروں نے دربار قلات سے ملنے والی چھوٹی سی عزت اور تحفے میں ملنے والی ایک خوبصورت خنجر کے عوض بندر عباس سے ڈیرہ جات تک اور ساحل مکران سے قندھار تک اپنے خون سے اپنے وطن کو لالہ زار بنایا'' (12) اگر تاریخ یہ کہتی ہے کہ عبداللہ خان ایک عظیم کمانڈر تھا تو یہ بھی تسلیم کر لینا چاہیے کہ اس کے پہلو میں لڑنے والے بلوچ بھی عظیم سرفروش تھے۔ احمد خان اول کے ساتھ بی پر 18 حملے کرنے والے بھی میر احمد خان اول کی طرف سے ملنے والی معمولی سی عزت اور حوصلہ افزائی سے متاثر ہو کر انہوں نے اپنی زندگیوں کی قربانی دینے کے لئے اس کا ساتھ دیا تھا۔(13) اسی طرح جدگالوں کو وطن سے باہر نکالنے اور ان کا زور توڑنے والے بھی یہی قبائلی سردار اور ان کے سرفروش قبائل تھے اس کے لئے کسی خان کی ذات یہ کارنامے سرانجام نہیں دے سکتی تھی البتہ خان کی عنایتیں، مہربانیاں، عفوو درگزر اور خلوص و وفا ان قبائلی سرداروں اور ان کے قبائل کو اس کے ایک معمولی اشارے سے سر کٹانے پر آمادہ کرتی تھے۔ اگر سمندر خان نے ایرانی سالار طہماسپ بیگ کو ذلت آمیز شکست سے دوچار کیا(14) تو بھی انہی قبائلی سرداروں اور ان کی قبائلی طاقت کے بل بوتے پر لہذا تاریخ کی ان مثالوں سے میر اہلتاز خان اور میر محبت خان نے تو کوئی سبق حاصل نہیں کیا۔ لیکن میر نصیر خان جیسے ایک جہاندیدہ اور سیاسی فہم و فراست رکھنے والے حکمران نے سرداروں کی قوت اور ان کے تعاون کا احساس کیا اور انہیں مراعات اور اختیارات سے نوازا۔ ان پر انعام و اکرام کی بارش کی ان کے

باہمی تنازعات ختم کیے۔ انہیں باہم شیر وشکر کیا انکی ہر خوشی اور غم میں شامل ہو کر انہیں مکمل طور پر اپنا گرویدہ بنا لیا۔ اسی لیئے تو ان قبائلی سرداروں اور ان قبائل نے اپنے محترم و مہربان خان اعظم کو 'نوری' اور 'ولی' کا خطاب دیا تھا" (15)۔ اگر نصیر خان نے مشہد، طون وطبس، ترشش، عمر کوٹ، بہاولپور پنجاب، ہندوستان، مکران، ایران (ایرانی بلوچستان) اور جن میں ہزاروں بلوچ جنگجو قبائل نے اپنا خون بہایا تھا تو وہ انہی قبائلی سرداروں کے تعاون سے ممکن ہوا تھا۔ حتی کہ صرف 1761ء کی پانی پت کی جنگ میں تقریباً 10,000 بلوچوں نے اپنا خون بہایا تھا" (16)۔

بلوچوں کی اس بے تحاشا قربانیوں کی وجہ یہ تھی کہ خان نے انہیں بے تحاشا عزت اور احترام کی نگاہ سے دیکھتا تھا اور ان پر عنایات کی بارش بھی کرتا تھا۔ اس عزت افزائی کے نتیجے میں انہوں نے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کیے۔

مگر نصیر خان اعظم کے بعد خان کی کمزوری اور درباری ملازمین کے اثر ورسوخ نے قبائلی سرداروں کو آزادی دیدی کہ وہ ان جاگیروں پر جنہیں وہ اپنے اسلاف کے خون بہانے کے عوض وصول کر چکے تھے اپنی سلطنتیں قائم کر کے خان آف قلات کو بلیک میل کرنے لگے اور ہر جائز و ناجائز طریقے سے مرکز کو کمزور بناتے رہے اور سونے پہ سہاگہ یہ ہوا کہ اس دوران برطانوی سیاح اور جاسوس روسی اثر ونفوذ کی جانچ کرنے کی خاطر اس خطے میں وارد ہوئے۔ چونکہ بلوچستان ایک ایسی گزرگاہ پر واقع ہے کہ جسے عبور کیئے بغیر افغانستان اور اس سے آگے نہیں پہنچا جا سکتا تھا لہذا انگریزوں نے سب سے پہلے اسی خطے کے بارے میں معلومات حاصل کرنی شروع کیں۔ انہیں بلوچستان کے حکمران اور سردار ایک دوسرے کے مخالف اور حریف کے طور پر نظر آئے اور انگریزوں نے یہ بھی دیکھا کہ پشتون قبائل کی بہ نسبت بلوچ قبائل اپنے سردار کے بہت وفادار ہوتے ہیں اور ان کے ایک اشارے پر اپنا سر بھی کٹانے سے دریغ نہیں کرتے۔ چنانچہ

اگر خدائیداد خان تھوڑی سی دانشمندی اور تدبر سے کام لیتا اور سرداروں کے مطالبات کو حقارت سے ٹھکرانے کی بجائے ان پر ہمدردانہ غور کرتے اور اپنے شاہی تمکنت اور وقار کو بحال رکھنے کی خاطر ان سرداروں پر انعام واکرام کی بارش کرتے تو شاید یہ قبائلی سردار کبھی انگریزوں کا ساتھ نہ دیتے مگر خدائیداد کے نامناسب برتاؤ اور ہتک آمیز رویے نے آخر کار سرداروں کو برانگیختہ کر دیا اور وہ کھلم کھلا خدائیداد خان کے مدمقابل آ گئے۔

خدائیداد خان کی غلط پالیسیوں کی ایک شق تو یہی تھی کہ سرداروں کو اعلیٰ سرکاری عہدوں اور مراتب سے محروم کر دیا جائے اور ان کے سرکاری اختیارات سلب کر دیئے جائیں اور ساتھ میں انہیں سول اور فوجی انتظامیہ سے دور رکھا جائے تاکہ ملکی سیاسی و دیگر معاملات میں ان کا عمل دخل یکسر ختم کر دیا جائے۔ اس کے علاوہ شدید ترین بحران اور خانہ جنگی کی ایک وجہ یہ بھی کہ ''جب خان خدائیداد خان نے میر نصیر خان کی بیوہ اور سردار تاج محمد زرک زئی کی بہن سے شادی کرنے سے انکار کیا'' (17) اور اس طرح کے چند اور معاشرتی مسائل کا سبب بنا تو جھالاوان کے قبائلی سردار خانگی عزت کی خاطر خدائیداد خان سے ناراض ہوئے اور دونوں فریقوں کے درمیان بدگمانیوں نے جڑ پکڑلی اور اختلافات شدت اختیار کرتے گئے ضدی خدائیداد خان سے کچھ ایسے سیاسی جرائم سرزد ہوئے کہ جن کو بلوچ قبائلی معاشرے میں انتہائی حقارت اور ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔

ان ناپسندیدہ حرکات نے بالآخر ایک ایسے انتشار کو جنم دیا کہ جس نے احمد خان اول، عبداللہ خان فاتح اور نصیر خان اعظم کی انتھک جدوجہد اور بلوچ قوم کی زبردست قربانیوں کے نتیجے میں حاصل اور قائم ہونے والے وطن کو نہ صرف پارہ پارہ کر دیا بلکہ اس کے باسیوں کو بھی ایک دوسرے کے لئے اجنبی و بیگانہ بنا دیا۔

مندرجہ بالا متذکرہ وجوہات کے علاوہ خدائیداد خان کی اندرونی پالیسی کی ناکامی اور بلوچستان میں سیاسی انتشار و خانہ جنگی کی ایک وجہ باغبانہ کی وہ زمین تھی کہ جس

پر جام میر خان اور خدائیداد خان دونوں ملکیت کا دعویٰ کرتے تھے۔ اس زمینی تنازعے نے ایسی خونریز جنگ کی شکل اختیار کی کہ سینکڑوں افراد اس کے بھینٹ چڑھ گئے جام میر خان اور خدائیداد خان دونوں نے نہ صرف معصوم لوگوں کا قتل عام کروایا، بلکہ بداعتمادی کی فضا میں مزید اضافہ کیا۔ جس نے بلوچ قبائل میں دشمنی کے نئے بیج بودیئے۔ دوسری طرف اس تنازعہ کو بھی مخالف سرداروں نے انگریزی عدالت تک پہنچایا اور سات سمندر پار سے آنے والے حملہ آوروں سے انصاف کے طلبگار ہوئے۔ خدائیداد خان کی جارحانہ پالیسیوں کا آغاز اس کے برسر اقتدار آتے ہی ہوا۔ حلف برداری کے اگلے ہی دن سر دربار اس نے سرداروں کی تذلیل کی اور کچھ دن بعد سرداروں کے لشکر پر حملہ کر کے ان پر جارحیت کے دروازے کھول دیئے۔ سرداروں نے بھی انتہائی ناعاقبت اندیشی اور کم فہمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے خان کے انباروں کو لوٹ کر اپنا انتقام لے لیا۔ ان حرکتوں کی وجہ سے انگریزوں کو بلوچستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت اور خونریزی کو مزید بڑھانے کا سنہری موقع ہاتھ آیا یہ موقع انگریزوں کو سرداروں نے فراہم کیا انہوں نے اپنے خانگی مسئلے کو انگریزوں کی ڈیوڑھی تک پہنچا کر ان سے انصاف طلب کیا۔ یہ انگریزی حکومت کی انتہائی دیرینہ اور بلوچستان کے متعلق ان کے ایجنڈے کی تکمیل تھی۔ عرصہ دراز سے انگریز یہی خواہش رکھتے تھے اور کئی موقعوں پر وہ دبے الفاظ یا برملا اس خواہش کا اظہار بھی کر چکے تھے۔ خدائیداد خان کی یہ خواہش ہرگز نہیں تھی کہ وہ اپنے ملک وقوم کے فیصلے بیرونی ہاتھوں میں دے دیتے لیکن بدقسمتی سے ان میں خود بھی قوت فیصلہ کی کمی تھی اور اب تک وہ جتنے بھی فیصلے کر چکا تھا وہ تمام تر جذبات کی رو بہہ گئے تھے جو سراسر غلط ثابت ہوئے تھے اور ان غلط فیصلوں نے بلوچستان کی سیاسی فضا میں ایک افراتفری پیدا کی اور ان ہی غلط فیصلوں نے نہ چاہتے ہوئے بھی اسے انگریزوں کو ثالث اور حاکم فیصلہ کنندہ ماننے پر مجبور کر دیا تھا۔

برسر اقتدار آنے کے بعد خان خدئیداد خان نے اپنے والد محترم میر محراب خان کے زمانے کے وفادار سرکاری ملازمین کو اپنے ارد گرد جمع کر لیا اور انہیں اعلیٰ عہدے اور مراتب عنایت کئے ۔ یہ بات سرداروں کو سخت ناگوار گزری کیونکہ ان نئے عہدیداروں کی اکثریت سرداروں کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتا تھا اور سردار بھی انہیں پسند نہیں کرتے تھے۔ اسی طرح یہ نئے عہدیدار انگریزی اقتدار بھی سخت مخالف تھے اور وہ بلوچستان میں برطانوی اثر ونفوذ کو روکنا چاہتے تھے لہذا برطانوی حکام بھی ان کو سخت ناپسند کرتے تھے ان وفاداروں میں خصوصاً داروغہ گل محمد اور دیوان گنگارام سرفہرست تھے۔ خدائیداد خان اور قبائلی سرداروں کے درمیان 1858ء میں جب تصادم کا آغاز ہوا تو خان بہت جلد اپنے اس جارحانہ عمل پر پشیمان ہوا۔ سرداروں نے اس واقعہ کو بنیاد بنا کر انگریزی عدالت میں چلے گئے اور اپنا مقدمہ تیسرے غیر ملکی فریق کے سامنے رکھ دیا اس طرح انگریزوں کو ایک زریں موقع ہاتھ آیا کہ وہ بلوچستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت کریں۔ لہذا جیکب آباد میں یہی انگریزوں نے خدائیداد خان کو اس بات پر زبردستی رضا مند کر لیا کہ وہ اپنے دو وفاداروں دیوان گنگارام اور داروغہ گل محمد کو ان کے عہدوں سے برطرف کر کے ان کی جگہ شاغاسی ولی محمد کو تعینات کرے(18)۔

داروغہ گل محمد اور دیوان گنگا رام تخت قلات کے بہترین وفادار، محب وطن قوم پرست اور بلوچستان میں انگریزی قبضہ و اقتدار کے سخت مخالف تھے انہوں نے اور ان کے آباؤ اجداد نے خان میر محراب خان شہید اور خان میر نصیر خان دوئم کے عہد میں انگریزی حملے اور قبضے کے خلاف لڑائیاں لڑی تھیں اور قوم وطن کی حفاظت کے لئے بیش بہا قربانیاں دی تھیں۔ خدائیداد خان نے انتہائی نادانشمندی، ناعاقبت اندیشی، کوتاہ فہمی اور سیاست غلطی کا ارتکاب کرتے ہوئے انگریزی دباؤ میں آ کر اپنے وفاداروں کو ان کے عہدوں اور اختیارات سے الگ کر کے دیوان گنگارام کو سندھ بھیج دیا۔ اور شاغاسی ولی

محمد کو داروغہ گل محمد کی تعینات کیا۔ بلوچستان میں اندرونی بغاوتوں کو ہوا دینے اور اس آگ کو مزید بھڑکانے کے لئے برطانوی حکومت ہمہ وقت پالیسیاں بناتا تھا تاکہ اندرونی طور پر خان اس کے مسلح قبائل اور اس کے مخالف سردار ہمیشہ آپس میں برسر پیکار رہ کر برطانوی اقدامات کے خلاف مزاحمت نہ کرسکیں اور برطانیہ اپنی پالیسی کو کامیابی کے ساتھ شمال اور مغرب کی طرف بڑھا سکے۔ اسی مقصد کی خاطر انگریزوں کا وہ گروہ جو بلوچستان کے معاملات میں عدم مداخلت کی نام نہاد پالیسی کا حامی تھا نے خان کے خلاف ہونے والی بغاوتوں میں ہمیشہ خان کی بھرپور مدد کی اسے نقدی اور اسلحہ وساز وسامان جنگ مہیا کیا۔ جس انداز اور وفاداری کے ساتھ خدائیداد خان انگریزوں کی مدد واعانت کررہا تھا اس کے بدلے خان نے انگریزوں سے کوئی مراعات حاصل نہیں کیں حتیٰ کہ جب خان نے اپنے صوبے مکران کا دورہ کیا تو اس سے متصل ایرانی بلوچستان میں واقع اپنے علاقوں کے دورے کے لئے انہیں انگریزوں سے اجازت نامہ لینے کے لئے درخواست کرنی پڑی لیکن انگریزوں نے اسے اپنے وطن کے دورے کی اجازت نہیں دی کیونکہ نصیر خان اول وفات اور بعدازاں میر محراب خان کی شہادت کے بعد جب انگریزوں نے قلات پر قبضہ کیا تو ایرانی بلوچستان کا علاقہ پہلے خودمختار ہوا اور بعدازاں ایرانی قبضے میں چلا گیا تھا لہذا اب انگریز اپنے مفادات کے تحفظ کی خاطر فی الحال ایران سے بگاڑ پیدا کرنا مناسب خیال نہیں کرتے تھے۔

جس وقت 1858ء میں میر فتح خان احمدزئی نے بغاوت کی اور مکران وخاران کے سرداروں کی حمایت سے خدائیداد خان کے ساتھ جنگ شروع کی تو خدائیداد خان نے سردار تاج محمد زرکزئی کی سربراہی میں فوج بھیج کر اس بغاوت کا خاتمہ کردیا۔ اس وقت تک ماسوائے سردار آزاد خان نوشیروانی کے باقی تمام قبائلی سردار خدائیداد خان کی وفاداری دم بھرتے تھے لیکن خدائیداد خان ایک شکی مزاج اور غیر مستقل مزاج حکمران تھا

وہ اس سے قبل سرداروں کے غیر اخلاقی رویے کو دیکھ چکا تھا اور سرداروں کے ماضی کا کردار بھی اس کے سامنے تھا لہذا اس کے باوجود کہ تمام سردار اس کی اطاعت و فرمانبرداری کرتے تھے اور سردار تاج محمد زرکزئی نے ایک اہم بغاوت کا بھی قلع قمع کر دیا تھا لیکن جب سردار تاج محمد زرکزئی مکران سے فتح یاب ہوکر قلات چلا آیا تو خان خدائیداد خان نے اسے وہ شرف و عزت نہیں دی جو اس کی خواہش کے مطابق تھی جسکی وجہ سے سردار تاج محمد زرکزئی ناراض ہوا اور خدائیداد خان سے ٹکر لینے کی ٹھان لی بعد ازاں جب ''خدائیداد خان نے سردار تاج محمد زرکزئی کی بیٹی سے منگنی کرنے کے بعد اپنی منگیتر کی بجائے اسکی پھوپھی سے شادی کر لی تو یہ بات سردار تاج محمد زرکزئی کو نہ صرف ناگوار گزری بلکہ اس نے بلوچ معاشرے کی بے عزتی قرار دیکر اپنے حمایتی سراوانی اور جھالاوانی سرداروں کے ساتھ ملکر خان کے خلاف بغاوت کی'' (19)۔ گو کہ یہ بغاوت خوفناک اور خونی صورتحال اختیار کرنے سے پہلے ہی مصالحین نے درمیان میں پڑ کر ختم کر دی لیکن ان بدگمانیوں اور بداعتمادیوں کا خاتمہ نہ ہوسکا جو خان اور سرداروں کے دلوں میں پیدا ہو چکی تھیں۔ اس صورتحال میں عدم مداخلت کی پالیسی کے حمایتی انگریز افسر کمشنر سندھ ولیم سر میر یویدر نے خان کے سابقہ 50 ہزار روپے کے سالانہ گرانٹ میں مزید 50 ہزار روپے کا اضافہ کر کے اسکی پوزیشن مضبوط بنائی لیکن در پردہ پنجاب کیمپ کے انگریز افسر قبائلی سرداروں کو اسی طرح مدد دیتے رہے تاکہ دونوں فریقوں کا پلہ برابر ہو اور ان کے درمیان بھڑکنے والی آگ کے شعلے مدہم نہ ہوں (20)۔

جس طرح شروع کے سطور میں تذکرہ ہوا کہ خدائیداد خان کے برسر اقتدار آتے وقت تخت قلات کے دو دعویدار اور بھی تھے جن میں سے ایک میر محراب خان کا بھائی اور خدائیداد خان کا چچا میر محمد اعظم خان تھے اور دوسرا ان کا بیٹا میر شیر دل خان تھا۔ خدائیداد خان کے برسر اقتدار آنے کے کچھ عرصے بعد میر اعظم خان تو فوت ہوا البتہ شیر

دل خان کا خطرہ موجود تھا لہذا اسے سرکاری نگرانی میں رکھا گیا اور جب تک داروغہ گل محمد اپنے عہدے پر تعینات تھا شیر دل خان کی کڑی نگرانی کی جاتی تھی اور اسے تقریباً نظر بندی رکھا گیا تھا لیکن جب شاغاسی ولی محمد نے داروغہ گل محمد کی برطرفی کے بعد اس کی جگہ لے لی تو شیر دل خان کی نگرانی ختم کر دی گئی اور اسے آزادانہ گھومنے پھرنے کی اجازت مل گئی بقول میر گل خان نصیر" میر شیر دل خان سیاست وحکومت سے نابلد ایک نیم پاگل اور مخبوط الحواس شخص تھا اللہ نے اسے بڑی جسمانی طاقت دی تھی"۔(21) جس کا وہ کئی موقعوں پر مظاہرہ بھی کر چکا تھا۔ میر شیر دل خان انگریزوں سے سخت نفرت کرتا تھا لیکن انگریز اسکی مخبوط الحواسی سے فائدہ اٹھا کر اسے خدائیداد خان کے خلاف استعمال کرنا چاہتے تھے کیونکہ اب تک خدائیداد خان انگریزی امداد و اعانت کے باوجود کوئی ایسا اہم کردار ادا نہیں کر سکا تھا کہ جو انگریزی مفادات اور خواہشات کے مطابق ہوتا لہذا اب انگریزوں نے بھی یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ خدائیداد خان کی انگریز دشمن پالیسیوں کا خاتمہ ہوا اور ایک ایسے دشمن کو اسکی جگہ خان مقرر کیا جائے کہ جس کی حیثیت واقعی ایک کٹھ پتلی کی سی ہو اور اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لئے انہوں نے شیر دل خان کا انتخاب کیا۔

خدائیداد خان کو جھکانے کے لئے انگریزوں نے ہر طرح کی کوششیں کیں دوستی کا ہاتھ بڑھا کر، دولت کے انبار دکھائے اور بسا اوقات سرداروں پر دباؤ ڈال کر انہیں خان کے آگے جھکایا گیا خان کی ہر طرح سے مدد کی گئی لیکن خان انگریزوں کے منشا و مرضی کے مطابق کام نہ کر سکا۔ لہذا انگریزوں نے اسے راستے سے ہٹانے کا آخری فیصلہ کر لیا اور" اس طرح 1863ء میں کچھی میں خدائیداد خان، شیر دل خان کے ایک قاتلانہ حملے میں شدید زخمی ہوا اور اس طرح شیر دل خان تخت قلات پر متمکن ہوا"۔(22) سراوان و جھالاوان کے سردار شیر دل خان کی اس سازش میں جو انگریزوں کے ایماء پر ہوا تھا شریک تھے انہوں نے بلا مقابلہ قلات پر قبضہ کر لیا۔ اس تمام انقلابی دور میں ماسوائے

سردار نوردین مینگل اور چند دیگر غیر معروف سرداروں کے تقریباً تمام طاقتور اور معروف قبائلی سردار میر شیر دل خان کے ساتھ تھے قریباً ایک سال تک میر شیر دل خان اقتدار میں رہا مگر اس پورے عرصے میں اس نے سردارانِ قبائل اور انگریزوں پر یہ واضح کر دیا کہ وہ خدائیداد خان کی بہ نسبت زیادہ انگریز دشمن اور مخالف ہے لہذا دونوں فریقین شیر دل خان کو راستے سے ہٹانے پر مجبور ہوئے۔

شیر دل خان کو حکومت کرنے کا موقع غیر متوقع طور پر ملا تھا اس کے وہم وگمان میں نہ تھا کہ وہ کبھی قلات کا حکمران بن سکتا ہے لیکن جب خدائیداد خان کے خلاف دو طاقتور حریف اس کی امداد اور اعانت پر تیار ہوئے تو اس نے بھی قسمت آزمائی کا فیصلہ کیا اور کامیاب بھی ہوا لیکن اپنے غیر سیاسی پن حرکتوں اور کھلم کھلا انگریزوں کی مخالفت کی وجہ سے وہ بھی زیرِ عتاب آیا۔ خدائیداد خان گنداوہ میں اپنے زخموں کا علاج بھی کرواتا رہا اور دوسری طرف سرداروں اور انگریزوں سے اپنے سابقہ اقدامات اور رویے کی معافی تلافی بھی کرتا رہا تا کہ دونوں طاقت وحریف اسے دوبارہ مسند شاہی پر بٹھانے پر تیار ہو جائیں۔ سردار اور انگریز بھی شیر دل خان سے ناراض رہنے لگے تھے شیر دل خان نے اپنی جلد بازی اور غیر سیاسی حرکتوں سے انگریزوں کو بہت جلد وہ موقع عطا کیا کہ وہ دوبارہ خدائیداد خان کو برسرِ اقتدار لائیں۔ بعدازاں شیر دل نے افغان اور ایرانی حکومتوں سے انگریزوں کے خلاف مشترکہ جدوجہد کرنے کا اظہار کیا۔ انگریزوں نے خطرے کی گھنٹی سنتے ہی فوراً اس خطرناک دشمن سے چھٹکارا پانے کا مصمم ارادہ کر لیا اور اسے اس کے اپنے ہی ایک کمانڈر شیر دل یوسفزئی کے ذریعے قتل کروا دیا اور اس طرح "1864ء میں شیر دل خان کی حکومت کا باب ختم ہو گیا"۔(23)

خان خدائیداد خان کا دورِ ثانی، حکمرانی کا تنقیدی جائزہ

خدائیداد خان کا پہلا دورِ حکومت غیر محتاط، غیر سیاسی اور غیر سماجی دور تھا۔ اپنے پہلے دورِ حکومت میں اس نے قبائلی سرداروں اور انگریزوں سے براہ راست مخالفت مول لی تھی اور اپنی جارحانہ پالیسی کے ذریعے دونوں طاقتور اور چالاک حریفوں کو ناراض کر دیا تھا جسکا اسے خمیازہ بھی بھگتنا پڑا تھا۔ مگر اس کا دوسرا دورِ اقتدار پہلے دور سے زیادہ مختلف نہیں تھا مگر حقیقتاً اس سے کہیں زیادہ پر آشوب اور درد ناک دور ثابت ہوا۔ خدائیداد خان کا دوسرا دورِ غلامی کا دور کہلانے کا مستحق ہے کیونکہ جب برطانیہ نے میر خدائیداد خان اور اس کے قوم و وطن کو غلامانہ معاہدات اور صلح ناموں کا طوق پہنا کر نہ صرف ان کی شہ رگ پر اپنی گرفت مضبوط کی کی بلکہ ایران، افغانستان، مشرق وسطیٰ، اور وسط ایشیائی مسلمان دنیا کی غلامی اور قتل عام کے لئے بھی اسے راستہ فراہم ہوا۔ خدائیداد خان کے دوسرے دورِ اقتدار کا آغاز تو اعتماد اور یقین دہانی کی فضا میں ہوا اور سراوان اور جھالاوان کے سردار اس سے خوش اور راضی ہو گئے تھے خان نے بھی اپنے رویئے سے یہ ظاہر کیا کہ ان میں اب اختلافات نہیں ہیں اور بلوچستان کے عوام اب دوبارہ نصیر خان ثانی کے قانون و آئین کے تحت زندگی بسر کریں گے۔ چند ماہ بعد حکومت برطانوی ہند نے بھی اسکی حکومت کو تسلیم کر لیا۔ مگر انگریزوں کو بلوچستان کا یہ سکون اور امن پسند نہیں آیا اس طرح کی باہمی اعتماد کی فضا انگریزی ارادوں کے لئے نیک شگون ثابت نہیں ہوسکتا تھا۔ بلکہ کسی بھی وقت یہ اعتماد اور اتحاد انگریزی اقتدار کے لئے خطرہ بھی بن سکتا تھا۔ لہذا پرانی آتشی وطوفانی فضاؤں کی بحالی ضروری سمجھ کر انہوں نے دوبارہ اپنے سازشوں کا آغاز کر دیا اور وہ کسی مناسب موقع کے انتظار میں تھے اسی دوران جام میر خان آف لسبیلہ اور

"میر خدائیداد خان کے درمیان باغبانہ کی زمین کا تنازعہ دوبارہ اٹھ کھڑا ہوا اور بلوچستان کی سیاسی فضا پھر سے مکدر ہوگئی۔ خان نے اپنے رویے سے دوبارہ قبائلی سرداروں کو ناراض کرنا شروع کردیا۔ سردار نور دین مینگل جو اسکا پرانا رفیق تھا اسے دیگر سرداروں کے مقابلے میں خان نے نظر انداز کردیا تھا اور دیگر سردار بھی زیادہ عرصہ تک خان کے منظور نظر نہ رہ سکے اور بہت جلد دونوں فریقوں کے درمیان دوبارہ وسیع خلیج حائل ہونے لگی۔ سردار بھی خان کے اس نامناسب رویے سے خوفزدہ ہوگئے اور سردار ملا محمد رئیسانی، سردار تاج محمد زرکزئی اور چند دیگر سرداروں نے خان کے کمانڈر شیر خان کے ساتھ ملکر خان کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا لیکن یہ راز راز نہ رہ سکا اور بہت جلد افشا ہوگیا۔ سردار تاج محمد زرکزئی گرفتار کر لئے گئے۔ کمانڈر شیر خان کو بلوچستان سے نکال دیا گیا اور ملا محمد رئیسانی فرار ہوکر قندھار چلا گیا خان نے ان کی جائیداد بحق سرکار ضبط کر لی"۔(24)

خدائیداد خان اب مکمل طور پر انگریزوں کا آلہ کار بن چکا تھا وہ ان مجاہدین اور سرفروشوں کے خلاف مسلح کارروائیاں کر رہا تھا جو اپنے وطن کو انگریزی قبضے سے نجات دلانے اور خطے کو ان کے وجود سے پاک کرنے میں برسرپیکار تھے۔ مثلاً میر غلام حسین بگٹی وغیرہ۔ حان نے گوکہ غلام حسین بگٹی کے خلاف باقاعدہ طور پر فوج کشی نہیں کی لیکن انگریزوں کو اجازت دی کہ وہ اسکے اپنے علاقے پر حملہ کرکے ان مجاہدین کا قلع قمع کرے۔ اگر یہ کارروائی خان بذات خود کرتا تو شاید اسکی داخلہ پالیسی متاثر نہ ہوتی اور نہ ہی بیرونی طاقتوں کو بلوچستان کے معاملات میں مداخلت کا موقع ملتا لیکن خدائیداد خان اور غیر دانشمندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بار بار انگریزوں کو بلوچستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت کا موقع فراہم کرتا رہا۔ سرداروں اور اپنے ہی عوام کے خلاف ان کی انتقامانہ کارروائیوں نے آخرکار ایک گھمبیر خانہ جنگی کی شکل اختیار کی اور پھر بلوچستان عملاً انگریزی غلامی اختیار کرتا چلا گیا بداعتمادی، برادر کشی، لوٹ مار، قتل، غارت گری اور

لاقانونیت کی یہ فضا مسلسل قائم رہی اور پھر بلوچ قبائل دور خان اپنا کوئی بھی معاملہ باہم گفت وشنید سے نہ نپٹا سکے اور ہر معاملے میں انگریزوں کو مداخلت کرنے کا موقع اور جواز عطا کیا۔ انگریزوں نے بھی بلوچستان کے اندرونی حالات کا جائزہ لینے کے بعد اپنی پالیسی میں تبدیلی کی جو اس کے پروگرام اور منصوبے کے مطابق تھا۔

''1869ء میں انہوں نے اپنی پالیسی میں بنیادی تبدیلیاں کیں'' (25)۔ لیکن اس سے قبل انگریزی حکومت خان آف قلات کو بلوچستان کا مطلق العنان حکمران تسلیم کرتا تھا اور سرداروں کو خان کی رعایا کی حیثیت سے جانتے تھے اور انہیں عام لوگوں کی طرح تصور کرتے تھے۔ ان کے خیال میں خان ایک مطلق العنان حکمران ہے اور وہ جس انداز میں حکومت کرنا چاہے اسے اس کا حق حاصل ہے لیکن یہ سب ایک ڈرامہ تھا کیونکہ بلوچستان میں آگ اور خون کا کھیل شروع کرنے والا خود انگریز تھے تاکہ بلوچستان میں حالات کو اس حد تک خراب کیا جاسکے کہ اس ملک میں براہ راست مداخلت کرنے کا جواز مل سکے۔

اس فارمولے پر اب بھی بڑی طاقتیں عمل کرتی ہیں کبھی دہشت گردی کی سرپرستی اور رہنمائی کرنے کا الزام لگا کر آزاد ملکوں کے خلاف مسلح کارروائی کر کے ان پر قبضہ کیا جاتا ہے۔ مقصد ان کارروائیوں کا اس کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا کہ اپنی بھرپور طاقت اور قوت سے امیر ترین مگر کمزور ملکوں کو ڈرا دھمکا کر یا پھر براہ راست حملہ کر کے اس کے وسائل کو لوٹا جاسکے۔ اس کی مثالیں افغانستان اور عراق میں اس کے علاوہ وہ ممالک جو غضبناک اور طاقت ور ممالک کے تباہ کن ہتھیاروں اور فوجی قوت سے ڈر کر اپنی ساری دولت ان طاقتور ممالک پر نچھاور کر رہے ہیں۔

لہذا برطانیہ نے بھی اسی فارمولے کو اختیار کیا تھا جو ہمیشہ سے بڑی طاقتیں استعمال کرتی چلی آرہی ہیں۔ اس نے افغانستان پر پہلے حملہ میں ناکامی کا ذمہ دار بلوچستان کی قبائلی مزاحمت کو قرار دیکر پہلے اس پر مکمل قبضہ کرنا ضروری خیال کیا اور بعد

ازاں مختلف معاہدات کی پرفریب جال میں جکڑ دیا لیکن پھر بھی جب مزاحمت کم نہ ہوئی تو افغانستان پر حملے کو ایک لمبے عرصے تک کے لئے موخر کر کے پہلے بلوچستان کو مکمل طور پر اپنے قبضے کر لینے کا اہم ترین منصوبہ بنایا گیا۔ بڑی طاقتیں لڑائی چاہتے ہیں مگر اپنا زیادہ جانی ومالی نقصان بھی نہیں چاہتے لہذا بلوچستان پر اسی منصوبے کے تحت پہلے پہل خان اور بلوچ سرداروں کے درمیان خانہ جنگی کروانے کا منصوبہ بنایا گیا تا کہ ان کو مکمل طور پر کمزور کر کے انہیں گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کیا جا سکتے میر گل خان نصیر لکھتا ہے کہ ''انگریز شروع میں نہیں چاہتا تھا کہ بلوچستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت کی جائے وہ حرف دوستانہ تعلقات کی بناء پر بلوچستان سے روابط رکھنا چاہتا تھا۔ وہ لکھتا ہے یہ پالیسی 1854ء سے 1869ء تک رہی''۔(26)

لیکن اس بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انگریز کو بلوچستان پر مجبوراً قبضہ کرنا پڑا کہ اور وہ یہ بالکل نہیں چاہتا تھا کہ بلوچستان پر کبھی قبضہ کیا جائے بلکہ تمام تعلقات دوستانہ صلاح ومشورے سے طے کئے جائیں۔ لیکن حقیقت اس کے برعکس تھی ''انگریزوں کو بلوچستان پر قبضے کا خیال 1795ء میں آیا تھا جب انہوں نے اپنی جاسوسی مہمات کا آغاز کیا اور غلام سرور نامی شخص کو بلوچستان اور سیستان کے حالات کی جانکاری کے لئے ایک بڑی رقم دے کر روانہ کیا''۔(27) اس مہم کا مقصد اس خطہ کے باسیوں اور مکینوں کے سیاسی، سماجی، معاشی، اور جغرافیائی حالات معلوم کرنا تھا نیز ساتھ میں ان کے مذہبی اعتقادات اور ان کی فوجی قوت کے بارے میں آگاہی بھی مقصود تھی تا کہ انہیں کس طریقے سے زیر کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح انگریزوں نے بلوچوں کی قومی اور ثقافتی نفسیات کو پرکھنا اور جاننا شروع کیا انگریزوں کا غلام سرور کو بلوچستان بھیجنے کا مقصد یقیناً بلوچستان کے ذریعے افغانستان اور وہاں سے وسط ایشیاء تک پہنچنا تھا۔ مگر اس مقصد کے حصول کے لئے راستے میں آنیوالی مملکتوں اور ریاستوں کے حالات سے مکمل آگاہ ہونا

انتہائی ضروری تھا۔ برطانیہ ایک عالمی طاقت تھا اور اسے دنیا پر اپنی دھاک بٹھانی تھی تو وہ یہ ناسمجھی کیسے کرسکتا تھا کہ وہ بلوچستان کے حالات اور افغانستان پر حملے کی صورت میں بلوچ قبائل کی طرف سے ممکنہ مزاحمت کا اندازہ کئے بغیر افغانستان پر ٹوٹ پڑتا۔ حقیقت تو یہ تھی کہ انگریزوں نے بلوچستان پر اپنی گرفت مضبوط کرنے اور اسے ایک مستقل اڈے کی شکل دینے کا پروگرام 1795ء میں ہی تشکیل دیدیا تھا اور اس منصوبے کو چار ادوار میں تقسیم کررکھا تھا۔ برطانیہ بطور عالمی سیاسی بساط کے چمپیئن جہاں بھی جاتا اس کی مکمل منصوبہ بندی کر کے جاتا تھا۔

بہرحال انگریزوں نے بلوچستان کے بارے میں معلومات کے لئے ''غلام سرور کے بعد اپنے فوجی افسروں کو بھیس بدل کر اس خطے کی جاسوسی کی خاطر روانہ کیا ان جاسوسوں میں ہنری پوٹینگر، کیپٹن کرسٹی، گرانٹ، چارلس میسن اور بہت سارے دیگر لوگ شامل تھے اسی طرح الفنسٹن اور میلکمکو بالترتیب افغانستان اور ایران بھیجا گیا'' (28)۔ بعد میں ہنری پوٹینگر، ملیکم اور چارلس میسن نے انتہائی اہم معلوماتی کتب بھی لکھیں جن سے بلوچستان کی تاریخ و سیاست اور سماجی نظام پر بے شمار معلومات فراہم ہوتی ہیں مگر ساتھ ساتھ ان کی تحریروں سے ان کی توسیع پسند جارحانہ اور سامراجی عزائم کا بھی پتہ چلتا ہے۔ لہذا انگریزوں نے اپنی مکمل منصوبہ بندی کے تحت بلوچستان میں خدائیداد خان کے دورحکومت میں اس قبائلی سرداروں کے درمیان 21 سال تک آگ اور خون کے کھیل، کھیل کرانہیں ادھ مواہ کر کے رکھ دیا اور بعدازاں انہیں گھٹنے ٹیکنے اور غلامی کا طوق پہننے پر مجبور کیا۔

چونکہ بلوچستان کا معاشرہ قبائلی معاشرہ ہے اور انیسویں صدی کے حوالے سے یقیناً کہا جاسکتا ہے کہ پورا بلوچستان ایک بدوی معاشرہ تھا اور تمام قبائل قدیم بلوچی ضابطہ اخلاق کے مطابق زندگی بسر کرتے تھے ان کے نزدیک یہی ان کا آئین تھا جسے بعدازاں ''نصیر خان نوری نے 18 ویں صدی کے وسط میں بلوچی ضابطہ اخلاق اور اسلامی

شریعت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ایک آئین ترتیب دیا اور پورے ملک میں اس کا اجراء اور نفاذ کیا"۔(29) بلوچ قبائل آنے والی صدی میں بھی اس ضابطہ اخلاق اور نصیر خان کے مذکورہ آئین کے مطابق زندگی بسر کرنا چاہتے تھے جبکہ خدائیداد خان انگریزوں کی مدد اور غیر ملکی فوجی قوت کے بل بوتے پر ایک مطلق العنان حکمران کی حیثیت سے حکومت آنا چاہتا تھا۔

دراصل خان خدائیداد خان کو مطلق العنان حکمران بنانے میں اہم کردار انگریزوں ہی کا تھا وہ اپنی پالیسی کے مطابق خدائیداد خان اور اس کے قبائل کو انتہائی کمزور کر کے انہیں مکمل غلامی میں لینا چاہتے تھے اور ساتھ میں افغانستان پر حملے کے لئے بلوچستان کو اپنی گزرگاہ کے طور پر اپنے کنٹرول میں رکھنا چاہتے تھے۔اب حالات اس نہج پر پہنچ چکے تھے کہ جب انگریزوں کو جائزہ لینے کی ضرورت پیش آئی اور انہوں نے "ہنری گرین کی رپورٹ اور اطلاع کے مطابق قلات کے حالات کا جائزہ کے لئے کیپٹن ہریسن کو روانہ کیا ہریسن نے سرداروں اور خان سے ان کے مطالبات حاصل کے لئے اس اثناء میں خان اور سرداروں کے درمیان مختلف مقامات پر کچھ جھڑپیں بھی ہوئیں اور خان نے ہریسن کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے ان سرداروں کے خلاف مسلح کارروائی شروع کی اسی دوران ہریسن مکران چلا گیا اور ایران بلوچ سرحدی تنازع کے تصفیے کے لئے بھمبور میں ایک کانفرنس منعقد ہوئی جس میں برطانوی نمائندے گولڈسمتھ اور ہریسن نے شرکت کی جبکہ قلات اور ایران کے نمائندوں نے بھی اس کانفرنس میں شرکت کی۔لیکن اس کانفرنس کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہوا ان حالات کو انتہائی مخدوش قرار دیکر بالآخر برطانیہ نے بلوچستان کے معاملات میں براہِ مداخلت کے منصوبے کو حتمی شکل دی"۔(30)

خدائیداد خان ایک بے بس حکمران تھا اس کی نہ تو کوئی واضح اندرونی پالیسی تھی اور نہ کوئی خارجہ پالیسی بلکہ وہ پالیسیوں کو سمجھنے سے مبرا ایک خالصتاً مقامی حکمران کی

حیثیت سے حکومت کرنا چاہتا تھا۔ وہ انگریزوں کی پالیسیوں اور منصوبوں سے نا آشنا اپنے ہی دھن میں مگن تھا وہ صرف سرداروں کو مارنے اور ان کے قبائل کو تباہ کرنے کو ہی حکومت کرنا خیال کرتا تھا۔ خان خدائیداد خان کے خیال میں بلوچستان کا وہ مالک تھا اور باقی اس کے باسی اور غلام تھے لہذا وہ سمجھتا تھا کہ جیسا چاہے ان سے سلوک کر سکتا تھا۔ وہ اپنی ذات کو ہر قانون اور قاعدے سے بالاتر سمجھتا تھا۔ وہ سرداروں کو ان کے جائز مطالبات کے لئے بھی مجرم گردانتا تھا اور انہیں سزا دینا ضروری خیال کرتا تھا۔ اس نے اپنی اندرونی پالیسی کی بنیاد ہی جارحیت پر رکھی تھی جس کی وجہ سے بلوچستان تباہی کے آخری دھانے پر پہنچ چکا تھا۔

"1871ء میں انگریزوں بلوچستان میں براہ راست مداخلت یا عدم مداخلت کی پالیسی اختیار کرنے کے سلسلے میں ایک کانفرنس مٹھن کوٹ کے مقام پر طلب کی اور 3 فروری 1871ء کو منعقد ہونے والے اس کانفرنس میں کافی بحث مباحثے کے بعد بالاخر چند فیصلے کئے گئے۔ جن کی رو سے بلوچستان کے مشرقی کوہستانی سلسلے کو پنجاب سے ملحق کیا گیا۔ اور رابرٹ سنڈیمن کی نگرانی میں انہیں دے دیا گیا۔ یہیں سے بلوچستان کی مکمل غلامی کا آغاز ہوا اور انگریزوں کی ریشہ دوانیاں بڑھنے لگیں"۔ (31)

مٹھن کوٹ کانفرنس کے فیصلوں کے بعد جب رابرٹ سنڈیمن کو بلوچ پنجاب سرحدات کا نگران مقرر کیا گیا اس نے پہلے ہی سے بلوچستان پر قبضہ کرنے کا منصوبہ بنا رکھا تھا کیونکہ برطانوی فارورڈ پالیسی کے پنجاب کیمپ سے اس کا تعلق رہا تھا جو ہمیشہ ہی سے عدم مداخلت کی پالیسی کے خلاف تھے۔ لہذا رابرٹ سنڈیمن نے کوہ سلیمان کے سرحدی علاقوں کا نگران مقرر ہوتے ہی قبائلی سرداروں کو اپنا ہم خیال بنایا اور ساتھ ہی پورے بلوچستان میں خانہ جنگی کی آگ کو مزید بھڑکانا شروع کیا۔ اس کی لگائی ہوئی آگ میں بلوچ سردار برابر کے شریک تھے اور انہیں اس بات کی قطعی پرواہ نہیں تھی کہ غیروں

کی لگائی ہوئی اس آگ سے ان کے قبائل اور ان کا وطن جل رہا ہے جبکہ انگریز اپنی شاندار کوٹھیوں میں بیٹھ کر ان کا تماشہ دیکھ رہے تھے۔

''1875ء میں سنڈیمن نے قلات کا پہلا ناکام دورہ کیا'' (32) لیکن یہ دورہ ناکام بھی نہیں تھا کیونکہ اس جاسوس نے خان کے باقی ماندہ پوزیشن اور سرداروں کے خیالات اور قبائلی طاقت کا اپنے اس دورے کے دوران خوب اندازہ لگایا اور اپنے ایک ازلی دشمن سردار نوردین مینگل کو خان خدائیداد خان کے ذریعے راستے سے ہٹا دیا۔ انگریزوں کو یہ ڈر تھا کہ سردار نوردین مینگل ان کے خلاف مسلح جدوجہد بھی کرسکتا ہے لہذا قلات سے نکلتے وقت اس نے خان کو سردار نوردین سے بدظن کر کے اس کے قتل پر آمادہ کر لیا تھا۔ خان کے اس اقدام سے حالات مزید خراب ہو گئے اور خانہ جنگی نے پورے ملک کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ایک سال کے اندر اندر خان اور بلوچ سردار قبائل نے انگریزوں کی ثالثی کو قبول کر لیا۔ اس طرح 1876ء میں رابرٹ سنڈیمن ایک فاتح کی حیثیت سے بلوچستان میں داخل ہوا سرداران قوم نے سرحدوں پر جا کر اس کا استقبال کیا اور ''اس نے مستونگ میں 1876ء میں دربار منعقد کر کے سرداروں اور خان کے درمیان ایک سمجھوتہ کروایا اور لیکن خود اس نے طاقتور ترین اور حتمی فیصلہ کنندہ کا کردار ادا کیا'' (33)۔

1876ء کا معاہدہ مستونگ دراصل بلوچستان کی مکمل شکست اور خطے میں برطانیہ کا کامل قبضے کی علامت تھی اور اس طرح سنڈیمن حقیقی معنوں میں فاتح بلوچستان کہلانے کا مستحق تھا۔ اس معاہدے نے خدائیداد خان کے تمام تر اختیارات آہستہ آہستہ برطانوی حکومت کو منتقل کر دیے اور خان کی حیثیت صرف ایک کٹھ پتلی کی سی رہ گئی۔

سردار اس صلح نامہ کو اپنی فتح خیال کرتے تھے جبکہ خان اس غلط فہمی کا شکار تھا کہ دراصل اس نے سیاسی محاذ پر بہت بڑی کامیابی حاصل کی ہے لیکن درحقیقت اس فتح کا

سہرا برطانیہ کے گرینڈ ماسٹر رابرٹ سنڈیمن کے سر پر سجا تھا جس نے اپنی پالیسیوں سے حکومت برطانیہ کے ہندوستان کے وائسرے تک کو حیران کر دیا تھا۔حتیٰ کہ وائسرائے نے تصدیق کی خاطر خان خدائیداد خان کو جیکب آباد بلا کر وہیں اس سے اس معاہدے کی تصدیق اور تجدید کروائی۔

یہی معاہدہ آخر کار خدائیداد خان کے حکومت خاتمہ کا سبب بنا اور ”1893ء میں یعنی سنڈیمن کی وفات کے ایک سال بعد جیمز براؤن نے حاکم بلوچستان خان خدائیداد خان کو گرفتار کر کے اسے استعفیٰ دینے پر مجبور کیا“(34)۔

حواشی

1	Imperial Gazetteer of India (Balochistan) Sang-e-meel Publications Lahore, 1900 P:17
2	میر گل خان نصیر" تاریخ بلوچستان" جلداول، دوئم قلات پبلشرز کوئٹہ 1993ء صفحہ 188
3	محمد سردار بلوچ خان مترجم پروفیسر ایم انور رومان نادر ٹریڈرز ندارد صفحہ 241
4	میر گل خان نصیر" تاریخ بلوچستان" جلد اول، دوئم قلات پبلشرز کوئٹہ 1993ء صفحہ 97-96
5	بریگیڈیئر (ر) ایم عثمان حسن "بلوچستان رپورتاژ" گوشہ ادب 1984ء صفحہ 49
6	پروفیسر عزیز محمد بگٹی "تاریخ بلوچستان" ادارہ تدریس 1995ء صفحہ 49
7	جی پی ٹیٹ "ترجمہ ارشد، خان "سلطنت افغانستان" 1990ء نساء ٹریڈز کوئٹہ صفحہ 284
8	پروفیسر محمد اشرف شاہین قیصرانی "بلوچستان تاریخ اور مذہب" ادارہ تدریس کوئٹہ 1994ء صفحہ 161
9	میر نصیر خان احمد زئی "تاریخ بلوچ و بلوچستان" بلوچی اکیڈمی کوئٹہ 1995ء جلد ششم صفحہ 62-460

10	محمد سعید دہوار ''تاریخ بلوچستان'' نساء ٹریڈرز 1990ء صفحہ 681
11	میر احمد یار خان ''مختصر تاریخ قوم بلوچ وخوانین بلوچ'' ندارد صفحہ 40
12۔	میر گل خان نصیر'' تاریخ بلوچستان'' جلد اول، دوئم قلات پبلشرز کوئٹہ 1993ء صفحہ 31
13	ایضاً صفحہ 20-17
14	سید محمود شاہ بخاری ''تاریخ بلوچستان'' بک لینڈ کراچی 1981ء صفحہ 236
15	پروفیسر عزیز محمد بگٹی ''بلوچستان شخصیات کے آئینے میں'' فکشن ہاؤس 1996ء صفحہ 71
16	ڈاکٹر شاہ محمد مری ''بلوچ قوم قدیم عہد سے عصر حاضر تک'' تخلیقات لاہور 2002 صفحہ 140
17	میر گل خان نصیر'' تاریخ بلوچستان'' جلد اول ، دوئم قلات پبلشرز کوئٹہ 1993ء صفحہ 188
18	ایضاً 191
19	اے ڈبلیو ہیوگز ترجمہ پروفیسر ایم انور رومان ''سرزمین بلوچستان'' نادر ٹریڈرز مستونگ ندارد صفحہ 251
20	میر گل خان نصیر'' تاریخ بلوچستان'' جلد اول، دوئم قلات پبلشرز کوئٹہ 1993ء صفحہ 96-195
21	ایضاً ص 202
22	زاہد چوہدری ''پاکستان کی سیاسی تاریخ'' جلد ہفتم ادارہ مطالعہ تاریخ لاہور 1994ء صفحہ 27
23	میر نصیر خان احمد زئی ''تاریخ بلوچ و بلوچستان'' بلوچی اکیڈمی کوئٹہ 1995ء جلد ششم صفحہ 14-313

24	میر گل خان نصیر'' تاریخ بلوچستان'' جلد اول ، دوئم قلات پبلشرز کوئٹہ 1993ء صفحہ 205-08
25	ایضاً ص295
26	ایضاً ص215
27	Inyatullah Baloch "The problem of Greater Balochistan" Germany 1987 P. 127
28	ایضاً صفحہ 127
29	میر احمد یار خان''مختصر تاریخ قوم بلوچ وخوانین بلوچ'' ندادر صفحہ 242
30	میر گل خان نصیر''بلوچستان قدیم اورجدید تاریخ کی روشنی میں'' نساء ٹریڈرز1982ء صفحہ 216-22
31	پروفیسر محمد اشرف شاہین قیصرانی ''بلوچستان تاریخ اور مذہب'' ادارہ تدریس کوئٹہ 1994ء صفحہ 172
32	مترجم پروفیسر ڈاکٹر انعام الحق کوثر''کوئٹہ قلات کے براہوئی'' قریشی پبلیکیشنز 1987ء صفحہ 31-32
33	میر گل خان نصیر''بلوچستان قدیم اورجدید تاریخ کی روشنی میں'' نساء ٹریڈرز1982ء صفحہ 279
34	ایضاً ص279
35	ملک محمد عمر مسعودی''تاریخ مکران'' ندارد صفحہ

حرفِ آخر

بلوچستان اپنے مخصوص جغرافیائی محل و وقوع کی بناء پر نہایت اہم حیثیت رکھتا ہے کیونکہ ایک طرف اس کے پاس 471 میل طویل ساحل ہے اور دوسری طرف درہ بولان اور درہ مولہ جیسی قدیم پہاڑی گزرگاہیں ہیں اسی طرح لسبیلہ اور مکران کا خشکی کا قدیم ترین راستہ بھی ہے جو ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ گزرتا ہے ان گزرگاہوں سے گزرنے والوں نے جہاں بلوچستان کی تاریخ اور ثقافت پر گہرے نقوش چھوڑے ہیں وہاں پوری دنیا کو اس کی جغرافیائی اور سیاسی اہمیت کا احساس بھی دلایا ہے۔ سکندر اعظم سے لے کر عرب مسلمانوں تک یہ خطہ دنیا کے عظیم ترین تہذیبوں کے زیر اثر رہا ہے۔

1839ء میں جب انگریزوں نے سب سے پہلے بلوچستان میں قدم رکھا تو انہوں نے دیکھا کہ اس علاقے کے باشندے مختلف قبیلوں اور گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں اور آپس میں ہمیشہ برسرپیکار رہتے ہیں۔ بلوچستان میں یہاں کے مقامی لوگوں کے روایتی قسم کے قبائلی قوانین رائج تھی جنوبی بلوچستان پر خوانین قلات حکمران تھے شمالی بلوچستان مختلف قبائلی علاقوں میں بٹا تھا ہندوستان پر غلبہ اور قبضہ کرنے کے بعد انگریز حکمرانوں کی پالیسی کا محور و مقصد یہ تھا کہ کسی طرح ہندوستانی مقبوضات کو کسی خارجی خطرے یا حملے سے محفوظ رکھا جائے اپنی ہندوستانی سلطنت کی سرحدوں کو محفوظ بنانے کی خاطر انگریز حکمران کلکتہ کو مرکز بنا کر وہاں سے ہر سمت پیش قدمی کر کے مزید علاقوں کو فتح کر کے اپنی سرحدوں کی توسیع کا اہتمام کرتے رہے اور اس طرح ان کی سلطنت کی حدود میں جس طرح اضافہ ہوتا گیا ان میں عدم تحفظ کا احساس اس قدر بڑھتا رہا ہندوستان کے دیگر اطراف میں تو کوئی ایسی طاقت نہ تھی جس سے انگریز سلطنت کو خطرے ہوتا البتہ زار

روس کی جانب سے وسطی ایشیاء کی سمت پیش قدمی نے انگریز حکمرانوں کو شمال مغربی سرحدوں پر سنگین خطرے کا احساس دلایا 19 ویں صدی کے وسط میں روس نے وسطی ایشیاء کی مسلم ریاستوں کو اپنی سلطنت کا حصہ بنادیا تھا یا انہیں اپنے زیر تسلط لاچکا تھا اس کا اگلا نشانہ افغانستان اور بلوچستان بن سکتے تھے تاکہ اسے بحر ہند کے گرم پانیوں تک رسائی حاصل ہو سکے۔ انگریز اس وقت سندھ کے ساحلوں تک پہنچ چکا تھا انہیں محسوس ہونے لگا کہ روسیوں کے ساتھ ان کی مڈبھیڑ ناگزیر ہے جو یا تو آموز دریا کے اس پار وسطی ایشیاء کے صحراؤں میں ہو سکتی تھی یا پھر افغانستان اور بلوچستان کے کوہستانوں پر یہ دو بڑے علاقے سندھ اور پنجاب میں داخلے کے لئے اہم حیثیت کے حامل تھے۔ بلوچستان گو کہ کوئی معاشی منڈی نہ تھا لیکن اپنے محل وقوع و مخصوص جغرافیہ کی وجہ سے زبردست اہمیت کا حامل خطہ تھا کیونکہ یہ افغانستان اور ایران سے ملحق علاقہ تھا جہاں قابض ہو کر وسط ایشیاء پر نظر رکھی جاسکتی تھی لہٰذا افغانستان اور بلوچستان کے بارے میں روسی دلچسپی اور اس جانب اس کی پیشقدمی کے بارے میں اسی دوران کلکتہ اور لندن میں اعلیٰ سطح پر کافی بحث ومباحثے ہوتے رہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ 1830ء اور 1880ء کی دہائیوں میں روسی حملے کے بارے میں برطانوی خدشے بڑی حد تک حقیقت پر مبنی تھے برطانوی ہند کے تحفظ کی خاطر بلوچستان کو ایک بنیادی اہمیت کے خطے کی حیثیت حاصل ہوگئی۔ کلکتہ اور لندن نے اپنی ہندوستانی سلطنت کی سلامتی اور دفاع میں بلوچستان کو مضبوط قلعے کی حیثیت دی اور بلوچستان ہی کو اپنی پہلی اور مضبوط ترین فوجی اڈہ بنانے کا فیصلہ کیا تاکہ افغانستان اور ایران پر بھی یہیں سے نظر رکھا جاسکے۔ چنانچہ 1838ء میں میر محراب خان دوئم کے دور میں پہلی اینگلو افغان جنگ ہوئی جس میں برطانیہ کی انڈس آرمی کو درہ بولان کے راستے بلوچستان سے گزر کر افغانستان، قندھار جانا تھا لیکن درہ بولان میں ہی بلوچ قبائل نے انڈس آرمی کو شدید نقصان پہنچایا جس کے نتیجے میں انگریزوں کے لئے

اس وقت ناگزیر ہو چکا تھا کہ وہ سب سے پہلے بلوچستان پر قبضے کریں اور بعدازاں افغانستان کی جانب پیشقدمی کریں لہذا 1839ء میں جنرل ولشائر کی ہمراہی برطانوی انڈس آرمی نے میر محراب خان کو ایک شدید معرکہ کے بعد شکست دے کر شہید کر دیا اور قلات پر برطانیہ کا تسلط قائم ہوا۔لیکن بعد میں میر محراب خان کے صاحبزادے میر حسن خان جو کہ نصیر خان کے لقب سے مشہور تھا اس نے انگریزوں سے معرکہ آرائی جاری رکھی اور بالاخر 41-1840ء میں دوبارہ ان سے تخت قلات حاصل کرنے میں کامیاب ہوا لیکن انگریز اس وقت تک انگریز بلوچستان میں اپنے قدم جما چکے تھے۔ 1854ء میں ایک معاہدے کے تحت انگریزوں میں میر نصیر خان ثانی سے بہت سارے بلوچ علاقے ہتھیا لئے اور برطانوی چھاؤنی کی شکل دیدی۔

الغرض ان حالات میں نصیر خان ثانی کی وفات کے بعد میر خدائیداد خان جو کہ میر نصیر خان ثانی کا سوتیلا بھائی تھا سولہ سال کی عمر میں تخت نشین ہوا اس کے عہد کے پہلے چار یا پانچ سالوں میں سرداروں اور قبیلوں کی مسلسل بغاوتیں بلوچستان کے حالات کو درہم برہم کرتے رہے۔ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ اس کے والد کی شکست و شہادت میں سرداروں اور درباری ملازمین کا ہی سب سے زیادہ عمل دخل تھا وہ سرداروں کو ایک مضبوط حکومت اور مستحکم ریاست کی راہ میں رکاوٹ سمجھتا تھا اس لئے اس کی شروع دن سے یہ کوشش رہی کہ سرداروں کی قوت کو کمزور کر کے مرکزی حاکمیت کو مستحکم کریں اس ضمن میں اس نے کئی بار ضرورت سے زیادہ سخت روش بھی اختیار کی دوسری جانب سرداروں کی یہ سوچ تھی کہ بلوچستان کی حکومت اور خان کی حاکمیت سرداروں مرہون منت ہے اس لئے ان کے تعاون اور مشاورت کے ساتھ ہی حکومتی معاملات چلانے کی ضرورت ہے سردار حضرات خان کی مضبوط حیثیت اور طاقت کو اپنے لئے کمزوری اور خطرے کا باعث سمجھتے تھے۔ حتیٰ کہ اس سلسلے میں وہ بیرونی طاقتوں سے مدد مانگتے تھے پہلے تو وہ کابل کے

حکمرانوں کے پاس خان کی شکایتیں کرتے تھے اور بعد میں انگریز حکمرانوں سے مدد کی درخواستیں کرنے لگے اس طرح باہمی چپقلش کو بیرونی طاقتوں نے ناصرف ہوادی بلکہ ان کی اس حرکت نے ہمیشہ بیرونی مداخلت کی راہ بھی ہموار کیں بہرحال خدائیداد خان نے سرداران قلات کی حکومتی گرفت قائم کرنے کی کوشش کی اور سرداروں نے خان کو کمزور کرنے کی خاطر ہمیشہ انگریز حکمرانوں کی حمایت کرنے کے لئے بغاوتیں وشورشیں برپا کرتے رہے۔ قلات کی بلوچی حکومت خان اور سرداروں کے مابین ایک مستقل آویزش اور چپقلش کا نشان بن کر رہ گئی الغرض 1857ء کو خدائیداد خان اور سرداروں کے درمیان خانہ جنگی کی ابتداء ہوئی جو پورے 21 سال تک جاری رہی۔ آئے دن کی بغاوتیں اور انگریزوں کی مسلسل دخل اندازی اور بلوچستان کے طول وعرض میں پھیلی ہوئی شورشیں بلاآخر میر خدائیداد خان کی معزولی پر منتج ہوئی اور بعدازاں ''1863''ء میں انگریزوں اور سرداروں کی ملی بھگت خان خدائیداد خان پر قاتلانہ حملہ کیا گیا اس حملے میں خان خدائیداد خان شدید زخمی ہوئے اور جھالاوان کی طرف چلے گئے اور قلات پر میر شیر دل خان کا قبضہ ہوگیا۔ لیکن میر شیر دل خان بھی انگریزوں کی خواہشات کے برعکس نکلا وہ انگریزوں سے شدید نفرت کرتا تھا لہذا انگریزوں نے انہی سرداروں اور سازشی ملازمین کے ذریعے اسے بھی قتل کروادیا اور نامساعد حالات میں خان خدائیداد خان نے 1864ء میں دوبارہ اقتدار حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ خدائیداد خان کے دوبارہ برسراقتدار آتے ہی ایسے پرآشوب اور غلامانہ دور کا آغاز ہوا کہ جس میں قلات کے سطوت اور جبروت کے شہتیر گرادیئے اور اس کی عظمت کو ختم کردیا لہذا دوبارہ خدائیداد خان انگریزوں کے بچھائے ہوئے جال میں پھنستا ہی گیا۔ کیونکہ انگریزوں چاہتے تھے کہ خان اور سرداروں کے درمیان ایسا سمجھوتہ کرادیا جائے جس میں سیاسی بالادستی ان میں سے کسی فریق کو حاصل ہونے کی بجائے انگریزوں ہی کو حاصل رہے چنانچہ 8 دسمبر 1875ء کو

لیفٹیننٹ رابرٹ سنڈیمن نامی ایک انگریز آفیسر جو بعد میں فاتح بلوچستان کہلایا پنجاب کے چند بلوچ سردار کی معیت میں بلوچستان آیا۔ بی کے مقام پر اس نے بلوچستان کے باغی سرداروں سے ملاقات کیں اور پھر کوئٹہ سے ہوتا ہوا قلات گیا۔ اور خان میر خدائیداد خان سے ملا گو کہ پہلے مشن میں رابرٹ سنڈیمن کامیاب نہیں ہوسکا سوائے اس کے مینگلوں کے سرداروں نورالدین مینگل کو جو باقی سرداروں سے کٹ کر خان کا طرفدار بن چکا تھا اور ساتھ میں انگریزوں سے بھی شدید نفرت کرتا تھا خان خدائیداد خان کے ہاتھوں مروانے کے علاوہ سنڈیمن کو اور کچھ حاصل نہیں ہوا۔ لیکن 1876ء میں جب وہ دوبارہ بلوچستان آیا تو اپنے مقصد میں کامیابی ہوئی۔ 13 مئی 1876ء کو بلوچستان کے حکمران میر خدائیداد خان قلات سے مستونگ روانہ ہوئے تا کہ رابرٹ سنڈیمن کے زیر صدارت سرداروں کے اجلاس میں شمولیت کر سکے جہاں ڈیرہ غازی خان سے لے کر ایرانی اور افغانی سرحد تک کے بلوچ سردار رابرٹ سنڈیمن کے بطور ہمنوا موجود تھے۔ اس منعقدہ اجلاس میں رابرٹ سنڈیمن نے نہ صرف خان قلات اور اس کے سرداروں کے درمیان معاملات اور تنازعات کو جو زیادہ تر خود انگریز احکام کے پیدا کردہ تھی بڑی ڈپلومیسی سے طے کردیا اور اس طرح بلوچستان میں انگریزی حکومت قائم ہوگئی۔ ان حالات میں بلوچستان کے کچھ علاقے براہ راست انگریزی انتظامیہ کے زیر اثر آئے اور جس کے نتیجے میں بعدازاں برٹش بلوچستان بننے کی راہ ہموار ہوئی۔ اگر خدائیداد خان اپنی قوم اور ان کے سرداروں پر اعتماد کرتا انہیں ان کی جائیدادوں سے محروم نہ کرتا انہیں ملک بدر نہ کرتا ان کے خلاف فوجی کاروائی نہ کرتا ان کا قتل عام نہ کرتا غیر ملکی سپاہ پر بھروسہ کرنے کی بجائے اپنی قبائلی قوت کو بروئے کار لاتا اور دربار سے غیر ملکی اثرات کو ختم کرتا تو یقیناً ان کا دور بھی نصیر خان نوری کے دور کی طرح مثالی دور ہوتا اور یقیناً انگریز بھی اپنی ریشہ دوانیاں جاری نہ رکھ پاتے اور بلوچستان کے حکمران کو کٹھ پتلی حکمران کی بجائے

خودمختار حکمران تسلیم کرتے۔ مگر خدائیداد خان نے وہی کیا جو برطانیہ کے کھاتے داروں کی خواہش تھی انہی کی خواہشات کی تکمیل میں اپنا گھر چھوڑنا پڑا اور اپنی ہی قوم کو خود سے بیگانہ کر دیا۔

خدائیداد خان کے دور حکومت اس وجہ سے بھی زیادہ اہمیت کا حامل ہے کہ یہ وقت انیسویں صدی برطانیہ کے عروج کی صدی تھی۔ جس سال خدائیداد خان برسراقتدار آیا اسی سال یعنی 1857ء میں ہندوستانی عوام نے انگریزوں سے نجات کی آخری مسلح کوشش کی مگر ناکام رہے اور برطانیہ نے ہندوستانیوں کی شکست کے بعد ہندوستان کے معاملات وامور کا اختیار ایسٹ انڈیا کمپنی سے لے کر براہ راست تاج برطانیہ کے حوالے کیا اس طرح یہ سال نہ صرف ہندوستان اور برطانیہ کی تاریخ کا اہم ترین سال تھا بلکہ اس لحاظ سے بھی بہت اہم تھا کہ ہندوستان پر سے مغل اقتدار کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہوگیا اور مغلیہ تہذیب وثقافت کو برطانوی توپوں کی گھن گرج سے نقصان پہنچایا اور اس کا وجود چند خوبصورت عمارتوں اور کچھ قلمی نسخوں تک محدود رہا اور اس طرح ہندوستان میں مغربی یعنی برطانوی تہذیب وتمدن کا آغاز ہوا جس مختصر عرصے میں برصغیر سمیت پورے ایشیائی تہذیب وثقافت، علم وحرفت، حکومت وسیاست اور معیشت ومعاشرت پر اپنے اثرات مرتب کئے یہ اثرات منفی بھی تھے اور مثبت بھی۔ بہرحال ہندوستانیوں کی طرز زندگی کا ہر پہلو اس نئی تہذیب سے متاثر ہوا اور ان میں واضح تبدیلی آ گئی۔

بلوچستان بھی گو کہ انگریزی قبضہ واقتدار سے متاثر ہوا مگر بلوچ قبائل نے عرصہ دراز تک انگریزوں کے قبضہ واقتدار کے خلاف چونکہ مسلح جدوجہد جاری رکھی تھی لہذا انگریزی تمدن ان کے معاشرتی اداروں کے توازن میں کوئی بڑی تبدیلی نہ لا سکا بعد ازاں جب سنڈیمن نے پرامن بقائے باہم کے اصول کے تحت بلوچستان کے حکمران (خان) اور قبائلی سرداروں کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا بھی تو اس ادارے اور اصول کے ساتھ کہ

وہ بلوچ قوم کے قبائلی نظام کے اندر کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں کریں گے اور نہ ہی قبائلی سرداروں کو ناراض کریں گے۔ بلکہ سنڈیمن نے 1876ء کے معاہدہ مستونگ کے بعد تو سرداروں کو اتنا بااختیار بنایا کہ ان کا اختیار کردہ اور وضع کردہ یہ طریقہ کار باقاعدہ طور پر سرداری سسٹم یا سنڈیمن کے نام سے مشہور رہا۔ چونکہ سنڈیمن بلوچوں کے قبائلی اصولوں کے درمیان مداخلت کرنے سے اجتناب کرتا تھا اور اپنے حکام کو بھی ان قبائل کے اندرونی معاملات میں مداخلت کرنے سے منع کرتا تھا۔ لہذا بلوچ طرز معاشرت ہزاروں سالوں سے قائم اپنے قدیم اصولوں پر قائم رہی اور اس میں کوئی بڑی تبدیلی نہیں آئی جبکہ ساتھ ساتھ ہندوستان اور اس سے ملحق دیگر علاقہ برطانیہ کے جدید نظام اور سائنسی ٹیکنالوجی سے بہت زیادہ مستفید بھی ہوئے اور ان کا سفر بڑی تیزی کے ساتھ جدیدیت (Modernization) کی طرف رواں دواں رہا۔ جبکہ بلوچستان کا قدیم قبائلی نظام برطانوی نظام کے مثبت ثمرات سے محروم رہا اور باقی ہندوستان کی نسبت بہت زیادہ پسماندہ رہا۔

بلوچستان کی سماجی اور معاشرتی ترقی میں انگریزوں کی عدم دلچسپی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ باقیماندہ ہندوستان پر تو برطانیہ نے بزور طاقت قبضہ کرلیا تھا اور وہاں پر باقاعدہ برطانوی راج قائم ہو چکا تھا مگر بلوچستان کا معاملہ اس کے برعکس تھا۔ ہندوستان میں بھی انگریزوں کی راہ میں شدید مزاحمت کی گئی کیونکہ ہندوستانیوں کے پاس مادی وسائل قدرے زیادہ تھے جبکہ بلوچستان کے لوگوں نے وسائل اور آبادی کی قلت کے باوجود لمبے عرصے تک انگریزوں کی راہ میں مزاحمت کیں۔ بلوچ قبائل کو گوکہ ہزیمت ہوئی مگر اس کی وجہ انگریز نہیں بلکہ بلوچوں کی اس غیر منظم جدوجہد تھی اگر بلوچ قبائل کسی ایک رہنما کی معیت میں منظم انداز میں جدوجہد کرتے تو شاید یقیناً انگریز پسپا ہونے پر مجبور ہو جاتا۔ مگر پھر بھی ان غیر منظم قبائل نے انہیں اپنی چھاپہ مار کاروائیوں سے اس حد تک

پریشان ضرور کیا کہ وہ براہ راست قبضے کی بجائے مراعات کی طلبی کے لئے معاہدات و مذاکرات کی میز پر بیٹھنے پر مجبور ہوا۔ یہی وجہ تھی کہ انگریز یہاں سے صرف اپنی فوجی معاملات وضروریات پوری کرتا رہا۔ یہاں لوٹنے کو کچھ بھی نہ تھا کہ جن سے وہ اپنی معاشی ضروریات پوری کرتا لہذا وہ بھی اپنی فوجی کاروائی تک محدود رہا اور یہاں کی طرز معاشرت اور معیشت کی ترقی میں کوئی دلچسپی نہیں لی اور نہ ہی بلوچ قوم کے سیاسی نظام کو تبدیل کیا۔ اگر رسل ورسائل اور مواصلات کوتھوڑی ترقی دی گئی تو وہ بھی صرف اپنی فوجی ضروریات کی تکمیل کی خاطر ورنہ یہاں کے باشندوں کی معاشی، معاشرتی، ثقافتی، سیاسی اور تعلیمی ترقی میں انہیں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ کیونکہ وہ بلوچستان میں اپنے فائدہ کے حصول کے لئے محض چند معاہدات کے تحت بیٹھے ہوئے تھے جوکہ برطانیہ کے بااختیار نمائندوں اور بلوچستان کے حکمران میر نصیر خان دوئم اور میر خدائیداد خان کے درمیان مختلف اوقات میں طے پائے تھے۔

خدائیداد خان کا عہد نہ صرف بلوچستان بلکہ پوری ایشیاء کے لئے انتہائی اہمیت کا حامل تھا کیونکہ 1857ء میں دنیا اور بالخصوص ایشیاء کی سب سے بڑی تہذیب (مغلیہ تہذیب) کا خاتمہ ہوا اور ایک نئے دور اور نئی تہذیب (برطانوی یا مغربی تہذیب) کا آغاز ہوا۔ پورا ایشیاء اس نئی تہذیب سے نہ صرف متاثر ہوا بلکہ شدید طور پر تبدیل ہوا لیکن اس تمام تر تہذیبی اور سماجی تغیرات کا بلوچستان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ پورا برصغیر براہ راست تاج برطانیہ کے کنٹرول میں آیا مگر بلوچستان چند معاہدات کے تحت برطانیہ کے ساتھ لگا بندھا رہا۔ برطانیہ نے ہندوستان اور اس سے ملحق علاقوں پر باقاعدہ آئینی وسیاسی حکومت کا آغاز کیا مگر بلوچستان کی تخت پر وہ یا اس کا کوئی نمائندہ نہ بیٹھ سکا بلکہ چند فوجی مراعات حاصل کر کے برطانوی نمائندہ ریذیڈنسی تک محدود رہا۔ مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ درپردہ برطانیہ نے بلوچستان میں اپنی ریشہ دوانیاں جاری رکھیں اور اپنے

بعض اقدامات سے اپنے آپ کو بلوچستان کا عملاً حکمران ثابت کرنے کی کوشش کی۔ مثلاً 1876ء کے معاہدہ مستونگ میں بحیثیت ثالث کردار ادا کرتا۔ میر خدائیداد خان حکمران بلوچستان کو 1893ء میں گرفتار کر کے پس زندان ڈالنا وغیرہ مگر اس کے باوجود بلوچ حکومت کا خاتمہ اس انداز میں نہیں کیا کہ جس انداز میں مغلیہ اقتدار کا خاتمہ کر دیا گیا تھا۔ بلوچستان سے انگریزوں کے نکل جانے 1947ء تک بلوچستان کے بیشتر علاقوں پر براہ راست خان بلوچ کا حکم چلتا تھا۔ البتہ خارجہ پالیسی برطانیہ کے زیر اثر تھی لہذا خدائیداد خان کے دور یا اس کی شخصیت کو تنقید کا نشانہ بنانا بالکل درست نہیں ہے بلکہ اس لحاظ سے وہ اور اس کا دور زیادہ اہمیت کے حامل ہیں کیونکہ ایک بڑی اور طاقتور سلطنت نے اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود انگریزی طوفان کا راستہ نہیں روک سکی مگر ایک انتہائی کمزور اور پسماندہ علاقے کے لوگوں نے انگریزوں کو طاقت استعمال کرنے سے طاقت کے ذریعے روکا اور مراعات کی طلبی کے لئے مذاکرات کی میز پر لانے پر مجبور کیا اور برطانیہ جیسی طاقت کو معاہدات کے ذریعے مراعات کے حصول کا راستہ منتخب کیا۔

بلوچستان میں برطانیہ کی آمد سے البتہ بلوچ سردار انتہائی طاقتور ہوئے اور وہ اپنے پرانے قبائلی نظام کی پابندیوں سے آزاد ہو گئے بلکہ وہ اتنے بااختیار ہو گئے تھے کہ اپنے قبائل پر بھاری بھرکم ٹیکس اپنے حصول زر کی خاطر عائد کر سکتے تھے۔ اب انہیں روکنے والا کوئی نہیں تھا وہ سرداران قبائل جو میر محراب خان دوئم، میر نصیر خان ثانی اور میر خدائیداد خان سے صرف اس لئے ناراض اور باغی تھے کہ وہ کیوں نصیر خان اعظم کا نظام دوبارہ لاگو نہیں کرتے تو یہی سردار صاحبان نصیر خان اعظم کے اصولوں کو بھول گئے اور اپنے مطالبات انہیں یاد نہیں رہے۔ وہ بلوچ قومداری نظام کے طریقوں کو بھول گئے۔ خدائیداد خان تو انہی سرداروں سے متنفر تھا ورنہ وہ قوم و وطن کا دشمن قطعی نہیں تھا اور نہ ہی انگریزوں کا حامی، بلکہ تاریخ تو یہ ثابت کرتی ہے کہ خدائیداد خان انگریزوں کا سخت ترین

مگر انتہائی کمزور دشمن تھا ورنہ اس کے آباؤ اجداد نے اپنے وطن کی تاریخ ہمیشہ اپنے خون سے رقم کی تھی۔

بعض ناقدین خدائیداد خان اور انگریزوں کے درمیان معاہدات کو مدنظر رکھ کر خدائیداد خان کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ خدائیداد خان انگریزوں سے سخت نفرت کرتا تھا اور وہ انہیں اپنے ملک و سرزمین پر بالکل پسند نہیں کرتا تھا۔ لیکن اس کے پاس وہ وسائل نہیں تھے کہ جن کی بنیاد پر وہ انگریزوں سے محاذ آرائی کرتا۔ خدائیداد خان کی انگریزوں کی ناپسندیدگی کی کئی مثالیں موجود ہیں مثلاً جب سنڈیمن 1875ء میں پہلی بار خدائیداد خان سے ملاقات کی اور خدائیداد خان نے ان سے گفت و شنید کرنے سے انکار کر دیا۔ کیونکہ وہ باقاعدہ سرکاری نمائندہ بن کر نہیں آیا تھا کہ جو دو حکومتوں کے درمیان حق نمائندگی ادا کرتا اس طرح جب سنڈیمن کے انتقال کے بعد جنرل براؤن گورنر جنرل کا نمائندہ بن کر آیا تو اسے یہ توقع تھی کہ خدائیداد خان ان سے ملنے کے لئے ضرور آئیں گے۔ مگر خدائیداد خان اپنے آپ کو قطعی انگریزوں کا محتاج یا دست نگر نہیں سمجھتا تھا بلکہ وہ اپنے آپ کو آزاد اور خودمختار حکمران اور برطانوی حکومت کا اتحادی سمجھتا تھا۔ کیونکہ حقیقتاً وہ مختلف معاہدات کے ذریعے انگریزوں کے ساتھ مختلف معاہدات پر اتحاد و اتفاق کر چکا تھا نہ کہ ان کی حاکمیت تسلیم کی تھی لہذا جنرل براؤن کو بھی انہوں نے انتہائی جرات مندی سے یہی تاثر دیا کہ چونکہ یہ سرزمین اس کی ہے لہذا نگریزی نمائندے کا حق بنتا ہے کہ وہ سفارتی اصولوں کے تحت اس سرزمین کے حاکم اور خان سے ملاقات کرنے میں پہل کرے۔

خدائیداد خان کی جرات مندی اور حاکمیت کو اس واقع کے پس منظر میں اگر دیکھا جائے تو ان کی انگریز مخالفت اور نڈر پن کی زیادہ واضح تصویر کشی ہوتی ہے یعنی جب جنرل براؤن نے انہیں گرفتار کرنے بھاگ پہنچا تو اگر خدائیداد خان چاہتا تو پورے

لاؤ لشکر کے ساتھ بھاگ جاسکتا تھا مگر چونکہ وہ حاکم تھا اور ایک آزاد مملکت کا حکمران تھا لہذا وہ اپنے ملک کے اندر مسلح حالات میں اور پورے لاؤ لشکر کے ساتھ براؤن سے ملنے نہیں گیا بلکہ صرف چند مصاحبین کے ہمراہ بھاگ پہنچا۔ حالانکہ اسے بتادیا گیا تھا کہ براؤن کے ارادے کیا ہے۔ مگر اس نے ذرہ برابر خوف محسوس نہیں کیا اور انہی بے مثال بہادری اور آزادی پسند ہونے کا واضح ثبوت پیش کیا۔ اس طرح کے اور بھی کئی دیگر واقعات رونما ہوئے جو خدائیداد خان کی انگریز دشمنی اور اپنی آزاد و خود مختار حق حاکمیت کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔

کتابیات (Bibliography)

1	ابن خلدون، عبدالرحمن ''مقدمہ ابن خلدون (جلد ششم) نفیس اکیڈیمی ،کراچی 1971ء
2	احسان الحق، محمد وعلوی، محمد شفیق ''تاریخ مسلمانان'' علمی کتب خانہ، لاہور ندادر
3	احمد زئی، نصیر خان، آغا ''تاریخ بلوچ و بلوچستان'' (جلد اوّل) بلوچی اکیڈیمی کوئٹہ 1984ء
4	احمد زئی، نصیر خان، آغا ''شجرہ نسب''
5	احمد زئی، نصیر خان، آغا، ''تاریخ بلوچ و بلوچستان'' (جلد ششم) بلوچی اکیڈمی کوئٹہ 1995ء
6	امجد، یحییٰ، ''تاریخ پاکستان'' (قدیم دور) جلد اول ، سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور 1989ء
7	ایوانوف، مضامین برائے تاریخ ایران، ماسکو 1952ء
8	بابر، ظہیر الدین ''تزک بابری'' سنگ میل پبلیکیشنز ، لاہور 1995ء
9	بجارانی، خدابخش، میر ''بلوچستان تاریخ کے آئینے میں'' نساء ٹریڈرز کوئٹہ، 1989ء تیسرا ایڈیشن
10	بخاری، محمود شاہ، سید ''تاریخ بلوچستان قیام پاکستان تک'' بک لینڈ کوئٹہ 1983ء

11	براہوئی، عبدالرحمٰن، ڈاکٹر''بلوچستان میں عربوں کی فتوحات اور حکومتیں'' زمرد پبلیکیشنز، مستونگ 1990ء
12	باری، ''کمپنی کی حکومت'' 1937ء
13	بگٹی، عزیز محمد، پروفیسر''بلوچستان، سیاسی کلچر اور قبائلی نظام'' فکشن ہاؤس لاہور 1995ء
14	بگٹی،عزیز محمد پروفیسر''بلوچستان شخصیات کے آئینے میں'' فرنٹیئر پوسٹ پبلیکیشنز لاہور 1994ء
15	بگٹی، عزیز محمد، پروفیسر''تاریخ بلوچستان'' سنزر پرنٹرز پرائیویٹ لمیٹڈ کوئٹہ 1995ء
16	بلوچ، محمد سردار خان''بلوچ قوم کی تاریخ'' نساء ٹریڈرز کوئٹہ 1980ء
17	بہار، ملک الشعراء (تصحیح کردہ) ''تاریخ سیستان'' مطبوعہ دولتی تہران (ایران) 1366 ہجری (اصل مورخ نامعلوم)
18	پیکولین، م،ک''بلوچ'' تخلیقات لاہور 1995ء
19	ٹیٹ، جی، پی،''سلطنت افغانستان'' مسٹر ایرنٹس، کوئٹہ 1990ء
20	جلال زئی، موسیٰ خان''تاریخ بلوچستان و پشتون کشمکش کے تناظر میں''
21	چانکیہ، کوتلیہ، اچاریہ، ارتھ شاستر، ٹیکساس پرنٹرز کراچی 1991ء
22	چوہدری زاہد'' پاکستان کی ریاستی'' جلد ہفتم (بلوچستان) ادارہ مطالعہ تاریخ لاہور 1994ء
23	حسن، سبط''پاکستان میں تہذیب کا ارتقاء'' مکتبہ دانیال، کراچی 1986ء چھٹا ایڈیشن

24	حسن، عثمان، ایس ''بلوچستان (رپورتاژ) نساء ٹریڈرز کوئٹہ 1984ء
25	حسین، آغا، افتخار، ڈاکٹر ''قوموں کے عروج و زوال کے اسباب کا مطالعہ'' مجلس ترقی ادب لاہور 1985ء
26	خان، احمد یار، میر ''بلوچ قوم کی تاریخ''
27	خان، احمد یار، میر ''بلوچ قوم کے نام، خان بلوچ کا پیغام'' عباسی پریس کراچی 1972ء
28	خان، احمد، یار، میر ''تاریخ خوانین بلوچ'' اسلامیہ پریس کوئٹہ 1947ء
29	دہوار، محمد سعید، ''بلوچستان ماقبل تاریخ'' نساء ٹریڈرز، کوئٹہ
30	دہوار، محمد سعید ''تاریخ بلوچستان'' نساء ٹریڈرز کوئٹہ 1990ء
31	رزاقی، شاہد، حسین، سید جمال الدین افغانی ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور 1979ء
32	رومان، محمد انور ''کوئٹہ قلات کے براہوئی'' قریشی پبلیکیشنز کوئٹہ 1987ء
33	سمتھ، وی، اے ''قدیم تاریخ ہند'' تخلیقات لاہور 2001ء
34	سنگھ، گنڈا، ''احمد شاہ ابدالی'' تخلیقات لاہور 1997ء
35	شاہوانی، عبدالحمید ''تاریخ بلوچستان'' سراوان اکیڈیمی مستونگ 1996ء
36	شیدائی، مولائی، ''سرزمین بلوچ'' بلوچی اکیڈیمی کوئٹہ 1996ء
37	شیخ، محمد حیات، ''تاریخ اسلامی جمہوریہ ایران'' مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور 1998ء
38	عسکری، ناصر، ''سیستان و بلوچستان'' بلوچی اکیڈیمی کوئٹہ ندارد

39	قدوسی، اعجاز الحق ''تاریخ سندھ'' (جلد اوّل) اردو سائنس بورڈ، لاہور 1985ء تیسرا ایڈیشن
40	قدوسی، اعجاز الحق ''تاریخ سندھ'' جلد دوئم اردو سائنس بورڈ لاہور 1985ء تیسرا ایڈیشن
41	قیصرانی، شاہین، محمد اشرف ''بلوچستان تاریخ و مذہب'' ادارہ تدریس'' کوئٹہ 1994ء
42	قیصرانی شاہین ''تاریخ بلوچستان کا ایک تحقیقی جائزہ'' 1993ء
43	کاکاخیل، سید بہادر شاہ ظفر ''پشتون تاریخ کے آئینے میں''
44	کوثر، انعام الحق ''بلوچستان آزادی کے بعد'' مشاورہ تعلیمی تحقیق، کوئٹہ 1997ء
45	لغاری، عبدالقادر ''تاریخ ڈیرہ غازی خان''
46	لہڑی، صالح محمد، ملک ''بلوچستان ون یونٹ سے پہلے'' ہفتہ وار باغ و بہار کوئٹہ 1955ء
47	لینگر، ایل ولیم ''انسائیکلو پیڈیا تاریخ عالم (تاریخ اسلام جلد اول) شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور 1968
48	محمد صالح، اخوند، کوردگال نامک، بلوچی اکیڈمی، کوئٹہ 1994ء
49	محمد صدیق، اخوند، ''اخبار ابرار'' (تاریخ خوانین قلات) نساء ٹریڈرز کوئٹہ
50	محمد لطیف، سید ''تاریخ پنجاب'' بک ٹاک لاہور 2002ء
51	مری، شاہ محمد، ڈاکٹر ''بلوچ قوم، قدیم عہد سے عصر حاضر تک'' تخلیقات لاہور 2000ء
52	مسعودی، ملک محمد عمر ''تاریخ مکران'' ندارد

53	نصیر، گل خان، میر "بلوچستان قدیم و جدید تاریخ کی روشنی میں" نسا، ٹریڈرز کوئٹہ 1982ء
54	نصیر، گل خان، میر "تاریخ بلوچستان" قلات پبلشرز کوئٹہ 1993ء
55	نعمانی، شبلی، علامہ "الفاروق" پرویز بک ڈپو، دہلی ندارد
56	نعمانی، شبلی علامہ "تاریخ خاران" میر وزیر خان نوشیروانی، خاران کوئٹہ ندارد
57	نہرو، جواہر لعل "تاریخ عالم پر ایک نظر" تخلیقات لاہور 1999ء
58	ہاشمی، ظہور شاہ سید "بلوچی زبان و ادب کی تاریخ" سید ہاشمی اکیڈیمی کراچی 1986ء
59	ہتورام، رائے بہادر "تاریخ بلوچستان" سنگ میل پبلیکیشنز لاہور 1998ء
60	ہیریسن، سلیگ "بلوچ قومی تحریک" سیلز اینڈ سروسز کوئٹہ 1990ء
61	ہیوز، اے، ڈبلیو "سرزمین بلوچستان" نسا، ٹریڈرز کوئٹہ 1986ء
62	ہالینس، نواب بہادر میر اعظم خان "یادگار تاجپوشی قلات" 1932ء ایوان قلات

English Books

1-	Abdul Quddus, Syed, Pakistan; From Khyber to Karachi, Islamic Book Centre, Lahore, N.D.
2-	Abdul Quddus, Syed, The Tribal Balochistan, Feroz Sons (Pvt) Ltd, Lahore, 1992.
3-	Awan, A.B. Balochistan; Political and Historical process, New Century Publishers, London, 1985.
4-	Baloch, Inayatullah, The Problem of Greater Balochistan, GMBH, Germany, 1987.
5-	Baloch, Mohammad Sardar Khan, A litrary History of Baloches, Balochi Academy, Quetta, 1977.
6-	Baloch, Muhammad Sardar Khan, The Great Baloch, Balochi Academy, Quetta, 1965.
7-	Bridget and allchin, Raymond, the rise of civilizations in India and Pakistan, Cambridge University Press, London, 1982.

8-	Brill, E.J, Religion and Society in Arab Sind, Monographs and theoretical Studies, New York, Leiden, 1989.
9-	Caroe, Olaf, The Pattans, Oxford University Press, Karachi, 1996, 9th edition.
10-	Encyclopedia of Britanika London, 1971.
11-	Encyclopedia of Islam, London, 1936.
12-	Imperial Gazetteers of India, Provinceal Series, Balochistan.
13-	Gazetteers (Balochistan District Series) 1. Quetta. 2.Chaghi Gosha-e-Adab, Quetta, 1996. 3rd Addition
14-	Holdich, Thomas, Gates of India, Nisa Traders, Quetta, 1982.
15-	Iqbal Ahmed, Syed, Balochistan; its strategic importance, Royal Book Company, Karachi, 1992.
16-	Kinder, Hermann, Atlas of World History; Vol-I Penguin, New Yor, 1998, Reprint.
17-	Mohajan, V.D., Mughal Rule in India, Chand and Company Limited, New Dehli, Rpt: 1992.
18-	Marshal, John, A Guide to Taxila, Sunny Communication, Karachi, 1960.

19-	MC, Crindle, J.W., Invasion of India by Alexander the great, Indus Publications, Karachi, 1982.
20-	Mill, James, British History of India, Vol-I, III, Atlantic Publications New Dehli, 1990.
21-	Rehman, H-U, A chronology, of Islamic History, 570-1000. C.E, Mansell Publishing Limited, London; 1989.
22-	Siraj, minhajuddin, Maulana, Tabquat-e-Nasiri, Vol:II Asiatic Society, Calcutta, 1995; IInd edition
23-	Smith, A-Vincent, the Oxford History of India, Oxford University Press Karachi, 1992; 4th edition.
24-	Spate O.K.H, India and Pakistan, Methuen Dutton, London, 1956.
25-	Thornton Thomas Henery, Colonel Sir Robert Sandeman, Gosha-e-Adab, Quetta, 1977, Rpt
26-	Titus, Paul, Marganility and Modernity; Ethnicity and Charge in Post-colonical Balochistan, Oxford University Press New Yorl, 1997.
27-	Toronto (Canada), 1977.

پشتو کتب

ا۔ اولس یاد ''انگریزی استعمار او افغانستان'' 1973 تر 1898 ہندہ سیاسی خاکہ 1989 پشتو۔

سعیدہ مینگل

محترمہ سعیدہ مینگل نوشکی میں پیدا ہوئیں، ابتدائی تعلیم نوشکی ہی میں حاصل کی اور اعلیٰ تعلیم کیلئے کوئٹہ آئی اور یہاں شعبہ تاریخ میں ماسٹر کرنے کے بعد اپنے علاقے میں بحیثیت سینئر معلمہ (SST) درس و تدریس سے منسلک ہوئیں بعد ازاں اپریل 2000 میں جامعہ بلوچستان کے شعبہ تاریخ میں بحیثیت لیکچرار تعینات ہوئیں۔ اسی دوران جامعہ بلوچستان سے ایم فل کی ڈگری حاصل کر کے موصوفہ 2008 میں اسسٹنٹ پروفیسر بنیں جہاں اب بحیثیت اسسٹنٹ پروفیسر اپنی خدمات سرانجام دے رہی ہیں۔

یہ کتاب محترمہ سعیدہ مینگل کی پہلی کتاب ہے جو بلوچستان کے سابقہ حکمران خان میر خدائیداد خان کی زندگی اور اس کے دورِ حکمرانی کا مکمل احاطہ کرتی ہے۔ موضوع کے لحاظ سے یہ نہ صرف اہم کتاب ہے بلکہ خان میر خدائیداد خان کے بارے میں یہ پہلی اور جامعہ تحریر بھی ہے۔

بلوچی اکیڈمی کوئٹہ

ISBN : 978-969-9768-18-7